ابنِ صفی
جلد نمبر
11
جاسوسی دنیا
33- برف کے بھوت
34- پرہول سناٹا
35- چیختے دریچے

پیشرس

جاسوسی دنیا کا تینتیسواں کارنامہ اور چھٹا خاص نمبر ہے۔ اس کی کہانی ٹیکم گڈھ اور سیتل گھاٹی کے خوفناک ماحول کے گرد گھومتی ہے۔ برفانی پہاڑیوں اور گپھاؤں میں ایک ایسی طلسماتی فضا ملتی ہے جہاں پہنچ کر آدمی سب کچھ بھول جاتا ہے.... پہاڑیوں پر ڈیڑھ فٹ لمبے پنجوں کے نشانات اور برف کے بھوت، واہمہ نہ تھے۔ انہیں لوگوں نے دیکھا تھا پُر اسرار طور پر نوجوان عورتوں اور مردوں کا غائب ہونا ایک بھیانک سازش کا نتیجہ تھا۔ مگر سازشی اور مجرم کون تھا؟

یہ ایک عجیب و پُر اسرار کہانی تھی۔

فریدی اپنے انوکھے انداز سے اس راز سے پردہ اٹھاتا ہے۔ پہلی بار اُس کا مقابلہ ایسی شخصیت سے ہوتا ہے، جو صرف مجرم نہیں ہے بلکہ انسانیت کا دشمن ہے۔ اُس کے بھیانک ارادے ساری دنیا کے لئے تباہ کن ہیں۔ فریدی اپنی زندگی کی بازی لگا کر اُس سے مقابلہ کرتا ہے۔

فریدی کے ساتھیوں میں غزالہ، شہناز، میجر نصرت کے علاوہ آپ کو عجیب و غریب شخصیتیں اور بھی ملیں گی۔ ان میں ایک فرزانہ ہے جسے بڑے بڑے الفاظ بولنے کا خبط ہے۔ دوسرا قاسم ہے، جو اب طاقتور ہے، موٹا ہے، بھدا ہے۔ بیوقوف ہے مگر انتہائی مخلص ہے، جسے عشق کی تلاش ہے۔ مگر عشق جس سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔

گرومی کا کردار عجیب و غریب ہے۔ وہ ذہن پر ایک عجیب تاثر چھوڑ جاتا ہے اور ڈاکٹر سڈلر! میرا دعویٰ ہے کہ آپ اُسے کبھی نہ بھول سکیں گے۔

ابن صفی کے جادو نگار قلم نے اس بار تحیر و استعجاب کی آتش بازیوں میں رن و طلسمات کے قہقہہ آفرین پھول کھلائے ہیں۔ ایک بار پھر انہوں نے ثابت کر دیا کہ ان کے قلم کی انگڑائیوں میں لافانی دلچسپیوں اور انوکھے پن کا خزانہ پوشیدہ ہے۔ ایک شہنشاہ کی طرح وہ جب اور جس طرح چاہتے ہیں اپنے قلم کو دلچسپ سمتوں میں موڑ دیتے ہیں۔ برف کے بھوت اُن کے خوشہ چینیوں کے لئے ایک بار پھر

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں؟ کے لئے

کا پیغام لاتا ہے۔

پبلشر

پُراسرار نشانات

موسم بہار کا آخری پرندہ بھی دردناک آوازوں میں کراہتا ہوا اڑ گیا۔

ٹیکم گڈھ کی پہاڑیوں میں برف گرنے لگی تھی۔ پہاڑی نالوں کی سطحیں جم گئیں تھیں لیکن اُن کے نیچے اب بھی پانی بہہ رہا تھا اور جہاں برف کی تہہ زیادہ موٹی نہیں تھی وہاں سے لہریں تک صاف دکھائی دیتی تھیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سورج نکل آتا اور چند ہی گھنٹوں میں برف کی تہہ پگھل جاتی اور نالے پھر اپنی پہلی سی طوفان خیزیوں کے ساتھ بہنے لگتے۔

درختوں کی شاخیں پتیوں سے محروم تھیں۔ البتہ سدابہار درخت اب بھی اپنی سبز قبا سمیت پُر غرور انداز میں سر اٹھائے کھڑے تھے۔

سردیوں میں ساری رونق ختم ہو جاتی ہے۔ درختوں کے تنوں سے لپٹی ہوئی خود رو بیلیں اپنے زرد نیلے اور سرخ پھولوں سمیت سیاہ رنگ کی پتلی ڈوریوں کی شکل میں تبدیل ہو کر جھولتی رہ جاتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے گوشت چھوڑ کر ہڈیاں پھینک دی ہوں۔

اس موسم میں میدانوں کے وہ سیاح بھی نہیں دکھائی دیتے جو رومان کی تلاش میں یہاں آتے ہیں۔ وہ تخیل پرست نوجوان بھی نہیں نظر آتے جو موسم بہار میں یہاں کے لکڑی کے مکانوں میں بیٹھ کر اسٹرونگ قسم کی کافی اور تلخ تمباکو والے سگاروں کے ساتھ خود کو سوئٹزر لینڈ کے کسی گاؤں میں محسوس کرتے ہیں۔

سردیوں کے موسم میں اگر ٹیکم گڈھ کی پہاڑیوں میں رائفلوں کی آوازیں نہ گونجتی رہیں تو اُسے مُردوں کی بستی بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ بڑے بالوں والی لومڑیوں اور بھیڑیوں کے شکاری ہی

یہاں تھوڑی سی زندگی پیدا کردیتے ہیں۔ وہ بھی یہاں کے مقامی باشندے نہیں ہوتے، میدانی علاقوں سے آتے ہیں۔ علاقائی حکومت معقول معاوضے پر انہیں شکار کی اجازت دے دیتی ہے اور انہیں کی بدولت شونگلو قوم کے افراد سردیوں میں بھی تھوڑی بہت کمائی کرتے رہتے ہیں۔ وہ شکار کئے ہوئے جانوروں کی کھالیں اتارتے ہیں اور اُن میں نمک لگا کر اس طرح پیک کرتے ہیں کہ وہ کافی عرصے تک ٹینری کی شکل دیکھے بغیر بھی خراب نہیں ہوتیں۔ ان کے علاوہ یہاں سردیوں میں دوسرے مزدوروں کو عموماً ہاتھ پر ہاتھ رکھے ہی بیٹھا رہنا پڑتا ہے۔

شکاریوں کی بدولت یہاں کے کئی ہوٹل سردیوں میں بھی آباد رہتے ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ اہمیت "فزارو" کو حاصل ہے۔ مقامی باشندے اسے "رشک ارم" بھی کہتے ہیں۔ موسم بہار میں تو یہ سچ مچ رشک ارم ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ اتنی بلندی پر واقع ہے کہ یہاں سے دور دراز کے پہاڑی سلسلوں کی برفانی چوٹیاں صاف دکھائی دیتی ہیں اور اسی بناء پر زیادہ تر شکاری یہیں قیام کرتے ہیں۔ یہاں سے انہیں اپنے شکار پر نظر رکھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔

"فزارو" لکڑی کی ایک خوبصورت اور سادہ سی عمارت ہے۔ مسافروں کے قیام کے لئے اس میں بیس کمرے ہیں۔ اس کی بیرونی دیواریں، جو بڑے بڑے گول شہتیروں کو جوڑ کر بنائی گئی ہیں بھورے رنگ کے وارنش سے رنگی ہوئی ہیں۔ اندر کی طرف لگے ہوئے سپاٹ تختوں پر سفید کا پینٹ ہے اور اندر سے یہ دیواریں پہلی نظر میں لکڑی کی نہیں معلوم ہوتیں۔

آج مطلع صبح سے ابر آلود تھا اور برف گرنے کے سارے امکانات موجود تھے۔ لیکن فزارو کی چمنیاں سنسان پڑی تھیں، حتیٰ کہ باورچی خانے کی چمنی سے بھی دھواں نہیں اٹھ رہا تھا۔

ٹیکم گڈھ کا ایک پولیس آفیسر چند کانسٹیبلوں کے ساتھ صبح ہی سے وہاں موجود تھا اور فزارو کے منیجر کا چہرہ اس طرح سفید پڑ گیا تھا جیسے اُس پر بھی برف کے ذرات کی تہہ جم گئی ہو۔ یہ ایک بھاری بھرکم مگر معصوم صورت آدمی تھا۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہوگی۔ آنکھیں بڑی اور عمر کی مناسبت سے غیر معمولی طور پر چمکیلی تھیں۔ چہرا بھرا ہوا تھا لیکن اُس پر کرختگی کی بجائے نرماہٹ تھی۔ ایسی نرماہٹ جسے عام طور پر نرم دلی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس وقت وہ بہت زیادہ مضطرب نظر آرہا تھا۔ کبھی وہ ڈائننگ ہال میں بیٹھے ہوئے پولیس والوں کی طرف دیکھتا اور کبھی برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں پر نظریں جما دیتا تھا۔

"لڑکی کا کیریکٹر کیسا تھا۔" دفعتاً پولیس آفیسر نے اُسے مخاطب کیا۔

"کیریکٹر.....!" منیجر آہستہ سے بولا۔ "میری دانست میں تو وہ بُری لڑکی نہیں تھی۔"

"آپ اپنی دانست کو رہنے ہی دیجئے۔" پولیس آفیسر نے منہ بگاڑ کر کہا۔ "میں دوسروں کی رائے پوچھتا ہوں۔"

"تب بھی آپ زیادتی کررہے ہیں۔" منیجر ایک پھیکی سی مسکراہٹ کیساتھ بولا۔ "دوسروں کی رائے دوسروں سے پوچھئے۔"

پولیس آفیسر اس تلخ جواب کو اپنے ایک ساتھی کی طرف متوجہ ہو کر ٹال گیا۔

منیجر مضطربانہ انداز میں اپنی انگلیاں کاؤنٹر پر کھٹکھٹاتا رہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ڈائننگ ہال میں چھ متنفس داخل ہوئے جن میں چار عورتیں اور دو مرد تھے۔ مردوں میں ایک بوڑھا مگر وجیہہ اور کافی تندرست تھا۔ دوسرا ایک قبول صورت اور قوی الجثہ نوجوان تھا۔ عورتوں نے اپنی کھال والی سرمائی ٹوپیاں اس طرح جھکا رکھی تھیں کہ خدوخال کا صحیح اندازہ لگانا دشوار تھا۔ ان سبھوں نے لمبی لمبی پوستینیں پہن رکھی تھیں۔

"فرمائیے۔" منیجر اُن کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ پولیس والے بھی انہیں گھور رہے تھے۔

"مجھے رشید الزماں کہتے ہیں۔" معمر آدمی نے کہا۔ "کیا آپ کو ہمارا تار نہیں ملا۔"

"اوہو.... جی ہاں.... تار ملا تھا.... مگر مجھے افسوس ہے کہ میں کوئی خدمت نہ کرسکوں گا۔"

"کیوں؟" نوجوان اُسے گھور کر بولا۔

"ساری لڑکیاں چلی گئیں۔ یہاں ایک حادثہ ہو گیا ہے۔" منیجر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"لڑکیاں! حادثہ۔" معمر آدمی کے لہجے میں حیرت تھی۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"جی ہاں لڑکیاں.... وہی تو سب کچھ تھیں۔ نہ میں کھانا پکا سکتا ہوں اور نہ سرو کرسکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے! ٹھیک ہے۔" معمر آدمی نے سر ہلا کر کہا۔ لیکن وہ اب بھی جواب طلب نظروں سے منیجر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اور پھر آپ کے ساتھ لیڈیز بھی ہیں۔" منیجر نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ واقعہ معلوم ہونے کے بعد وہ خود بھی یہاں ٹھہرنا پسند نہ کریں گے۔"

"تو بتایئے نا واقعہ۔" نوجوان جھنجھلا کر بولا۔ "آخر اب ہم کہاں جائیں گے۔ آپ کو ایک ماہ

پہلے ہی مطلع کر دیا گیا تھا۔"

"جناب والا! آپ کا غصہ بجا ہے۔" منیجر نے غم انگیز انداز میں کہا۔ "لیکن حادثات اچانک ہی ہوتے ہیں۔"

پولیس والے بدستور خاموش بیٹھے رہے۔ البتہ اُن کا آفیسر اُس مختصر سی ٹولی کو بڑی عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کچھ بتائیے گا بھی۔۔۔" نوجوان بولا۔

منیجر پولیس والوں کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتے رہنے کے بعد اُس نے کہا۔

"ہماری ایک لڑکی کو کوئی پچھلی رات اٹھالے گا۔ برف پر ڈیڑھ فٹ لمبے۔۔۔۔!"

اس کا جملہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ پولیس آفیسر میز پر ایک زوردار گھونسہ مار کر کھڑا ہو گیا۔

وہ سب چونک کر اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ نوجوان نے اُسے نیچے سے اوپر تک گھور کر دیکھا۔

"فضول باتیں نہیں۔" پولیس آفیسر نے منیجر کو مخاطب کیا۔ "اپنے بزنس کی باتیں کیجیے۔"

"جناب والا! وہی کہنے جا رہا تھا۔" منیجر کی خوش اخلاقی میں اب بھی کوئی فرق نہ آیا۔ پھر اُس نے اجنبیوں کی طرف مڑ کر کہا۔ "ساری لڑکیاں خائف ہو کر شہر چلی گئی ہیں اور میں فی الحال دوسرے ملازمین کا انتظام نہیں کر سکتا، بلکہ ہو ہی نہیں سکتا۔ نئے آدمی آپ کی تکلیف کا باعث ہوں گے۔"

"اس کی فکر نہ کیجیے۔" نوجوان مسکرا کر بولا۔ "ہم اپنی خدمت آپ کر لیں گے۔ ہمیں صرف جگہ چاہیے۔"

"اوہ! تب تو۔۔۔۔ تب تو کمرے ایک ماہ قبل ہی سے مخصوص کر دیئے گئے تھے۔۔۔۔ مگر لیڈیز۔"

"لیڈیز کے لئے بھی آپ فکر مند نہ ہوں۔" نوجوان نے کہا۔ "ہمارے چار ساتھی سامان کے ساتھ آ رہے ہیں۔ ہم لیڈیز کی بھی حفاظت کر لیں گے۔"

"آخر بات کیا ہے؟" معمر آدمی نے پوچھا۔

اس اثناء میں پولیس آفیسر میز سے اٹھ کر اُن کے قریب آ گیا تھا۔ اُس نے ان سے پوچھا۔

"آپ لوگ کون ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں۔"

"مسافر ہیں کچھ دن شکار کھیلیں گے اور واپس چلے جائیں گے۔" نوجوان نے کہا اور پھر منیجر

کی طرف مڑ کر بولا۔ "تو پھر ہمیں ہمارے کمرے دکھا دیجیے۔"

"مسافر۔۔۔!" پولیس آفیسر نے جھنجھلا کر کہا۔ "میں آپ سے آپ کا نام اور پتہ پوچھ رہا ہوں۔"

"ابھی ہم سب ہوٹل کے رجسٹر میں اپنا نام اور پتہ تحریر کریں گے۔" اس نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔

عورتیں بے اختیار مسکرا پڑیں۔ منیجر اٹھ کر انہیں کمرے دکھانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ پولیس آفیسر اُسے گھور کر بولا۔ "ابھی ان کمروں کی طرف کوئی نہیں جا سکتا۔"

منیجر بے بسی سے مسافروں کی طرف دیکھنے لگا۔

"ظاہر ہے کہ ہم اس کمرے میں نہ جائیں گے۔" نوجوان نے آفیسر سے کہا۔

"کس کمرے میں۔" آفیسر کی آنکھوں سے شبہ جھانکنے لگا۔

"جہاں واردات ہوئی ہے۔"

"آپ کو کیا علم کہ واردات کسی کمرے میں ہوئی ہے۔" آفیسر نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"بالکل سامنے کی بات ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "ظاہر ہے کہ اُسے سوتے وقت ہی کوئی اٹھالے گیا ہوگا اور اس موسم میں وہ کسی کمرے ہی میں سوئی ہوگی۔"

آفیسر اُسے چند لمحے گھورتا رہا پھر منیجر سے بولا۔ "کمرے کے دروازے کے سامنے والے فرش پر میں کسی قسم کے نئے نشانات دیکھنا پسند نہ کروں گا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ میں فوٹوگرافروں کا انتظار کر رہا ہوں۔" آفیسر نے کہا۔ "اُن کے آنے سے قبل کسی کو اُس طرف سے نہ گذرنا چاہیے۔"

"بہت بہتر۔" منیجر بولا۔ "لیکن آپ لوگوں کے کمرے ادھر نہیں ہیں۔"

پولیس آفیسر کچھ کہے بغیر اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ گیا۔

منیجر نے سر کے اشارے سے آنے والے کو اندر چلنے کو کہا۔

ڈائننگ ہال سے نکلتے ہی معمر آدمی نے منیجر سے پوچھا۔ "آخر بات کیا ہے؟"

"کیا بتاؤں جناب۔۔۔۔ انہونی! پچھلی رات بھی کسی وقت برف باری ہوئی تھی اور اس کے

بعد ہی یہ واقعہ پیش آیا۔ یہاں کی لڑکیوں میں سے ایک جو اپنے کمرے میں سوئی تھی پُر اسرار طور پر غائب ہو گئی۔ باہر کھڑکی کے نیچے برف میں ڈیڑھ فٹ لمبے انسانی پیروں کے نشانات ملے ہیں۔"

"کیا....؟" نوجوان چلتے چلتے رک گیا۔ اُس کے ساتھ سب ٹھہر گئے۔ عورتوں نے اپنی بالدار ٹوپیاں اوپر کر لیں۔ اُن کے چہروں پر استعجاب اور خوف کے ملے جلے آثار تھے۔

"جی ہاں۔" منیجر سر ہلا کر بولا۔ "ڈیڑھ فٹ لمبے نشانات جواب بھی قائم ہیں اور کمرے کے اندر بھیگے ہوئے پیروں کے دھبے جو خشک ہو جانے کے بعد بھی موجود ہیں۔"

"اُس کے غائب ہو جانے کے متعلق صبح معلوم ہوا؟" نوجوان نے پوچھا۔

"جی ہاں.... اور پھر بقیہ لڑکیاں کسی طرح نہ رک سکیں۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کہ میں آپ کی خدمت سے محروم ہو گیا۔ فزار واپنی سروس کے لئے پورے شہر میں مشہور ہے۔"

"تو اب یہ پولیس والے کیا کر رہے ہیں؟" نوجوان نے کہا۔

"کریں گے کیا؟ مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ یہ لوگ میرے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتے کیونکہ میں اپنی لڑکیوں پر کڑی نظریں رکھتا ہوں۔ انہیں غلط راستوں پر نہیں جانے دیتا۔"

وہ گفتگو کرتے ہوئے اُن کمروں کے سامنے آ گئے۔

"آپ کے پاس کمرے تو کل بیس عدد ہیں۔" نوجوان بولا۔ "ایک ایک کمرہ اُن لڑکیوں کے قبضے میں ہو گا۔ ویسے ہی بر سبیل تذکرہ.... کتنی لڑکیاں یہاں تھیں۔"

"آٹھ.... لیکن اُن کے لئے صرف دو کمرے ہیں۔"

"تو وہ لڑکی اس کمرے میں تنہا نہیں تھی۔"

"تنہا تھی! وہ دراصل ہیڈ ویٹریس تھی۔ اس لئے الگ سوتی تھی۔ اُس کا چھوٹا کمرہ الگ ہے اُسی سے ملا ہوا دوسرا بڑا کمرہ ہے جس میں بقیہ سات سوتی تھیں۔"

"انہوں نے بھی پچھلی رات کو کوئی آواز نہیں سنی تھی۔" نوجوان نے پوچھا۔

"جی نہیں.... یہ دیکھئے یہی آپ کے کمرے ہیں۔ میں نے اس کا خاص خیال رکھا تھا کہ سب ایک ساتھ ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ میں اُن حضرات کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔"

"اوہ شکریہ.... آپ جا سکتے ہیں۔" نوجوان نے کہا۔

منیجر کے قدموں کی آوازیں دور ہوتی گئیں۔

"کیوں فریدی میاں۔" معمر آدمی نے مسکرا کر کہا۔ "اب بھلا تمہارا دل شکار میں کیوں لگنے لگا۔"

عورتیں ہنس پڑیں۔ لیکن ان کی آوازوں میں خوف تھا۔

"نہیں ضروری نہیں کہ یہ کیس مجھے اپنی طرف متوجہ ہی کر لے۔" فریدی بولا۔

کچھ دیر بعد وہ سب ایک ہی کمرے میں بیٹھے راستے کی تھکن اتار رہے تھے۔

کمرے کے آتشدان میں کچھ کچھ آگ باقی تھی اور انہیں کوئلوں کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

"میں کوئلوں کے لئے کہتا آؤں۔" نوجوان اٹھتا ہوا بولا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ راہداری میں بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔

آنے والا وہی پولیس آفیسر تھا جس سے کچھ دیر قبل ان کی گفتگو ہوئی تھی۔

"کیا آپ حضرات اپنے نام اور پتے نوٹ کرا دیں گے۔" اُس نے اپنی نوٹ بک کے اوراق الٹتے ہوئے کہا۔

نوجوان کے ماتھے پر بل پڑ گئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں مسکرا کر کہا۔

"ضرور ضرور مجھے احمد کمال کہتے ہیں اور آپ نواب رشید الزماں صاحب ہیں۔"

اس کے بعد اس نے پتے بھی لکھا دیئے۔

"آپ کے کچھ اور بھی ساتھی ہیں۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"جی ہاں.... چار.... وہ بھی آ ہی رہے ہوں گے۔ ان میں سے ایک صاحب ساجد حمید ہیں دوسرے قاسم رضا۔ تیسرے کرنل شمشاد اور چوتھے.... زاہد کریم۔"

"آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔" پولیس آفیسر نے نام اور پتے لکھ لینے کے بعد کہا "یہاں قیام کرنے والے تمام مسافروں کے نام اور پتے ہمیں نوٹ کرنے پڑیں گے اور پھر آپ کے ساتھ تو خواتین بھی ہیں.... لیکن انہیں یہاں اس موسم میں تکلیف ضرور ہو گی۔"

وہ چند لمحوں کے لئے رکا پھر اس کی طنز میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ "مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ہمارے ملک کی خواتین بھی سردیوں کے شکار میں دلچسپی لینے لگی ہیں اور یہ حقیقتاً ایک حیرت انگیز بات ہے۔"

قبل اس کے کہ نواب رشید الزماں جھلا کر کچھ کہتے وہ کمرے سے جا چکا تھا۔

"عجیب بدتمیز آدمی ہے۔" نواب صاحب کی لڑکی غزالہ بولی۔

"ڈر گئے ہیں۔" فریدی مسکرا پڑا۔

"یہ آپ نے اپنا پتہ اور پیشہ غلط کیوں لکھایا ہے۔" غزالہ نے اس سے کہا۔

"مصلحتاً.... یہاں لوگوں سے ملنے ملانے میں شکار کا مزا کرکرا نہیں کرانا چاہتا۔" فریدی بولا۔

اس نے یہ بات حقیقتاً بالکل ٹھیک کہی تھی۔ شکار کا مزہ واقعی کرکرا ہو جاتا، یہاں اس کے بہتیرے جان پہچان والے تھے اور ان کے علاوہ نئے بھی پیدا ہو سکتے تھے۔ محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ میجر نصرت تو اُسے کسی طرح ہوٹل میں ٹھہرنے ہی نہ دیتا۔

"ہمیں حراساں کرنے کی سعی لاحاصل۔" ایک عورت بڑبڑائی اور فریدی بُرا سا منہ کر دروازے کے باہر دیکھنے لگا۔ یہ عورت راستہ بھر اس کے لئے باعث کوفت بنی رہی تھی اسے گفتگو کے دوران میں بڑے بڑے الفاظ بولنے کا خبط تھا۔ یہ نواب صاحب کے دوست کرنل شمشاد کی لڑکی فرزانہ تھی۔

شکار کا پروگرام فریدی ہی نے بنایا تھا لیکن اُسے گمان بھی نہ تھا کہ کچھ عورتیں بھی گلے لگ جائیں گی۔ سرجنٹ حمید کے لئے تو دلچسپی کا بہترین سامان ہو گیا تھا لیکن فریدی مستقل طور پر اکتاہٹ کا شکار تھا۔

"مجھے ڈائننگ ہال میں ٹھہرنا چاہئے۔" فریدی نے نواب رشید الزماں سے کہا "ورنہ کہیں حمید صاحب اُس آفیسر سے لڑ نہ پڑیں۔"

حمید کی پرانی دوست شہناز نے ناک سکوڑ کر غزالہ کی طرف دیکھا اور غزالہ مسکرا پڑی۔

"حمید صاحب غیر شعوری طور پر بذلہ سنج واقع ہوئے ہیں۔" فرزانہ نے ہنس کر کہا۔

فریدی کے لئے کمرے میں ٹھہرنا دشوار ہو گیا۔

فریدی کو فرزانہ سے سچ مچ ضد سی ہو گئی تھی کیونکہ عورتوں کو شکار کے لئے اسی نے اکسایا تھا۔ اُسی نے سب سے پہلے نواب رشید الزماں کی لڑکی غزالہ کو اس پر آمادہ کیا پھر زاہد کریم کی بیوی صوفیہ بھی تیار ہو گئی۔ یہ ایک نو گرفتار جوڑا تھا.... یعنی ان کی شادی حال ہی میں ہوئی تھی۔

زاہد کریم نواب رشید الزماں کے رشتہ داروں میں سے تھا۔

فریدی کمرے سے اٹھ کر ڈائننگ ہال میں چلا آیا۔ یہاں اب بھی خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی تھی۔

کچھ اور آفیسر بھی آ گئے تھے۔ ان میں محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ میجر نصرت بھی تھا۔ فریدی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ وہ شاید اس طرح بے دھڑک ڈائننگ ہال میں داخل نہ ہوتا۔

"ہیلو....!" میجر نصرت متحیرانہ انداز میں فریدی کی طرف مڑا۔ "ارے آپ۔"

مصافحہ کرتے وقت فریدی اُسے ایک خالی گوشے کی طرف کھینچ لے گیا۔

"تو کیا ان نئے آنے والوں میں سے آپ بھی ہیں۔" میجر نصرت نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"آپ نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔" بوڑھے میجر نصرت نے مسکرا کر بزرگانہ انداز میں کہا۔ "میری موجودگی میں ہوٹل کا قیام.... زیادتی ہے آپ کی۔"

"میں جانتا تھا کہ آپ کو شکایت ہو گی لیکن میرے ساتھ اور بھی ہیں۔"

"ان کا بھی انتظام ہو سکتا تھا۔"

"دراصل ہم شکار کی غرض سے آئے ہیں اور یہ ہوٹل اس کے لئے بہت مناسب ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میجر نصرت ہنس کر بولا۔ "نہ یہاں آپ کے قدم آتے اور نہ یہاں ایک دلچسپ واردات ہوتی۔"

"اوہ.... تو کیا آپ کی نظروں میں ان نشانات کی کوئی اہمیت نہیں۔" فریدی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"آپ نے وہ نشانات دیکھے۔"

"نہیں! ابھی تو نہیں۔"

"آیئے میرے ساتھ۔ یہ ٹیکم گڈھ ہے یہاں آئے دن اس طرح کے شعبدے نظر آتے ہیں۔" میجر نصرت نے کہا۔

وہ دونوں باہر جانے لگے۔ وہ آفیسر جس نے فریدی وغیرہ کے نام اور پتے لکھے تھے انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"شعبدے! میں نہیں سمجھا۔" فریدی بولا۔

"اوہو....!" میجر نصرت نے کہا۔ "تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے نشانات کسی ذی روح کے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا.... وہ دونوں اُس کھڑکی کے نیچے آئے جہاں وہ عجیب و غریب نشانات اب بھی موجود تھے۔ اُن سے تھوڑے ہی فاصلے پر دو کانسٹیبل اُن کی حفاظت کر رہے تھے۔

فریدی نے اُن نشانات پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور زمین سے بارہ فٹ اونچی کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنے میں کچھ اخبارات کے رپورٹر آ گئے۔ انہوں نے برف پر پڑے ہوئے نشانات کے فوٹو لینے چاہے لیکن کانسٹیبلوں نے روک دیا۔

"میں بھی آپ کو یہی مشورہ دوں گا۔" میجر نصرت فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "خواتین کا یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔"

"کیا اس سے پہلے بھی کبھی یہاں اس قسم کا کوئی واقعہ ہوا ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"واقعہ! تو کوئی نہیں ہوا۔" میجر نصرت نے کہا۔ "لیکن پچھلے پندرہ دنوں سے اس قسم کے نشانات مختلف جگہوں پر دیکھے جا رہے ہیں۔"

"پندرہ دن سے۔" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی نظریں بڑی بے چینی سے گرد و پیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔

ٹھیک کھڑکی کے نیچے دو نشانات تھے۔ ان کے علاوہ اور کہیں اس قسم کا کوئی نشان موجود نہیں تھا۔

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "گویا وہ دیو آسمان سے ٹپکا تھا۔"

"فریدی صاحب! میرا خیال ہے کہ جس وقت برف گر رہی تھی اُس وقت یہ واردات ہوئی اور بقیہ نشانات پُر ہو گئے اور وہ دونوں نشانات برف باری ختم ہو جانے کے بعد بنائے گئے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے.... مگر کیا! ان نشانات کے علاوہ صبح یہاں کچھ دوسرے ایسے نشانات بھی دیکھے گئے تھے، جو ان کی طرح غیر معمولی نہ رہے ہوں۔"

"جی نہیں.... برف کی سطح بے داغ تھی۔ کم از کم دو سو گز کے رقبے میں کوئی دوسرا نشان نہیں تھا۔"

"تب تو پھر میرے خیال سے یہ بات بھی درست نہیں کہ برف باری کے بعد یہ نشان بنائے گئے۔ ظاہر ہے کہ آنے والا اپنے ہی پیروں سے چل کر یہاں تک آیا ہوگا۔"

میجر نصرت کچھ نہ بولا۔ اُس کی نظریں کھڑکی پر جمی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے لئے سکوت

طاری ہو گیا۔ کھڑکی سے البتہ کچھ آوازیں آ رہی تھیں۔ اندر شائد محکمہ سراغ رسانی کے فوٹو گرافر نشانات کے فوٹو لے رہے تھے۔

"اچھا اندر والے نشانات....!" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"آیئے وہ بھی دکھاؤں۔" میجر نصرت نے کہا۔

"نہیں پھر دیکھ لوں گا۔" فریدی نے کہا۔ اُس کی نظریں اپنے بقیہ ساتھیوں پر جمی ہوئی تھیں۔

سرجنٹ حمید اور دوسرے لوگ بار بردار قلیوں کے ہمراہ ہوٹل کی طرف آ رہے تھے۔

سرجنٹ حمید نے اپنے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس لٹکا رکھا تھا۔ وہ سب لمبی لمبی پوستینیں اور بالدار ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے۔

کرنل شمشاد ادھیڑ عمر اور گٹھیلے جسم کا آدمی تھا۔ اس کی فرنچ کٹ ڈاڑھی بھورے رنگ کی تھی جس میں کہیں کہیں سفید بال بھی نظر آ رہے تھے۔ لیکن چہرے کی جلد پر بڑھاپے کے آثار نہیں تھے۔ آنکھیں سخت گیر آدمیوں کی سی تھیں۔ خد و خال تیکھے تھے لیکن وہ اُسی وقت تک غصہ ور معلوم ہوتا تھا جب تک خاموش رہتا تھا اور جب گفتگو کرتا تو کم از کم کسی نئے آدمی کو تو اپنے قیاس پر سخت شرمندگی ہوتی تھی۔ شرمندگی کی بات بھی تھی کیونکہ کرنل کا لہجہ ہمیشہ محبت آمیز ہوا کرتا تھا۔ آواز میں بلا کی نرمی تھی۔ بہر حال سو فیصدی لوگ اس کی شکل سے اس کے کردار کا غلط ہی اندازہ لگاتے تھے۔

زاہد کریم چھریرے بدن کا نوجوان تھا۔ اس میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی جو اسے عام آدمیوں سے مختلف ظاہر کرتی۔

البتہ تیسرا آدمی قاسم رضا ایسا تھا جو اپنے ڈیل ڈول کے اعتبار سے پوری پارٹی میں نمایاں نظر آ رہا تھا۔ بس وہ ایسا ہی تھا کہ اس کے ملنے والے ابھی تک یہی فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ اُسے ایک مینار نما گنبد سمجھیں یا گنبد نما مینار۔ سرجنٹ حمید نے اس کے متعلق صرف ایک جملہ اپنی ڈائری میں نوٹ کیا تھا۔ وہ یہ کہ قاسم شاید عوج بن عنق کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

بہر حال قاسم کی انتہائی درجہ لمبائی اور چوڑائی دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کئے بغیر نہیں رہتی تھی۔ بقول حمید چونکہ اس کی کھوپڑی سطح سمندر سے بہت اونچی تھی اس لئے وہاں سال بھر برف جمی رہتی تھی۔

فریدی اپنے ان چاروں ساتھیوں کو نشیب سے چڑھائی کی طرف آتے دیکھتا رہا۔ میجر نصرت کو کوئی خاص بات یاد آگئی تھی۔ اس لئے وہ اپنے ماتحتوں کو روشنی بخشنے کے لئے اندر چلا گیا تھا۔

فریدی کے ساتھی سڑک چھوڑ کر اُسی ٹیکرے پر چڑھ آئے جس سے ہوٹل کو راستہ جاتا تھا۔

حمید سب سے آگے تھا اور اس طرح جھوم جھوم کر چل رہا تھا جیسے بہت زیادہ تھک گیا ہو۔

فریدی کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا۔ ہوٹل کے سامنے اب بھی بھیڑ تھی اور پولیس والوں کی خاکی ٹوپیاں دور سے بھی پہچانی جاسکتی تھیں۔

دفعتاً سرجنٹ حمید چلتے چلتے رک گیا۔ اُس کے ساتھ والے اُس سے دو چار قدم آگے بڑھ گئے۔ لیکن پھر انہیں بھی رک کر حمید کی طرف پلٹنا پڑا۔ فریدی اُن کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"کیا یہ سب ہمارے استقبال کیلئے تشریف لائے ہیں۔" حمید نے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ایک دلچسپ کیس۔"

"کیس....!" حمید کے ہاتھ سے سوٹ کیس چھوٹ پڑا۔ "تو یہ نامراد ہم سے پہلے ہی پہنچ گیا۔"

"یہ کیا بیہودگی۔" فریدی نے جھک کر سوٹ کیس اٹھاتے ہوئے کہا۔

لیکن حمید چپ چاپ کھڑا رہا۔ اُس کی پھٹی پھٹی سی ویران آنکھیں خلاء میں کسی نامعلوم نقطے پر جمی ہوئی تھیں۔ یکایک وہ بھد سے برف پر بیٹھ گیا۔

"حمید....!" فریدی نے جھنجھلا کر اُسے مخاطب کیا۔

لیکن حمید دوسرے لمحے میں چت ہو چکا تھا۔ کرنل شمشاد وغیرہ بوکھلا کر اُس کی طرف دوڑے.... باربردار قلیوں نے بھی شاید سامان رکھنا ہی چاہا تھا کہ فریدی نے انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اس وقت اُسے سچ مچ حمید کی اس حرکت پر غصہ آگیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سور نہ موقع دیکھتا ہے اور نہ محل بس اپنی حرکتوں سے سروکار۔

قلی سامان اٹھائے ہوئے اس کے ساتھ کمروں تک آئے اور وہ سامان رکھوا ہی رہا تھا کہ قاسم حمید کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ حمید شاید اب تک بیہوش تھا۔ قاسم کے چہرے پر ایک غم آلود سی سنجیدگی طاری تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے ہاتھوں پر کوئی لاش اٹھائے ہوئے ہو۔

نواب رشید الزماں وغیرہ بوکھلا کر آگے بڑھے لیکن فریدی نے پلٹ کر دیکھا بھی نہیں۔

پھر قاسم اُسے مسہری پر لٹانے ہی جارہا تھا کہ حمید اس کے ہاتھوں سے پھسل گیا۔

"شکریہ۔" اُس نے آہستہ سے کہا اور ایک خالی کرسی پر بیٹھ کر بڑے بے تعلقانہ انداز میں کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

قاسم نے احمقوں کی طرح منہ بنا کر ایک جھینپا جھینپا سا قہقہہ لگایا اور پھر اس طرح سنجیدہ ہوگیا جیسے اُن کے کان یا ناک سے چوہا نکل پڑا ہو۔

تین شکاری

سب لوگ بے ساختہ ہنس پڑے لیکن بات کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ کرنل شمشاد اور زاہد کریم شاید نیچے رہ گئے تھے۔

"حمید صاحب! کوئی نیا شگوفہ۔" فرزانہ کی ٹھنکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

حمید نے فوراً ہی اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی کتاب نکالی اور اس کے ورق الٹتا رہا پھر اُسے دوبارہ جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "برف میں ننھے ننھے پودے سڑ جاتے ہیں لہٰذا آج کل نہ شگوفے ہوتے ہیں اور نہ پھول۔"

قاسم نے ایک بے ہنگم سا قہقہہ لگایا۔

اتنے میں میجر نصرت کمرے کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ حمید کی کرسی دروازے کے سامنے ہی تھی۔

"اوہو.... آپ.... کیا بات تھی۔" میجر نصرت نے پوچھا۔

"ارے میجر صاحب۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "آیئے.... آیئے۔"

"آپ کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔" میجر نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ پھر اجنبیوں کو دیکھ کر خاموش ہوگیا۔

فریدی مسکراتا ہوا اُس کی طرف مڑا۔

"آیئے میں آپ کا تعارف اپنے ایک بزرگ سے کراؤں۔" اُس نے نواب رشید الزماں کی

طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اوہ.... ضرور.... ضرور۔"

تھوڑی دیر بعد پھر اُس کیس کی گفتگو چھڑ گئی اور جب حمید کو واردات کے متعلق معلوم ہوا تو اس نے اُلوؤں کی طرح اپنے دیدے پھرانے شروع کر دیئے۔ پھر اُس نے قاسم کو اشارہ کیا اور وہ دونوں اٹھ کر کمرے کے باہر چلے آئے۔

"سنا! تم نے۔" حمید نے قاسم سے کہا۔ "ڈیڑھ فٹ لمبے نشانات... تمہارے پیر کا سائز کیا ہوگا۔"

"حمید بھائی.... میں اس وقت مغموم ہوں۔" قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔

"ہائیں۔" حمید اچھل کر بولا۔ "اتنے لمبے چوڑے ہو کر بھی مغموم ہو۔"

"حمید بھائی میری زندگی میں ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہو گئی ہے۔"

"مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ لیکن تم اتنی بلندی پر واقع ہوئے ہو کہ میں تمہیں دلاسہ دینے سے معذور ہوں۔"

یہ حقیقت تھی حمید اُس کے شانوں سے بھی نیچا تھا۔

"حمید بھائی! میں سچ مچ مغموم ہوں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ زاہد کریم کی بیوی اُس کے ساتھ آئی ہے۔"

"ہاں.... آں لیکن تمہیں کیوں پریشانی ہے۔"

"بہت بڑی ٹریجڈی۔" قاسم بسور کر بولا۔

"مت بور کرو یار مرے۔" حمید اکتا کر بولا۔ "چلو ہم بھی ان نشانات کی زیارت کر آئیں۔"

دونوں ڈائننگ ہال سے گزر کر باہر جانے لگے۔

"حمید بھائی۔ یہاں سے میری واپسی محال ہے۔ میں یہیں مر جاؤں گا۔ برف میں دفن ہو جاؤں گا اور جب برف پگھلے گی تو حمید بھائی.... میری لاش...." قاسم کی آواز بھر آگئی۔

حمید نے سر اٹھا کر دیکھا۔ قاسم رومال سے اپنی آنکھیں خشک کر رہا تھا۔

"حمید بھائی! مجھے اُلو مت سمجھئے۔ میری زندگی بڑی دکھ بھری ہے۔" قاسم نے کہا۔

"عشق ہو گیا ہے کسی سے۔" حمید نے پوچھا۔

"ابھی تو نہیں ہوا۔" قاسم نے حماقت آمیز سنجیدگی سے کہا۔

حمید نے ایک بار پھر اُسے گھور کر دیکھا۔

پولیس والے شائد اپنا کام ختم کر چکے تھے کیونکہ اُن نشانات کے گرداب کافی بھیڑ نظر آ رہی تھی۔ جیسے ہی قاسم اور حمید وہاں پہنچے لوگوں کی دلچسپی اُن نشانات سے ختم ہو گئی۔ وہ سب قاسم کو تحیر آمیز نظروں سے دیکھنے لگے تھے اور اُن میں سے بہتیروں کی نظریں اُسکے پیروں پر بھی تھیں۔

"ارے سچ مچ حمید بھائی۔" قاسم بڑبڑایا۔ "اتنے بڑے پیر!.... اُف فوہ۔"

ان نشانات کے متعلق یہ قاسم کا پہلا اور آخری جملہ تھا۔ اس کے بعد اُس نے پھر اپنے غموں کا تذکرہ شروع کر دیا۔ حمید بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ نشانات کو دیکھتے ہی اُس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ فریدی کے دل پر اس وقت کیا گزر رہی ہو گی۔ حمید کو اب شکار کی تفریح کی سلامتی خطرے میں نظر آ رہی تھی اور وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کہیں عورتوں کو کسی دوسری جگہ منتقل نہ کر دیا جائے۔

"حمید بھائی.... میں مر جاؤں گا۔" قاسم نے پھر ہانک لگائی۔

"یہاں نہیں۔" حمید بھنا کر بولا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

وہ اُسے ڈائننگ ہال میں لایا۔

"بیٹھو.... اگر تم نے مجھے اپنی دکھ بھری داستان نہ سنائی تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

اس جملے پر قاسم نے ایسا منہ بنایا جیسے بُرا مان گیا ہو۔

"میں واقعی بڑا بدنصیب ہوں۔" اُس نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"شروع ہو جاؤ.... اب کسی تمہید کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور ہاں سنو منظر نگاری کی ضرورت نہیں۔"

"منظر نگاری۔" قاسم نے حیرت سے کہا "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ جب دو دل آپس میں ملتے ہیں تو قریب ہی کہیں نہ کہیں کوئی چھوٹی سی ندی ضرور ہوتی ہے یا تو سورج غروب ہوتا رہتا ہے یا غروب ہی نہیں ہوتا یعنی رات ہوتی ہے اور ستارے مسکرا اٹھتے ہیں۔ کہکشاں رمبا یا فوکس ٹروٹ شروع کر دیتی ہے۔"

"واہ.... حمید بھائی۔" قاسم ہنسنے لگا۔

حمید اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا اور وہ خود کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ تھوڑی دیر

تک خاموشی رہی پھر قاسم بولا۔ "اچھا حمید بھائی.... بھلا میری کیا عمر ہو گی۔"

"ساڑھے دس سال۔"

"نہیں آپ کو میری جان کی قسم۔"

"او بابا! میں کیا بتاؤں ڈیل ڈول سے چار ہزار برس قبل کے معلوم ہوتے ہو۔"

"حمید بھائی میں صرف اٹھائیس سال کا ہوں۔"

"چلو مان لیا.... پھر!"

"اچھا میری بیوی کی کیا عمر ہو گی۔"

"کیا! ارے تمہاری بیوی کی عمر۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... ہاں بیوی کی۔"

"تم واقعی چغد ہو گیا۔ میں کیا جانوں۔"

"پھر بھی اندازاً۔" قاسم نے اتنی سنجیدگی سے کہا جیسے حمید اس کی بیوی کو بھی دیکھ چکا ہو۔

"کیا میں نے تمہاری بیوی کو دیکھا ہے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"اوہ.... حمید بھائی.... وہ صرف چودہ برس کی ہے۔ میرے باپ نے زبردستی مجھے قتل کر دیا۔"

"فکر مت کرو۔ میں قاتل کا سراغ لگاؤں گا۔" حمید اکتا کر بولا۔

"حمید بھائی جب میں کسی عورت اور مرد کو ہنس ہنس کر باتیں کرتا دیکھتا ہوں تو دل چاہتا ہے کہ دھاڑیں مار مار کر روؤں۔"

"کیوں....!" حمید نے مضحکانہ انداز میں پوچھا۔

"حمید بھائی میری زندگی کی سب سے بڑی ٹریجڈی۔"

"پہلے ایک بات کا فیصلہ کر لو کہ تم یہی جملہ کتنی بار دہراؤ گے۔"

"میرا دنیا میں کوئی ہمدرد نہیں۔" قاسم سچ مچ بسورنے لگا۔

"مت بور کرو۔"

"میں خودکشی کر لوں گا۔"

"گھر پہنچ کر۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "ورنہ تمہاری نو من کی لاش ہم سے تو نہ

اٹھے گی۔"

"ہائے اپنا کوئی نہیں۔" قاسم نے گلوگیر آواز میں کہا اور اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

حمید اُسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔ قاسم اُس کی دلچسپیوں کا بہترین سامان تھا لیکن بعض اوقات وہ بڑی شدت سے بور کرنے لگتا تھا۔ دونوں کی دوستی زیادہ پرانی نہیں تھی مگر قاسم تھوڑے ہی عرصے میں حمید کا گرویدہ ہو گیا تھا۔

"حمید بھائی میں رونا چاہتا ہوں۔" قاسم تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کیوں بابا! کیوں بکو بھی۔" حمید نے دانت پیس کر کہا۔

"حمید بھائی! میں نہیں جانتا کہ میاں بیوی کی محبت کس چیڑیا کا نام ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر فریدی اسی ہوٹل میں قیام پر مصر رہا تو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ظاہر تھا کہ لڑکیوں کی موجودگی کے بغیر سروس ناممکن تھی اور پھر اگر کسی ہوٹل میں قیام کرنے کے بعد ذاتی کام بھی خود ہی انجام دینے پڑے تو گھر کی یادوں سے کس طرح نکل سکے گی۔ تفریح دراصل ماحول سے فرار کا نام ہے اگر تفریح کے دوران میں پچھلے ماحول کی یاد دل میں کچوکے لگاتی رہے تو پھر وہ تفریح ہی کہاں رہ گئی۔

حمید پائپ سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"حمید بھائی۔" قاسم نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

"تمہیں گانا آتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کیوں.... ہاہاہا۔" وہ احمقوں کی طرح ہنسنے لگا۔ قاسم کی ہنسی کا انداز عجیب تھا۔ بس وہ ہنستا تھا بات بات پر ہنس دیتا تھا۔ مگر اس کا چہرہ ہر قسم کے اثرات سے عاری ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس ہنسی کا اُس کے دل سے ذرہ برابر بھی تعلق نہ ہو۔

"اٹھو یہاں سے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

قاسم اٹھ ہی رہا تھا کہ فریدی اور میجر نصرت بھی وہیں آ گئے۔ دونوں میں اُسی کیس کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ بھی اُسی میز پر آ گئے اور حمید نے نہ جانے کیوں کھسک جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"مگر وہ کھڑکی۔" فریدی کہہ رہا تھا۔ "ظاہر ہے کہ وہ اُسے اندر سے بند کر کے سوئی ہو گی۔"

"بھئی وہ بھوت تھانا۔" میجر نصرت مسکرا کر بولا۔ "پولیس نے اسے باور کر لیا ہے وہ غیر معمولی نشانات عرصہ سے یہاں شہرت پا رہے ہیں۔"

فریدی سگار سلگانے لگا۔

"لیکن غنیمت یہی ہے کہ وہ بھوت ابھی تک کسی کو نظر نہیں آیا ورنہ ٹیکم گڈھ بڑی دلچسپ جگہ ہے۔" میجر نصرت پھر بولا۔

"پولیس والوں کا برتاؤ یہاں کے منیجر کے ساتھ اچھا نہیں ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"یہاں اُس کے متعلق کوئی بھی اچھی رائے نہیں رکھتا۔" میجر نصرت بولا۔

"کیوں؟"

"بھئی بات یہ ہے کہ ابھی ہمارے یہاں ہر معاملے میں مشرقیت برقرار ہے لہٰذا کسی ایسی جگہ منیجر قسم کے آدمی کے لئے لوگ بُرے ہی خیالات رکھیں گے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"فزارو کے علاوہ اور کسی ہوٹل میں لڑکیاں نہیں ہیں۔"

"اوہ....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن وہ بُرا آدمی تو نہیں معلوم ہوتا۔"

"ہاں.... آں.... اس کے چہرے پر بڑھاپے میں بھی بڑا بھولا پن موجود ہے لیکن میں اپنے پچپن سالہ تجربات کی بناء پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ بعض حالات میں چہرہ دل کی غمازی نہیں کرتا۔"

تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموشی چھا گئی۔ حمید پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ قاسم اس طرح پہلو بدل رہا تھا جیسے وہ زبردستی وہاں بٹھایا گیا ہو اور اخلاقاً خود پر جبر کر رہا ہو۔

"بہرحال۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "آپ اس واقعے کو کوئی غیر معمولی حادثہ سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔"

"قطعی۔" میجر نصرت نے کہا۔ "میں بھوتوں اور شیطانوں پر یقین نہیں رکھتا۔"

"یہ اچھی بات ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

قاسم نے بھاڑ سا منہ پھاڑ کر انگڑائی لی اور اس طرح ہونٹ سکوڑ کر کھڑکی سے نظر آنے والی

پہاڑیوں کو دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو خیر اگلی انگڑائی پر تمہارا صفایا ہو جائے گا۔

"آپ نے عورتوں کے لئے کیا سوچا۔" میجر نصرت نے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... وہ ساتھ ہی قیام کرنے پر مصر ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں تو اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ ویسے آپ لوگوں کو اختیار ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ انمیں سے کوئی عورت ایسی نہیں ہے جس پر میں کسی قسم کا دباؤ ڈال سکوں۔"

"خوب یاد آیا۔" میجر نصرت نے مسکرا کر کہا۔ "آخر اب آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔"

"شادی۔" سرجنٹ حمید نے دفعتاً چونک کر کہا۔ پھر میجر نصرت کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے اُس نے فریدی کو گلے میں ایک عدد ٹائم پیس لٹکائے رکھنے کا مشورہ دیا ہو۔

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر اُس نے میجر نصرت سے کہا۔

"بھئی میجر صاحب! شادی دراصل والدین کے شوق کی چیز ہے اور میں اتفاقاً والدین سے محروم ہو چکا ہوں۔"

"ہو.... اُوں۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ میں آپ کے لئے والدین کا پورا سیٹ مہیا کر سکتا ہوں۔"

"جی....!" میجر نصرت نے حمید کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"جی ہاں! فریدی صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں اگر والدین نہ ہوئے تو بیوی خود ہی والدین بن بیٹھتی ہے۔"

میجر نصرت ہنس پڑا۔ قاسم خاموش بیٹھا رہا اور جب بات اس کی سمجھ میں بھی آ گئی تو اُس نے ایک اتنا زور دار قہقہہ لگایا کہ دیواریں تک جھنجھنا اٹھیں۔

میجر نصرت حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ شائد قاسم نے بھی موقع کی مضحکہ خیز صورت حال کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس لئے اُس نے اچانک اپنا قہقہہ روک دیا اور بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی تیز رفتار موٹر کے چاروں پہیوں میں پورے بریک لگ گئے ہوں۔

"غالباً یہاں کی انکوائری ختم ہو گئی۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں.. ارے.... مجھ سے سنئے۔ یہ اُسی منیجر کی حرکت ہے۔" میجر نصرت آہستہ سے بولا۔

"منیجر کی۔"

"جناب! شائد وہ راہ پر نہیں آئی تھی۔"

"ہوں۔" فریدی نے دوسرا سگار سلگا لیا۔

حمید نے قاسم کو آنکھ ماری اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"بڑی تھکن ہے۔" حمید بھی انگڑائی لیتا ہوا اٹھ گیا۔

پھر وہ دونوں اپنے کمروں کی طرف جا رہے تھے۔ راہداری میں انہیں تین آدمی ملے جو انہیں کی طرح پوستینیں اور بالدار ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے اور ان کے کاندھوں پر رائفلیں لٹکی ہوئی تھیں۔ وہ تینوں انہیں دیکھ کر حقارت آمیز انداز میں مسکرائے۔

"کیا آپ لوگ بھی شکاری ہیں۔" ان میں سے ایک نے انہیں مخاطب کیا۔

یہ بھاری چہرے اور موٹی گردن والا ایک قد آور آدمی تھا۔ لمبائی میں قاسم سے تھوڑا ہی کم رہا ہوگا۔ لیکن ٹھوڑی اور جبڑوں کی بناوٹ کہہ رہی تھی کہ وہ قاسم کی طرح بیوقوف نہیں ہے۔ آنکھوں سے سخت گیری، کمینگی اور کینہ توزی مترشح تھی۔

"شکاری ہیں! لیکن پیشہ ور نہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"ہم پہلے ہی سمجھ گئے تھے۔ پیشہ وروں کے ساتھ عورتیں نہیں ہوا کرتیں۔" بھاری چہرے والا ہلکے سے قہقہے کے ساتھ بولا۔

"جی....!" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر آگے بڑھ گیا۔

وہ تینوں بے ڈھنگے پن سے ہنستے ہوئے ڈائننگ ہال کی طرف چلے گئے۔

"ماروں سالوں کو۔" قاسم پوستین کی آستین چڑھانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

حمید نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ چپ چاپ اُس کے پیچھے چلنے لگا۔

حمید جانتا تھا کہ قاسم لڑنے بھڑنے میں سب سے آگے ہی رہتا ہے۔ وہ اپنے ڈیل ڈول کی مناسبت سے اتنا ہی طاقت ور بھی تھا اور یہ بات محض سنی سنائی نہیں تھی۔ خود حمید کو بھی ایک بار اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ قاسم نے اس کی موجودگی میں ایک آدمی کو اُس کی موٹر سائیکل سمیت سڑک کے داہنے کنارے سے اٹھا کر بائیں کنارے پر رکھ دیا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک بار حمید اور قاسم کسی سڑک سے پیدل گذر رہے تھے۔ اچانک سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے ایک موٹر سائیکل سوار نے سہواً قاسم کی پینٹ پر تھوک دیا۔ قاسم کو بڑا تاؤ آیا۔ بات زیادہ بڑھی تو موٹر

سائیکل والا شائد قاسم کو گالی دے بیٹھا۔ قاسم جواب میں گالی تو نہ دے سکا لیکن احتجاجاً اُس نے اُسے موٹر سائیکل سمیت اٹھا کر دوسرے کنارے پر رکھ دیا۔

پتہ نہیں کیوں وہ حمید کا اتنا گرویدہ ہو گیا تھا۔ حالانکہ اُسے غصہ بڑی جلدی آجاتا تھا لیکن وہ حمید کی تلخ سے تلخ بات کا بھی بُرا نہیں مانتا تھا۔ ویسے وہ اگر حمید پر اپنی ایک ٹانگ بھی رکھ دیتا تو اُس کی ہڈیاں پسلیاں برابر ہو جاتیں۔

وہ دونوں اُسی کمرے میں آئے جہاں سے اٹھ کر گئے تھے۔ اب وہاں کرنل شمشاد اور زاہد کریم کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

"کہئے حمید صاحب کیا بات تھی۔" کرنل شمشاد نے پوچھا۔

"کچھ نہیں! وہی پیروں کے عجیب و غریب نشانات کا چرچہ چل رہا ہے۔"

"میں آپ کی بیہوشی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔"

"اوہ.... وہ۔" قاسم ہنسنے لگا۔

"پتہ نہیں کیوں چکر سا آگیا تھا۔" حمید جلدی سے بول پڑا۔ غزالہ صوفیہ اور شہناز مسکرا رہی تھیں۔

"عالم گرسنگی میں عموماً یہی ہوتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"جی ہاں! جی ہاں۔" قاسم احمقانہ انداز میں سر ہلانے لگا۔

"حیوانات، نباتات، حتیٰ کہ جمادات پر بھی گرسنگی کا ردعمل ہوتا ہے۔" فرزانہ پھر بولی۔

"میرے خیال سے یہ ایک عقدۃ لائی خل ہے۔" قاسم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"ہائیں۔" حمید اُسے گھور کر بولا۔ "یہ عقدۃ لائی خل کیا بلا ہے۔"

"میں بھی شائد یہ لفظ پہلی بار سن رہی ہوں۔" فرزانہ نے کہا۔

"اوہو! آپ لوگ لائی خل نہیں جانتے.... چچ.... چچ.... مجھے افسوس ہے۔" قاسم نے اپنے بڑے بڑے دانتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ شاید آپ نے لاینحل کی مٹی پلید کی ہے۔" نواب صاحب ہنس کر بولی۔

"نہیں صاحب لائی خل! میں جاہل نہیں ہوں۔" قاسم نے بُرا مان کر کہا۔

"لاینحل۔" حمید نے بھنا کر کہا۔ "لا.... ین.... حل۔"

"تو پھر ہوگا۔" قاسم نے اتنی معصومیت سے کہا کہ سب بے ساختہ ہنس پڑے۔

"میں نے سنا ہے کہ ویسے ہی نشانات مختلف جگہوں پر کئی دنوں سے دیکھے جا رہے ہیں۔" کرنل شمشاد نے کہا۔

"حیرت انگیز بات ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"یقیناً اُس پُر اسرار ہستی کا قد کم از کم پندرہ فٹ ضرور ہوگا۔" حمید بولا۔

"اور سنئے۔" حمید نے نواب صاحب کو مخاطب کیا۔ "میں خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ نشانات میرے ہی پیروں کے ہیں۔"

"بھئی میری تجویز تو یہی ہے کہ لڑکیاں یہاں نہ ٹھہریں۔" نواب صاحب نے کہا۔

"واہ چچا جان۔" فرزانہ بولی۔ "آخر ہم میں بھی تو خود اعتمادی ہونی چاہئے۔"

"بھئی تم کرنل کی بیٹی ہو۔" نواب صاحب ہنس کر رہ گئے۔

"یہاں ٹھہرنے میں کیا حرج ہے ابا جانی۔" غزالہ بولی۔ "ہم کہیں رہیں اور آپ کہیں۔"

حمید کچھ بولنے ہی والا تھا کہ ہوٹل کا منیجر خود ہی اپنے ہاتھوں پر ایک بڑا سا ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"مجھے سخت افسوس ہے۔" اُس نے ناشتے کا ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ بھی مجھ سے بن پڑا ہے، حاضر کر رہا ہوں۔"

"اوہو! آپ نے ناحق تکلف کی۔" نواب صاحب نے کہا۔ "ہم نے تو کہا تھا کہ یہ سب کچھ خود ہی کر لیں گے۔"

"ایک صاحب ڈائننگ ہال میں ہیں انہیں بھیج دیجئے گا۔" حمید نے اُس سے کہا۔

"بس اتنا ہی سا ناشتہ۔" قاسم نے بڑی اداسی سے کہا۔

"تمہارے لئے اونٹ مسلم آئے گا۔" حمید بولا۔

"قاسم صاحب آپ ہلکی غذائیں استعمال کیا کیجئے۔" فرزانہ نے کہا۔

"جیسے ریشم، روئی اور ٹریسنگ پیپر وغیرہ۔" حمید بولا۔

"حمید بھائی مجھے بھوک پر غصہ آجاتا ہے۔" قاسم نے بُرا مان کر کہا۔

شائد فرزانہ کچھ کہنے والی تھی کہ فریدی آگیا۔ انہوں نے اپنی کرسیاں میز کے قریب کھسکا لیں۔ غزالہ چائے بنانے لگی۔

ناشتے کے دوران میں پھر اُس کیس کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔

"ان لوگوں نے کمرے کی چھت کی طرف دھیان نہیں دیا۔" فریدی بولا۔

"کیوں چھت سے کیا مطلب۔" حمید نے کہا۔

"اگر چھت سے کوئی مطلب نہیں تو پھر ہمیں یہ بات باور ہی کر لینی پڑے گی کہ وہ کسی مافوق الفطرت ہستی کے پیروں کے نشانات ہیں۔"

"آخر باور کر لینے میں کیا حرج ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"اوہ! تو آپ بھی اس پر یقین رکھتی ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا آپ کو اپنی حویلی[1] کے پُر اسرار واقعات یاد نہیں۔"

غزالہ کچھ نہ بولی۔

"ویسے میں نے اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ انہیں اس کی طرف توجہ دلاتا۔" فریدی نے کہا۔

ناشتہ ختم کر چکنے کے بعد فریدی رائفلوں کا جائزہ لینے لگا اور حمید کی جان میں جان آئی۔ اگر وہ رائفلوں میں دلچسپی لینے کے بعد ہوٹل کی چھت پر چڑھ دوڑنے کا ارادہ ظاہر کرتا تو حمید کی تفریح کی عافیت خطرے میں نظر آنے لگتی۔

اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ فضا دھندلا گئی تھی اور برف گرنے کے آثار نظر آ رہے تھے۔

ایک فائر

انہوں نے دن بھر آرام کیا۔ شکار کا پروگرام دوسرے دن سے تھا۔

فریدی بہت شدت سے بور نظر آ رہا تھا۔ عورتوں کی موجودگی اُسے بُری طرح کھل رہی تھی۔ صبح سے کئی آدمی عورتوں کی موسم سرما کے شکار میں شرکت پر تضحیک آمیز باتیں کہہ چکے تھے۔ قاسم، حمید اور فریدی ایک ہی کمرے میں تھے۔ زاہد کریم اور اس کی بیوی صوفیہ کے لئے ایک کمرہ مخصوص کر دیا گیا تھا۔ شہناز اور غزالہ نواب صاحب کے ساتھ تھیں۔ کرنل شمشاد اور

[1] جاسوسی دنیا کا ناول "پُر اسرار کنواں" ملاحظہ فرمائیے۔

اس کی لڑکی فرزانہ چوتھے کمرے میں بند تھے۔

شام کو فریدی اٹھ کر نواب صاحب کے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی قاسم نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

"ہائیں! ہائیں۔" حمید بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

قاسم پلنگ پر اوندھا پڑا پھول پچک رہا تھا۔

"ارے کیا ہوا تمہیں.... ڈانگر کہیں کے۔"

"حمید.... بھائی.... بس رو لینے دیجئے۔"

"شرم نہیں آتی تمہیں.... اتنا بڑا ڈیل ڈول....!"

"ڈیل ڈول کی ایسی تیسی۔" قاسم جھنجھلا کر بیٹھ گیا۔ "لعنت ہے اس ڈیل ڈول پر۔"

"آخر غصے کی وجہ پیارے۔" حمید نے آگے بڑھ کر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"غصے کی وجہ۔" قاسم رومال سے آنسو پونچھتا ہوا بولا۔ "میری شادی کو چھ ماہ گزرے لیکن میں اب بھی کنوارا ہوں۔"

"کیا مطلب۔" حمید آنکھیں کھول کر بولا۔

"سالی مجھے دیکھ کر غل غپاڑہ مچاتی ہے۔ چیخ کر بے ہوش ہو جاتی ہے۔"

"واقعی۔"

"حمید بھائی میں جھوٹ نہیں بولتا۔" قاسم کی آواز پھر گلوگیر ہو گئی۔ "میں اسی غم میں گھل رہا ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے پیارے قاسم۔"

"میری شادی میرے باپ نے زبردستی کر دی۔ وہ سرمایہ دار ضرور ہیں۔ مگر بنیا ٹائپ کے علم کی روشنی سے محروم! وہ صرف دولت سمیٹنا جانتے ہیں آدمی کی ان کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں۔"

حمید خاموشی سے سنتا رہا پھر انتہائی سنجیدگی سے بولا۔

"حمیدہ بانو سے کشتی لڑو گے۔"

"میں نے سوچا تھا۔" قاسم نے اتنی ہی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "لیکن والد صاحب...."

"تم نے سوچا تھا۔" حمید تحیر آمیز انداز میں چیخا۔

"ہاں۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "وہ یہی تو کہتی ہے نا کہ جو مجھے زیر کر لے گا اُسی سے شادی کر لوں گی۔"

حمید سنجیدگی سے کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "کرنل صاحب کی لڑکی سے عشق کرو گے۔"

"کیا....؟" قاسم نے آگے جھک کر سرگوشی کی۔

"فرزانہ سے عشق۔"

قاسم تھوک نگل کر منہ چلانے لگا۔

"کرنل صاحب تمہیں بہت پسند کرتے ہیں۔" حمید نے سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "کئی بار کہہ چکے ہیں کہ یہ جوان تو جنرل بننے کے لائق ہے۔"

"اچھا....!" قاسم احمقانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"ہاں اور لڑکی بھی کافی تندرست ہے۔"

"ہے تو!.... مگر.... عشق....!"

"کیوں؟ کیا بات ہے؟"

"عشق کیسے کروں گا مجھے آتا ہی نہیں۔ میں نے کبھی نہیں کیا۔"

"بگھی میں جوتے گئے ہو کبھی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

قاسم ہنس پڑا۔

دروازے پر قدموں کی آواز سنائی دی اور قاسم بوکھلا گیا کیونکہ آنے والی فرزانہ ہی تھی۔ اس کے ساتھ شہناز بھی تھی۔

"کیوں حمید صاحب! کیا آپ بھی مریضانہ ذہنیت کے حامل ہو گئے۔" فرزانہ نے کہا۔

"نہیں تو.... ذرا قاسم کو ایک صحت مند مشورہ دے رہا تھا۔"

قاسم نے بوکھلا کر کچھ کہنا چاہا اور اس کے منہ سے بیک وقت کئی طرح کی آوازیں نکل کر رہ گئیں۔ فرزانہ اور شہناز ہنسنے لگیں۔

"میں بھی تو سنوں کہ کیا مشورہ تھا۔" فرزانہ نے کہا۔

"یہی کہ یہ حضرت کرنل سے قریب ہو جائیں تو بہتر ہے۔"

اس جملے پر قاسم کا حلیہ بُری طرح بگڑ گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے حمید کو گھور رہا تھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"اوہ مطلب صاف ہے۔"

"کچھ نہیں.... ہاہا....!" قاسم اپنی دانست میں بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھ کر شور مچانے والے انداز میں ہنسنے لگا۔

"میں انہیں یہ مشورہ دے رہا تھا کہ یہ فوج میں ملازمت کرلیں۔" حمید نے کہا۔

"خیر وہ سب ٹھیک ہے لیکن اس وقت کمرے میں پڑے رہنا کہاں کی دانشمندی ہے، ذرا باہر نکل کر دیکھئے۔ مغربی گوشے سے بادل سرک گئے ہیں اور شفق کا رنگ برف پوش پہاڑیوں میں بکھر گیا ہے۔"

حمید نے مسکرا کر شہناز کو آنکھ ماردی اور وہ بُرا سا منہ بنا کر کھا جانے والے انداز میں اُسے گھورنے لگی۔

"فریدی صاحب کہاں ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"چھت پر۔"

"چھت پر....!" حمید اچھل پڑا۔

"اور آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔" شہناز لچک کر بولی۔

"شفق کی بہار دیکھ رہے ہیں یا....!"

"جی نہیں کچھ نشانات۔" شہناز نے اس کی بات کاٹ دی۔

"باقی رہے گا کب تک نام و نشان ہمارا۔" حمید دردناک انداز میں گنگنانے لگا۔

شہناز اور فرزانہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔

"بدِ آفرنیش ہی سے آدمی تن آسانی کا جویا رہا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔ "میں نے آپ تک اُن کا پیغام پہنچادیا اب آپ جانیں۔"

وہ دونوں چلی گئیں۔

"دیکھا تم نے۔" حمید نے اٹھ کر جوتا پہنتے ہوئے قاسم سے کہا۔ "وہ خود ہی تم سے عشق کرنا

اہتی ہے۔"

"خود ہی.... مجھ سے ہی ہی ہی۔" قاسم ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگا۔

"ابے تم دیکھتے نہیں کہ تمہارے ہی ڈیل ڈول کے الفاظ استعمال کرتی ہے۔ بدِ فرنیش.... ہونہہ۔"

"تو حمید بھائی سچ مچ.... پھر میں.... مگر کیسے؟"

"میں بتاؤں گا۔"

"تو پھر بتایئے نا۔"

"ذرا ایک ٹھنڈی سانس تو بھرو۔" حمید نے کہا۔

قاسم ٹھنڈی سانس لینے کے لئے اپنے پھیپھڑوں میں ہوا کھینچنے لگا۔ لیکن درمیان ہی میں سے ہنسی آگئی۔

"تم نہیں کرسکو گے عشق۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

فریدی گم شدہ ہیڈ ویٹرس کے کمرے کی چھت پر کھڑا نیچے کی طرف دیکھ رہا تھا وہ تنہا تھا اور ڑی کی سیڑھیوں کے ذریعے اوپر تک پہنچا تھا۔ آخری منزل یا دوسری منزل کی سپاٹ چھتوں پر انے کے لئے باقاعدہ زینے نہیں تھے۔ فریدی اس طرح خیالات میں ڈوبا ہوا تھا اُسے حمید کے نے تک کی خبر نہ ہوئی۔ حمید بھی تنہا ہی تھا اس نے تو کوشش کی تھی کہ قاسم کو بھی اوپر ہالے جائے لیکن قاسم نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ لکڑی کی معمولی سی سیڑھی ں کا بوجھ نہ سنبھال سکے گی۔

"ہے ہے۔" حمید سسکی لے کر بولا۔ "آج شفق کتنی حسین لگ رہی ہے۔"

"اوں۔" فریدی چونک کر مڑا۔ چند لمحے تفکر آمیز انداز میں حمید کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ یں نے تمہیں شاعری کرنے کے لئے نہیں بلایا۔"

"وہ تو میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے اپنا مرثیہ لکھوائیں گے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"ان لڑکیوں کو کسی طرح سمجھاؤ کہ یہاں ان کا ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔"

"اوہ تو کیا یہ بات ایسی ہی تھی کہ تیسری منزل پر کہی جائے۔"

"اونہہ! ارے بابا میں اُس کیس میں دلچسپی نہیں لے رہا ہوں۔ میں نے تمہیں شکار کے لئے

جگہ تجویز کرنے کے لئے بلایا ہے۔"

"رہائشی کمروں سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"بکنے لگے۔"

"سنئے جناب! میں پتھر کا نہیں ہوں مجھے سردی لگ رہی ہے اور میں زیادہ دیر تک کسی کھلی جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔"

"تم آئے ہی کیوں تھے۔" فریدی نے جیب سے دوربین نکال کر لگاتے ہوئے کہا۔

"آدمی کا احمق پن دیکھئے۔" حمید بولا۔ "ظاہر ہے کہ لومڑیاں کھائی نہیں جاتیں اور محض ان کی کھالیں حاصل کرنے کے لئے اتنے دھکے کھانا عقل مندی نہیں۔ کیا بتاؤں یہ بات مجھے پہلے نہ سوجھی ورنہ میں وہیں آپ کو لومڑیوں کی کھالیں خرید دیتا۔ ایک دو نہیں بلکہ درجنوں۔"

"بکو مت۔"

"بہت بہتر۔" حمید واپسی کے لئے مڑتا ہوا بولا۔ "نیچے ہی ملاقات ہوگی۔ یہ جگہ چونکہ خط استوا سے بہت دور ہے لہٰذا مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا جغرافیہ خطرے میں نہ پڑ جائے۔"

حمید نے چند ہی زینے طے کئے تھے کہ دفعتاً اس نے فائر کی آواز سنی اور ساتھ ہی کوئی چھت پر دھم سے گر پڑا۔

"کیا ہوا؟" حمید چیخ کر مڑا اور پھر تیزی سے اوپر جانے لگا۔ اس کا سر چھت کی سطح سے تقریباً ایک ہی بالشت ابھرا تھا کہ اُسے فریدی کی آواز سنائی دی۔

"نیچے جاؤ۔"

فریدی چھت پر اوندھا پڑا سیڑھیوں کی طرف رینگ رہا تھا۔

حمید دیوار کی طرف منہ کئے ہوئے تین چار سیڑھیاں نیچے اُتر گیا۔

"اتر جاؤ۔" فریدی کی آواز پھر سنائی دی۔ حمید نے وہیں سے چھلانگ لگادی اور نیچے پہنچ کر فریدی کو سیڑھی سے اترتے دیکھتا رہا۔

"کیا ہوا.... کیا بات ہے۔" حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں! صرف ٹوپی بدلنی پڑے گی۔" فریدی مسکرا کر بولا اور اپنے سر سے بالدار ٹوپی اتار کر حمید کے چہرے کے قریب کردی۔

ٹوپی کے اوپری حصے میں ایک بڑا سا سوراخ تھا اور اس کی نوعیت کہہ رہی تھی کہ وہ کسی رائفل کی گولی کا نتیجہ ہے۔

"یہ کیا ہوا۔"

"سوراخ....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ سوراخ کسے کہتے ہیں۔"

"لیکن یہ ہوا کیسے۔"

"اس طرح ہوا کہ اگر کچھ اور نیچے ہوتا تو میں تمہارے احمقانہ سوالات سے ہمیشہ کیلئے بچ جاتا۔"

"گولی۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "لیکن آئی کدھر سے۔ آیئے باہر دیکھیں۔"

"سنو بیٹے۔" فریدی نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "دوسرے سوراخ والے جسم کو لاش کہیں گے۔ ویسے تم اس کا تذکرہ ساتھیوں سے مت کرنا۔"

"لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہئے۔" حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

"صرف اتنا ہی کہ چل کر ہوٹل کے منیجر کو اپنی لطیفہ گوئی سے محظوظ کرو۔ لیکن ٹھہرو! جاؤ پہلے میرے صندوق سے دوسری ٹوپی نکال لاؤ۔ اُسے رکھتے آنا۔"

حمید قریب قریب دوڑتا ہوا اپنے کمرے تک آیا۔ فریدی کے صندوق سے ٹوپی نکالی اور قاسم کی گھوں گھوں پر دھیان دیئے بغیر باہر نکل گیا۔

دونوں ڈائننگ ہال میں پہنچے۔

منیجر کاؤنٹر پر کہنیاں ٹیکے خلاء میں گھور رہا تھا۔ ان کے قدموں کی آہٹ پر چونک کر مسکرانے لگا۔ اس کی مسکراہٹ بڑھاپے میں بھی بڑی دلآویز تھی۔

"مجھے بڑا افسوس ہے آپ لوگوں کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔" اس نے کہا۔

"قطعی نہیں.... ویسے میں نے سنا ہے کہ آپ کو دو ایک آدمی مل گئے ہیں۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں! ایک باورچی اور دو خادم۔"

"چلئے یہ بھی غنیمت ہے۔" فریدی نے کہا اور ایک اچٹتی سی نظر ڈائننگ ہال پر ڈالی۔ دو آدمیوں کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ حمید نے انہیں پہلی نظر میں پہچان لیا۔ یہ انہیں تینوں شکاریوں میں سے تھے۔ جن سے وہ صبح ہی الجھتے الجھتے رہ گیا تھا۔ اس وقت بھاری چہرے والا ان میں نہیں تھا۔

فریدی اور حمید کاؤنٹر کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے۔

"کیوں جناب۔" فریدی نے منیجر کو آہستہ سے مخاطب کیا۔ "کبھی آپ کے ہوٹل میں کوئی قتل بھی ہوا ہے۔"

"قتل....!" منیجر یک بیک چونک پڑا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اب میں آپ کو قتل کا مطلب کس طرح سمجھاؤں۔"

"نہیں صاحب! یہاں کبھی قتل وتل نہیں ہوا۔"

"میں نے یونہی پوچھا تھا۔" فریدی نے جیب سے سگار کیس نکالتے ہوئے کہا۔ "لیجئے۔"

"جی شکریہ! مجھے تمباکو سے رغبت نہیں۔"

فریدی نے ایک سگار سلگا لیا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟" منیجر آہستہ سے بڑبڑایا۔ جیسے اُس نے خود سے کہا ہو۔

"اوہو! آپ الجھن میں نہ مبتلا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ پھر ہال میں بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ "شکاری۔"

"جی ہاں! اور آپ ہی لوگوں کی طرح میرے لئے اجنبی ہیں۔"

"یعنی۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ اس سیزن کے علاوہ اور کبھی یہاں نہیں ٹھہرے۔"

"کب سے مقیم ہیں۔"

"تقریباً ایک ماہ سے۔"

"تب تو انہوں نے کافی شکار کر لیا ہوگا۔"

"مجھے اس کے متعلق علم نہیں لیکن میں آپ لوگوں کو ایک مشورہ ضرور دوں گا۔ وہ بھی محض اس لئے کہ آپ کے ساتھ لیڈیز بھی ہیں۔ یہاں کسی شکاری سے دشمنی مت مول لیجئے گا۔ خصوصاً پیشہ ور شکاریوں سے۔ کیونکہ سیزن ختم ہونے پر جب برف پگھلتی ہے تو دو چار لاشیں ضرور نکلتی ہیں۔ آج تک کوئی سیزن خالی نہیں گیا۔"

"اوہ....!" فریدی نہ صرف سنجیدہ ہو گیا بلکہ اس کی آنکھوں سے حیرت بھی جھانکنے لگی تھی

جس کے متعلق حمید نے اندازہ لگایا کہ وہ سو فیصدی مصنوعی تھی۔

"جی ہاں! پچھلے سال تین لاشیں ملی تھیں اور وہ تینوں شکاری تھے۔ ان میں سے ایک کا قیام یہاں فزارو میں تھا۔"

"پولیس نے کچھ نہیں کیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"پولیس....!" منیجر تمسخر آمیز لہجے میں بولا۔ "پولیس نے ان لاشوں کو اٹھوا کر ان کا پوسٹ مارٹم کرا دیا تھا۔"

"اگر ہم یہیں کاؤنٹر پر کھڑے کھڑے کافی پئیں تو کیا حرج ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کوئی حرج نہیں جناب۔ ابھی لیجئے اسٹرونگ یا لائٹ۔"

"اسٹرونگ وِد کریم۔"

منیجر چلا گیا۔ وہ دونوں وہیں کاؤنٹر پر کھڑے رہے۔

"یہ شکاری۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "ان کے ساتھ ایک اور بھی تھا۔"

"میں جانتا ہوں.... میں نے صبح دیکھا تھا۔"

"اور وہ تیسرا صورت سے کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔"

"صورتیں اکثر دھوکا بھی دیتی ہیں۔"

منیجر واپس آ گیا۔ شائد وہ کچن میں کافی کے لئے کہنے گیا تھا۔

"آخر یہ شکاری آپس میں لڑ کیوں جاتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"اس کی بھی ایک وجہ ہے۔" منیجر بولا۔ "شکار کے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ سرکاری اجازت ناموں کے ساتھ مختلف پارٹیوں کے لئے جگہ کا تعین بھی کر دیا جائے کیونکہ کئی مقامی اخبارات نے حکام کی توجہ اس طرف مبذول کرانے کی کوشش کی ہے لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔"

"یہ تو واقعی بُری بات ہے۔" فریدی نے کہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر کافی آ گئی۔

"آپ کی وہ لڑکی۔" فریدی کافی کے کپ میں شکر ڈالتا ہوا بولا۔ "کیا یہاں کسی سے اُس کی دشمنی تھی۔"

"نہیں جناب وہ بڑی نیک لڑکی تھی۔"

"اوہ! لیکن نیک آدمیوں کے بھی تو دشمن ہوتے ہیں۔ ان کی نیکی ہی دوسروں کی دشمنی کی وجہ بن جاتی ہے۔"

"ہوتے ہوں گے مگر.... اُس کا کوئی دشمن نہیں تھا کیونکہ وہ کسی سے زیادہ ملتی ہی نہیں تھی۔"

"اغواء کی وارداتیں یہاں عام ہوں گی۔"

"نہیں جناب میرے ہوٹل میں یہ پہلا واقعہ ہے۔"

"آپ غلط سمجھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہاں سے مراد ٹیکم گڈھ تھی۔"

"ٹیکم گڈھ کیلئے اغواء کی وارداتیں نئی نہیں اور ایسی وارداتیں عموماً سردیوں میں ہی ہوتی ہیں۔"

"سردیوں میں۔" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن وہ پُر اسرار نشانات! ٹیکم گڈھ کے لئے نئے ہیں۔" منیجر نے کہا۔

"نئے ہیں.... مگر میں نے سنا ہے کہ وہ اس سے قبل بھی مختلف مقامات پر دیکھے گئے ہیں۔"

"جی ہاں! یہ اسی سیزن کی بات ہے شاید پندرہ بیس دنوں سے اُنکے متعلق سنائی دینے لگا ہے۔"

ہال کے چوبی فرش سے جوتے کی آوازیں پھیل رہی تھیں۔

فریدی اور حمید نے مڑ کر دیکھا۔ بھاری چہرے والا شکاری ہال میں داخل ہو چکا تھا۔

حماقتیں

"گڈ ایوننگ منیجر۔" اس نے منیجر کو مخاطب کیا۔

"ایوننگ جنٹلمین۔"

"میں بھی گرم کافی کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔"

"ضرور ضرور!" منیجر نے کاؤنٹر پر رکھی ہوئی گھنٹی بجاتے ہوئے کہا۔ "اسٹرونگ۔"

"اسٹرونگسٹ پوسیبل۔"

وہ بائیں کہنی کاؤنٹر پر ٹیک کر داہنے ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی رائفل کا کندہ کھٹکھٹانے لگا، جو اس کے کاندھے سے لٹکی ہوئی تھی۔ اس وقت حمید کو اس کا چہرہ پہلے سے بھی زیادہ خوفناک معلوم

ہو رہا تھا۔ فریدی نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اور پھر کافی پینے لگا۔

"آپ لوگوں کو بھی تکلیف ہو رہی ہے۔" منیجر نے اس سے کہا۔

"ہمیں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔" شکاری مسکرا کر بولا۔

"شکار کیسا ہو رہا ہے۔"

"انتہائی خراب نہ ہونے کے برابر۔ اس بار گرومی کی پارٹی بڑی زبردستیوں پر اتر آئی ہے۔ کیا کروں میرے پاس زیادہ آدمی نہیں ہیں ورنہ ایک ایک کو سیدھا کر دیتا۔ ایسے میں تو دبنا ہی پڑتا ہے۔"

"آپ لوگ کدھر جا رہے ہیں۔"

"سیتل گھاٹی کی طرف! شکار سچ مچ اُدھر ہی ہے۔ مگر گرومی کے کتے بھی اُدھر ہی جا رہے ہیں۔"

"پتہ نہیں اس بار گرومی صاحب فزارو میں کیوں نہیں ٹھہرے۔"

"اُسے شاید معلوم تھا کہ میں اس بار فزارو میں قیام کروں گا۔"

"تو آپ پہلے بھی یہاں آتے رہے ہیں۔" منیجر نے پوچھا۔

"برابر.... میں تقریباً دس سال سے یہاں آ رہا ہوں۔" شکاری نے ویٹر کے ہاتھ سے کافی کی ٹرے لیتے ہوئے کہا۔ اسکے دونوں ساتھی ڈائننگ ہال کے ایک گوشے میں شطرنج کھیل رہے تھے۔

"گرومی صاحب اس بار کہاں ٹھہرے ہیں۔" منیجر نے پوچھا۔

"شہر میں.... لیکن ہوٹل میں نہیں۔ انہوں نے کوئی بلڈنگ کرائے پر لی ہے؟"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر بھاری چہرے والا فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔ "خصوصاً آپ لوگوں کو بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔ آپ بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں۔"

"مقصد تفریح ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اگر شکار نہ بھی ملے گا تو ہمیں افسوس نہ ہوگا۔"

"ٹھیک ہے! ٹھیک ہے۔" شکاری ہنس پڑا۔ "ویسے یہ بطخوں اور ہرنوں کا شکار نہیں ہے۔"

"میں تو ہاتھیوں اور شیروں کے شکار کو بھی اس سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔" فریدی نے کہا۔

"بہت خوب۔ جناب کا اسم شریف۔"

"ایکس، وائی، زید کچھ بھی سمجھ لیجئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "نام شکار نہیں کھیلا کرتے۔"

"یہاں تو گرومی کا نام ہی شکار کھیلا کرتا ہے۔" شکاری نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ تو وہ اتنا خوفناک ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"اگر آپ کی پارٹی نے بھی سیتل گھاٹی کا رخ کیا تو اُس سے کسی رسمی تعارف کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔"

"سیتل گھاٹی۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہم وہیں شکار کھیلیں گے۔"

شکاری نے کچھ اس قسم کا قہقہہ لگایا جیسے اُس نے کسی بچے کی زبان سے کوئی حماقت انگیز بات سنی ہو۔

پھر اُس نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا۔ "دوستو! آخر کار ہمیں ایک آدمی تو ایسا ملا تو سیتل گھاٹی میں علانیہ شکار کھیلے گا۔"

وہ دونوں پہلے وہیں بیٹھے اُسے دیکھتے رہے پھر شطرنج کی بازی چھوڑ کر اٹھ آئے۔

"یہ جیالے۔" اس نے فریدی اور حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "سیتل گھاٹی...."

"میرا خیال ہے۔" فریدی نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "آپ تہذیب کی حدود سے آگے بڑھ رہے ہیں۔"

"اوہ! مجھے افسوس ہے۔" شکاری یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

"آپ کی تعریف۔" اُن میں سے ایک نے کہا۔

"تعریف میں بھی نہیں جانتا۔" بھاری چہرے والے نے کہا۔ "لیکن صورت سے مستقل مزاج آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ ٹھوڑی اور ناک کی بناوٹ کہہ رہی ہے کہ سفاکی اور نرم دلی دونوں موجود ہیں۔"

"قیافے کی داد دینی پڑے گی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ میں مرد کتنے ہیں۔" بھاری چہرے والے نے پوچھا۔

"چھ.... اور....!"

"کیا آپ ہم سے تھوڑی دیر تک گفتگو کرنا پسند کریں گے۔" شکاری نے فریدی کی بات کاٹ کر پوچھا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

"ضرور! بڑی خوشی سے۔"

"تو آیئے؟" شکاری ڈائیننگ ہال کی میزوں کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر فریدی کو ہو کیا گیا ہے! کچھ

ہی دیر قبل اُس پر حملہ ہو چکا تھا اگر گولی ایک انچ نیچے لگی ہوتی تو اس وقت اس کی تجہیز و تکفین کا مسئلہ در پیش ہوتا۔ اس کے باوجود بھی وہ اتنا پُرسکون نظر آرہا تھا جیسے وہ سب محض مذاق ہو۔ شکاریوں کی آپس کی خلش کے متعلق وہ منیجر سے سن چکا تھا اور اب یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ اسی بھاری چہرے والے کی حرکت نہ رہی ہو۔

وہ پانچوں ایک گوشے میں آبیٹھے۔

"ہاں تو میرے دوست....!" بھاری چہرے والے نے فریدی کو مخاطب کیا۔ "گردمی بڑا خطرناک آدمی ہے۔ وہ اپنے کسی بھی حریف کو زندہ دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ دس سال کے عرصے میں میں نے اپنے تیرہ ساتھی ضائع کئے ہیں۔"

"کیا وہ گردمی ہی کا شکار ہوئے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی! اس کی پارٹی ہمیشہ طاقت ور رہتی ہے اور وہ ہمیشہ مکاری سے مارتا ہے۔"

"پولیس کچھ نہیں کرتی۔"

"پولیس آج تک اس کے خلاف ثبوت نہیں بہم پہنچا سکی۔"

"کوئی اور بھی پارٹی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بہتیری تھیں لیکن اب میری پارٹی کے علاوہ اور کوئی نہیں رہ گئی۔ اب کوئی ٹیکم گڈھ کی طرف رخ بھی نہیں کرتا۔ اس بار بھی میرے ساتھ چودہ آدمی آئے تھے لیکن اب یہی دو مرد رہ گئے ان کے علاوہ اور سب نے پیٹھ دکھائی۔"

فریدی نے سگار کیس نکال کر میز پر رکھ دی۔ بھاری چہرے والے نے ایک سگار نکال کر سلگاتے ہوئے کہا۔ "میں دس سال سے اس کے مقابلے پر جا رہا ہوں۔ اب یا تو میں اُس کے ہاتھ سے مارا جاؤں گا یا وہ خود میرے ہاتھوں جہنم رسید ہوگا۔"

"تو پھر وہ بھی آپ کی تاک میں رہتا ہوگا۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی! وہ کئی بار مجھ پر حملہ کر چکا ہے۔"

"یعنی اگر اس کا بس چلے تو وہ آپ کو گولی مار دینے سے بھی دریغ نہ کرے۔"

"جی ہاں! بالکل یہی بات ہے۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا.... کچھ دیر خاموش رہ کر اس نے بھاری چہرے والے سے پوچھا۔

"ہوٹل کی واردات کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"واردات....! میں اسے حیرت انگیز کہتا۔ لیکن ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے نشانات مجھے شبہ میں ڈال رہے ہیں۔"

"کیوں؟ شبہ کس بات کا؟" فریدی نے پوچھا۔

"وہ نشانات یہاں قریباً ایک ماہ سے دیکھے جا رہے ہیں۔ سب سے پہلے وہ سیتل گھاٹی میں دیکھے گئے تھے اور اب بھی زیادہ تر وہیں دکھائی دیتے ہیں۔"

"لیکن یہ شبہ کیوں!" فریدی نے کہا۔

"میں انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی گرومی کی کوئی شرارت ہو۔"

"ہو سکتا ہے لیکن اس کا مقصد بھی ہوگا۔ آخر مقصد کیا ہو سکتا ہے۔"

"دوسری پارٹی کو خوف زدہ کرنا۔" بھاری چہرے والے نے کہا۔ "ظاہر ہے کہ کمزور دل کے آدمی ایسی صورت میں سیتل گھاٹی کا رخ نہ کریں گے۔"

فریدی صرف سر ہلا کر رہ گیا۔

"گرومی آپ لوگوں کا بھی دشمن ہو جائے گا۔" بھاری چہرے والا پھر بولا۔

"مگر ہماری دشمنی شائد اُسے بہت مہنگی پڑے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"آپ ناواقفیت کی بناء پر ایسا کہہ رہے ہیں۔ گرومی سچ مچ شیطان کا نطفہ ہے۔"

"ہم لوگوں سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "وہ شروع ہی سے خاموش تھا لیکن اب اس کی زبان میں کھجلی ہونے لگی تھی۔"

"اُس سے بھڑنا آسان نہیں۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "شکار تو ہم بہر حال کھیلیں گے۔"

"کب سے ارادہ ہے۔"

"کل سے۔"

"اور سیتل گھاٹی میں ہی۔"

"جی ہاں وہیں۔"

"خیر میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ آگے آپ کو اختیار ہے۔" شکاری بولا۔

"ہم اس پر غور کریں گے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"ویسے اگر کبھی ہمارے تعاون کی ضرورت محسوس ہو تو بلا تکلف کہہ دیجئے گا۔"

"شکریہ۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔

"ان نشانات کے متعلق آپ نے کوئی واضح خیال نہیں ظاہر کیا۔" حمید نے کہا۔

"میں نے اپنا شبہ ظاہر کر دیا۔ وہ بھی اس بناء پر کہ وہ زیادہ تر سیتل گھاٹی میں دیکھے گئے ہیں اور اگر اس لڑکی کے اغواء میں گرومی ہی کا ہاتھ ہے تو اس سے بڑا چھچھورا شائد ہی روئے زمین پر دوسرا ہو۔"

"گرومی ہے کون؟" فریدی نے پوچھا۔

"ایک پیشہ ور شکاری۔ اس سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا۔"

سلسلہ گفتگو زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ نواب صاحب نے فریدی کو بلوا بھیجا تھا۔ دوسری منزل پر جاتے وقت فریدی نے حمید سے کہا۔

"کیا خیال ہے۔"

"شائد وہ ہم سے تعاون کرنا چاہتا ہے۔"

"اگر واقعی گرومی اُسی کے بیان کے مطابق نکلا تو۔" فریدی نے کہا۔

"ہڈیاں توڑ دیں گے اُس کی۔ میرا پٹھا اس کی ٹانگیں چیر کر پھینک دے گا۔"

"کون! قاسم.... بھئی بڑا بے وقوف آدمی ہے۔"

"بہترین تفریح ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "میں اُسے عشق پر آمادہ کر رہا ہوں۔"

"یعنی....!"

"وہ فرزانہ سے عشق کرے گا۔"

"لاحول ولا قوۃ.... یار اس لڑکی کے گفتگو کے انداز سے میں بُری طرح اُکتا گیا ہوں۔"

فریدی نواب صاحب کے کمرے میں چلا گیا اور حمید نے اپنے کمرے کی راہ لی۔ یہاں قاسم کی "گھوں گھوں" کے ساتھ چند سریلے قہقہے بھی گونج رہے تھے۔ اندر پہنچ کر اس نے عجیب ہنگامہ دیکھا۔ غزالہ، شہناز، فرزانہ اور صوفیہ چاروں موجود تھیں۔ کمرے کی ایک چھوٹی میز ٹوٹی پڑی تھی۔ حمید نے اپنی رائفل فرش پر پڑی دیکھی جس کی نال بیچ سے ٹیڑھی ہو گئی تھی۔ آتش دان کو

اشتعال دینے والی لوہے کی موٹی سلاخ اس طرح مڑی ہوئی تھی کہ اس کے دونوں سرے ایک دوسرے سے مل گئے تھے۔

اور پھر اس نے قاسم کو دیکھا، جو سامنے کھڑا ٹوٹے ہوئے گلاس کے ٹکڑے چبا چبا کر تھوک رہا تھا۔

"ابے یہ کیا کیا؟" حمید اپنی رائفل اٹھاتا ہوا چیخا۔

"سیدھی کر دوں گا حمید بھائی۔" قاسم نے شیشے کا ٹکڑا چباتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا۔

حمید آنکھیں پھاڑے اُسے گھورتا رہا۔

"اب میں یہ دونوں کرسیاں۔" قاسم نے لڑکیوں کو مخاطب کیا۔ "اپنی بغلوں میں دبا کر توڑ دوں گا۔"

"دماغ خراب ہوا ہے۔" حمید پھر چیخا۔

"حمید بھائی صرف یہی دونوں کرسیاں۔" قاسم نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور وہ چاروں ہنس پڑیں۔

"شامت آئی ہے۔ کیا یہ میرے تمہارے باپ کی کرسیاں ہیں۔"

"اور قاسم بھائی وہ سوٹ کیسوں والا کھیل۔" شہناز اٹھلا کر بولی۔

"ابے مار ہی ڈالوں گا۔" حمید مکا تان کر بولا۔

قاسم کھسیانی ہنسی کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گیا۔

"حمید صاحب۔" فرزانہ بولی۔ "آپ نے ہمیں اتنے شان دار کمالات سے محروم کر دیا۔"

"آپ بھی کچھ فرمائیے۔" حمید نے جل کر شہناز کو مخاطب کیا۔

"وہ سوٹ کیسوں والا کھیل۔" شہناز نے قاسم سے کہا۔

"سنو....!" حمید جھلا کر بولا "ایک کھیل مجھے بھی آتا ہے۔"

"وہ کیا ہے حمید صاحب۔" غزالہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"کمرے کا سارا سامان ایک جگہ اکٹھا کر دیجئے۔ پھر اُس پر پٹرول چھڑک دیجئے۔"

"میں پٹرول بھی پی سکتا ہوں۔" قاسم نے شرما کر کہا۔

"میں تمہیں پٹرول پلاؤں گا۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"حمید صاحب آج آپ کچھ مخرور المزاج سے نظر آ رہے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"آؤ چلیں۔" غزالہ نے شہناز سے کہا۔

"نہیں بھئی! اب حمید صاحب بھی کمالات دکھائیں گے۔" صوفیہ مسکرا کر بولی۔

"ضرور! ضرور۔" حمید نے اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔ "قاسم چت لیٹ جاؤ۔"

"کیوں؟ ہاہاہا۔"

"میں بھی کچھ دکھاؤں گا۔" حمید نے اپنے سوٹ کیس میں ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولتے ہوئے کہا۔

"چلیے لیٹ گیا۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

ساتھ ہی کڑکڑاہٹ سنائی دی۔ حمید نے ایک بڑا سا شکاری چاقو کھول لیا تھا۔

قاسم بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"میں اس کی گردن کاٹ کر پھر جوڑ دوں گا۔" حمید نے لڑکیوں سے کہا۔

اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ وہ سب ہنس پڑیں لیکن حمید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی۔

"ڈرو نہیں قاسم۔" حمید نرم لہجے میں بولا۔ "تمہیں ذرا بھی تکلیف نہ ہوگی۔"

"ہم.... مگر۔"

"کچھ نہیں.... گردن الگ کر کے پھر جوڑ دوں گا۔"

"نہیں.... نن.... نہیں۔"

"ڈرو مت۔" حمید چیخ کر بولا۔

لڑکیاں سنجیدہ ہو گئیں۔

"لیٹ جاؤ قاسم۔" حمید پھر گرجا۔

فرزانہ نے پھر اُسے اپنی طرف متوجہ کرنیکی کوشش کی۔ حمید نے اسکی طرف دیکھا تک نہیں۔

"قاسم....!"

قاسم حیرت سے منہ پھاڑے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

لڑکیوں نے آپس میں کچھ اشارے کئے اور وہاں سے چلی گئیں۔

"کیوں بے ڈفر۔" حمید چاقو ایک طرف ڈال کر بولا۔ "یہ کیا حرکت تھی۔"

"حمید بھائی خفا ہو گئے۔"

"خفا کے بچے! ان پر اپنی طاقت کا رعب ڈال رہے تھے۔"

"آپ ہی نے تو کہا تھا۔" قاسم جھلا کر بولا۔

"کیا کہا تھا میں نے۔"

قاسم نے شرما کر سر جھکا لیا۔ اُس کے ہونٹ ذرا سے کھلے۔ پھر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ نظریں جھکائے ہوئے اس نے کہا۔ "آپ نے نہیں کہا تھا کہ فرزانہ سے عشق کر لو۔"

"ہائیں۔" حمید اچھل کر بولا۔ "تو یہ تم عشق کر رہے تھے۔"

"مطلب یہ کہ.....!"

"اب میں سمجھا! حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "اسی طرح تم بیوی سے بھی عشق جتاتے ہو گے۔"

قاسم منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگا۔

"اور تم نے ڈیڑھ ہزار کی رائفل برباد کر دی۔"

قاسم نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"اب ہنستے ہو بے شرم۔"

"حمید بھائی۔" قاسم اٹھتا ہوا بولا۔ "رائفل کی نال یہ رہی۔"

اس نے صندوق کے پیچھے سے رائفل کی نال نکال کر پلنگ پر ڈال دی۔

"پھر یہ کیا ہے۔"

"کچے لوہے کی نلکی..... دیکھئے کتنی خوبصورتی سے فٹ کی ہے۔" قاسم نے قہقہہ لگایا۔

حمید کو سچ مچ اپنی عقل پر رونا آگیا۔ کیونکہ رائفل کی نال ٹوٹ سکتی تھی ٹیڑھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے جھینپ مٹانے کے لئے کہا۔

"تمہیں دوسری نالی ملی کہاں سے۔"

"میں اس قسم کی چیزیں اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔ اس وقت کئی کھیل رہ گئے۔ اچھا آپ ہی دیکھئے۔"

"حمید اُسے گھورنے لگا۔ قاسم نے ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر بُرا سا منہ بنایا۔"

"یوہا..... ہپ..... انگا۔" اس کا منہ کھل گیا۔ دانتوں کے درمیان ایک بڑا سا لوہے کا گولا

پھنسا ہوا تھا۔

"ہپ.....!" گولا منہ سے نکل کر فرش پر گر پڑا۔

"یوما..... ہپ..... انگا..... ہپ.....!" دوسرا گولا نکالا۔

اس نے پے در پے سات آٹھ گولے منہ سے نکالے۔

"گلاس کتنے توڑے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"چار گلاس اور ایک میز جو سڑی ہوئی لکڑی کی تھی۔ اُسے توڑنے میں چوتھائی قوت بھی کام نہیں آئی۔ ان سب کی قیمت میں ادا کر دوں گا۔"

"تم نے خود بخود کرتب دکھانے شروع کر دیئے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں..... فرزانہ نے استدعا کی تھی۔"

"خواہ مخواہ استدعا کی تھی۔ اُسے کیسے معلوم ہوا کہ جگر بھی ہو۔"

"وہ تو میں نے ہی بتایا تھا۔" قاسم نے شرما کر کہا۔

"ارے آؤ بھینسے.....! یہ لونڈیوں کی طرح لچکتا کیوں ہے۔"

"حمید بھائی! ایک گھونسے میں برابر کر دوں گا۔" قاسم کو غصہ آگیا۔

"ہمیشہ جاہل رہو گے۔" حمید سٹپٹا کر بولا۔ "فردوسی کا شاہنامہ پڑھا ہے۔"

"نہیں پڑھا۔" قاسم نے جھٹکے دار آواز میں کہا۔

"تب ہی تمہیں تاؤ آگیا۔ اے شہ زور وقت! شہنشاہ کیکاؤس رستم کو پیار سے بھینسا کہا کرتا تھا۔"

"مجھے بھینسے پر اعتراض نہیں۔ لونڈیوں کی طرح کیوں کہا۔"

حمید کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ فریدی آگیا۔ اُس نے تحیر آمیز نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا اور پھر اُن دونوں کو گھورنے لگا۔

"یہ سب کیا ہے۔"

قاسم کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

حمید مسکرا کر بولا۔ "ہم لوگ ایک نیا تجربہ کر رہے ہیں۔"

"میز کیسے ٹوٹی... اوہ... شائد یہ گلاس کے ٹکڑے ہیں... ارے یہ رائفل کی نال کو کیا ہوا۔"

"قاسم صاحب بڑے امن پسند ہیں۔" حمید نے کہا۔ "انہوں نے تہیہ کیا ہے کہ دنیا بھر کی

رائفلیں توڑ دیں گے اور توپ کے گولے یہ اپنے منہ سے نکالتے ہیں۔ پچھلے سال اپنے یہاں کے عجائب خانے سے جو توپ غائب ہوئی تھی قاسم کے ہپ میں موجود ہے۔"

"مجھے لغویات پسند نہیں ہیں۔" فریدی جھنجھلا کر بولا اور قاسم چپکے سے کھسک گیا۔

"کیا بات تھی۔" قاسم کے جاتے ہی فریدی نے پوچھا۔

"غزالہ وغیرہ پر اپنی طاقت کا رعب ڈال رہا تھا۔ وہ مڑی ہوئی سلاخ دیکھئے ایک گھونسہ مار کر میز توڑ دی اور یہ رائفل.... خیر اس میں تو اس نے فراڈ کیا تھا۔ نال دوسری فٹ کر دی تھی، جو کچے لوہے کی تھی اور یہ گولے...اول درجہ کا شعبدہ باز ہے۔ اس کی یہ خصوصیت آج ہی معلوم ہوئی۔"

"ہوں.... تم نے مجھے اس سے پہلے کبھی کیوں نہیں ملایا۔"

"کیوں؟"

"کام کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"فی الحال میں اس سے ایک بہت بڑا کام لینے والا ہوں۔" حمید نے کہا۔

فریدی کسی سوچ میں تھا۔ پتہ نہیں اُس نے حمید کی بات پر دھیان دیا تھا یا نہیں، بہر حال اُس نے حمید کے اس جملے پر کچھ نہیں پوچھا۔

"سیتل گھاٹی تمہاری دیکھی ہوئی ہے۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"مجھے کچھ یاد نہیں.... بہت عرصے کی بات ہے۔" حمید نے کہا۔

"خیر.... آج رات کو ہمیں سیتل گھاٹی چلنا ہے۔"

"کیوں....!"

"مجھے گرومی اور اس کے ساتھیوں سے ملنا ہے اور پھر لومڑیوں کا شکار تو عموماً رات ہی کو ہوتا ہے۔ قاسم سے کہو کہ وہ بھی تیار رہے۔"

"اور لوگ بھی جائیں گے۔"

"نہیں.... صرف ہم تینوں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اگر میری ٹوپی میں آج سوراخ نہ ہوتا تو میں سیتل گھاٹی کا رخ نہ کرتا۔ ضرورت ہی کیا تھی۔ ہمارا مقصد تو محض تفریح تھا۔" حمید سوچ میں پڑ گیا۔

خوفناک وادی

رات اندھیری نہیں تھی۔ ٹیکم گڈھ کی پہاڑیاں برف کی سفید چادر اوڑھے اونگھ رہی تھیں۔ آسمان سفید بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ چاند اگر ایک پل کے لئے بھی بادلوں کے کسی رخنے سے جھانکنے لگتا تو اونگھتی ہوئی پہاڑیاں گویا چونک سی پڑتیں۔ لامتناہی سناٹا بڑا پُر اسرار معلوم ہو رہا تھا۔

فریدی حمید اور قاسم سیتل گھاٹی کی طرف جا رہے تھے۔ اُن کی رائفلیں ان کے شانوں سے لٹکی ہوئی تھیں۔ قاسم نے اپنی پیٹھ پر کچھ سامان بھی لاد رکھا تھا۔ اس میں ایک پوری چھولداری بھی تھی۔ کافی کا ایک بہت بڑا تھرموس تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی چیزیں جنہیں پیٹھ پر لاد کر قاسم نے رسی سے بندھوالیا تھا اور وہ اب اتنی آسانی سے برف پر چل رہا تھا جیسے وہ سارا بوجھ اُسی کے جسم کا ایک حصہ رہا ہو۔

سیتل گھاٹی کے قریب پہنچ کر انہوں نے فائروں کی آوازیں سنیں۔ وہ چلتے چلتے رک گئے۔ قاسم نے اپنے کاندھے سے رائفل اتارلی۔

"ابھی نہیں۔" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

پھر وہ چٹانوں کے ایک سلسلے کی اوٹ میں چلنے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں لمبی لمبی چھڑیاں تھیں جن سے وہ زمین پر پڑی ہوئی برف میں سطح کا اندازہ لگاتے چل رہے تھے۔ فریدی کی نظریں خاص طور سے قاسم پر تھیں اور وہ اسے بار بار ہدایات دے رہا تھا۔ اس کے باوجود بھی وہ کئی جگہ گرتے گرتے بچا تھا۔

تھوڑی تھوڑی دیر بعد فائروں کی آوازیں اب بھی سنائی دیئے جاتی تھیں۔ وہ چلتے رہے سردی کے مارے بُرا حال تھا۔ لیکن اُس کے منہ سے شکایت کا ایک جملہ بھی نہیں نکلا تھا۔ کیونکہ شکار کی تجویز پر اس نے بڑے زور و شور سے فریدی کی تائید کی تھی۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ کچھ لڑکیاں بھی ان کے ساتھ ہوں گی اُس کا جوش و خروش اور زیادہ بڑھ گیا تھا۔ لہٰذا اب اسے سردی کی شکایت کرتے ہوئے شرم آ رہی تھی۔

وہ پھر رک گیا۔ کیونکہ اس بار فائر اُن کے قریب ہی کہیں ہوا تھا۔ چٹانوں کا سلسلہ عبور

کر کے وہ گھاٹی میں اتر گئے۔

"بڑی حیرت کی بات ہے۔" حمید نے کہا۔ "شکار کہیں نظر نہیں آتا لیکن فائر برابر ہو رہے ہیں۔"

"شکار کو بلا رہے ہیں۔" قاسم بڑبڑایا۔

"کیا.... کیا بک رہے ہو۔" حمید نے کہا۔

"اوہ کیا۔" دفعتاً فریدی چونک کر بولا۔

ان دونوں کی نظریں بھی اُدھر ہی اٹھ گئیں جدھر فریدی دیکھ رہا تھا۔ قریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر برف کا ایک ننھا ٹیلا متحرک نظر آ رہا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" حمید خوفزدہ آواز میں بولا۔

"پتہ نہیں۔"

برف کا تودہ رینگتا ہوا ایک چٹان پر چڑھ رہا تھا۔

"بھھ.... بھوت....!" قاسم کانپنے لگا۔

"چپ....!" فریدی نے قاسم کا شانہ دبا دیا۔

چٹان پر چڑھ کر وہ تودہ دو چٹانوں کی درمیانی دراڑ میں اُتر گیا۔ پھر انہیں ایسا معلوم ہوا کہ جیسے تودہ یک بیک سمٹ کا اونچا ہو گیا ہو۔ ایک پل کے لئے چاند نے بادلوں سے جھانکا اور پوری وادی چمک اٹھی۔ چٹانوں کی دراڑ میں کوئی نہیں تھا۔

"ہائیں! غائب۔" قاسم بڑبڑایا۔

"آؤ۔" فریدی نے کہا اور وہ اسی دراڑ کی طرف بڑھنے لگے۔

"میرے خیال سے وہ کوئی سفید ریچھ تھا۔" حمید نے کہا۔

"ہشت....!" فریدی بولا۔ "سفید ریچھ صرف ٹنڈرا میں پائے جاتے ہیں۔"

وہ پھر خاموشی سے چلتے رہے۔ فائروں کی آوازیں بند ہو گئی تھیں۔

وہ اُسی دراڑ کے قریب پہنچے۔ جہاں وہ سفید متحرک شے غائب ہو گئی تھی۔

"ارے....!" حمید یک لخت اچھل پڑا۔

برف پر ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔

فریدی نے جیب سے ٹارچ نکالی اور دراڑ میں گھستا چلا گیا۔ نشانات کچھ ہی دور بعد ختم ہو گئے

تھے۔ آگے دوسری طرف جانے کا راستہ تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اپنی چھڑی برف میں گاڑ دی، جو دھنستی ہی چلی گئی۔ آخر کار وہ چھڑی نکال کر پیچھے ہٹ آیا۔

"شاید گڑھا زیادہ گہرا ہے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ پھر اس کی ٹارچ کی روشنی دور تک پھیل گئی۔ سامنے برف کی سطح بے داغ نظر آ رہی تھی۔

"آخر وہ گیا کدھر۔" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"بڑی سردی ہے۔" قاسم بڑبڑایا۔

"چلو باہر نکلیں۔" فریدی نے کہا۔ "صبح دیکھیں گے۔"

وہ دراڑ سے نکل آئے۔ پہلے ہی جیسا پُراسرار سناٹا فضا پر مسلط تھا۔

"شکار کہاں ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے کہا۔

"واقعی یہ بات حیرت انگیز ہے۔ پھر یہ گولیاں کیسی چل رہی تھیں۔ آوازیں اُدھر سے آئی تھیں۔" فریدی نے دور تک پھیلے ہوئے چٹانوں کے سلسلے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"پھر وہی....!" حمید اچھل پڑا۔ جدھر فریدی نے اشارہ کیا تھا۔ اُدھر ہی پھر اُسے برف کا ایک متحرک تودہ دکھائی دے رہا تھا۔

"ہے تو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

قاسم ان کے پیچھے تھا۔ وہ دونوں یہ نہ دیکھ سکے کہ قاسم اپنی رائفل سیدھی کر رہا ہے وہ اس وقت چونکے جب انہوں نے فائر کی آواز سنی۔

قاسم شاید اب دوسرے فائر کے لئے بھی تیار تھا۔ یہ بات انہوں نے محسوس کی تھی کہ وہ تو گولی لگنے کے باوجود بھی رینگ رہا تھا۔ فریدی قاسم کو روک بھی نہ پایا تھا کہ اس نے دوسرا فائر کر دیا۔ گولی لگی لیکن وہ شے برابر رینگتی رہی۔

"کیا کر رہے ہو؟" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"کیا زندہ پکڑیئے گا۔" قاسم نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔

"ہاں.... آگے بڑھو۔ اُسے تم ہی پکڑ سکو گے۔" فریدی بولا۔

قاسم نے بڑے اطمینان سے رائفل کاندھے پر لٹکائی اور پھر شاید دوڑ لگانے کا ارادہ کر رہا تھا

که فریدی نے اُسے پکڑ لیا۔

"برف میں دفن ہو جاؤ گے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "ادھر سے آؤ۔"

فریدی آگے تھا قاسم اور حمید اسکے پیچھے چل رہے تھے۔ اس سفید شے کے رینگنے میں تیز رفتاری نہیں تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے چند لمحے پیشتر لگی ہوئی گولیوں کا احساس تک نہ ہو۔

فریدی نے اس پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ اس کے باوجود بھی اس کی رفتار میں کوئی فرق نہ آیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی اندھی اور بہری شے ہو۔

"قاسم! فائر کرو۔" فریدی نے پلٹ کر کہا۔ مگر اب نہ جانے کیوں قاسم کی گھگھی بندھ گئی تھی۔

"ففف... فر... فردی لگ رائی اے۔" قاسم کے منہ سے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں۔

"کیا ہوا؟" فریدی نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔ حیرت کی بات بھی تھی۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے قاسم نے اُس پر نہ صرف فائر کئے تھے بلکہ دوڑ کر اُسے پکڑ لینے کا بھی ارادہ رکھتا تھا۔

"سردی ہے.... جج.... جناب۔" قاسم نے کانپتے ہوئے کاندھے سے رائفل اتار دی۔

لیکن وہ اس کے ہاتھ ہی میں جھولتی رہ گئی۔

"قاسم....!" حمید نے اُسے جھنجھوڑا۔

فریدی نے اپنی رائفل اتار دی اور فائر کر دیا.... لیکن لاحاصل۔ اس کا نشانہ ٹھیک تھا لیکن اس شے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ پھر فریدی دوسرا فائر کرنے جا رہا تھا کہ اچانک اُس سفید شے کا رخ ان کی طرف پھر گیا اور وہ اوپر جانے کی بجائے نیچے اترنے لگی۔ فریدی نے پھر ٹارچ روشن کی اور اس بار انہوں نے اُسے بالکل صاف دیکھ لیا۔ برف کا ایک ڈھیر تھا جس نے آدمی کے جسم کی شکل اختیار کرلی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی آدمی گھٹنوں اور ہتھیلیوں کے بل رینگ رہا ہو۔

قاسم کے منہ سے نکلنے والی آوازیں تیز ہو گئیں اور اب تو حمید بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

"شٹ اپ۔" فریدی نے چیخ کر کہا لیکن اُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔

فریدی نے پھر فائر کیا اس بار وہ گھٹنوں کے بل چلنے والی شے اچھل کر آدمیوں کی طرح دونوں پیروں پر کھڑی ہو گئی۔ یہ ایک قد آور برف کا آدمی تھا۔ اس کے علاوہ اور کہا بھی کیا جا سکتا تھا۔ اگر سفید ریچھ کہا جاتا تو اس کے کھڑے ہونے کا انداز اس خیال کو جھٹلا دیتا۔ سفید بن مانس کا بھی خیال فضول تھا کیونکہ بن مانس بھی آدمیوں کی طرح سیدھا نہیں کھڑا ہو سکتا۔

فریدی نے پھر فائر کیا۔ اس بار اس نے سینے کا نشانہ لیا تھا۔ لیکن اس کی رفتار میں لڑکھڑاہٹ تک نہ پیدا ہوئی۔ وہ نہایت اطمینان سے آہستہ آہستہ چٹان سے اتر رہا تھا۔

"ارے.... بھھ.... بھاگئے۔" حمید ہکلایا۔

اب تو فریدی بھی کچھ چکرا سا گیا تھا۔ لیکن اس حد تک بھی نہیں کہ حمید کے مشورے پر عمل کر بیٹھتا۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے بلندی سے اترتے دیکھتا رہا۔

قاسم بوکھلا کر برف پر بیٹھ گیا اور حمید کی حالت سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کے کاندھوں پر سوار ہو جائے گا۔

فریدی نے اب فائر کرنا بے کار سمجھا۔ ویسے اس کی رائفل کی میگزین میں ابھی سات کارتوس باقی تھے۔

"اگر بھاگے تو موت کو دعوت دو گے۔" فریدی نے پلٹ کر حمید اور قاسم سے کہا۔

"مم.... موت....!" قاسم روہانسی آواز میں بولا۔

"ہاں! ہم نہیں جانتے کہ برف کے نیچے کہاں کیا ہے؟"

"ارے باپ رے باپ۔" قاسم نے گھگھیا کر کلمہ پڑھا اور حمید کو سچ مچ موت یاد آگئی۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ پتہ نہیں وہ اپنی خود اعتمادی کو تقویت دے رہا تھا یا اس نے ان دونوں کا دل بڑھانے کے لئے قہقہہ لگایا تھا۔

برف کا بھوت چٹان سے اُتر کر نیچے کھڑا ہو گیا۔ وہ ان سے ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر رہا ہو گا۔

فریدی نے پھر رائفل سیدھی کی.... فائر ہوا.... لیکن وہ بدستور کھڑا رہا۔ یہ بات سوچی بھی نہیں جا سکتی تھی کہ فریدی کا نشانہ خطا کر رہا ہو گا۔

فریدی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ برف کا بھوت اپنی جگہ پر جم سا گیا تھا! اچانک کسی عورت کی چیخ سناٹے میں دور تک لہراتی چلی گئی۔ آواز عقب سے آئی تھی۔ فریدی بے ساختہ پلٹا۔ حمید اور قاسم بھی اُدھر ہی دیکھنے لگے۔ لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ فریدی پھر اُس عجیب و غریب شے کی طرف مڑا اور اس کے منہ سے ایک تحیر آمیز آواز نکلی۔ برف کا بھوت غائب ہو چکا تھا۔

"کیا تماشہ ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر اُن دونوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "قاسم تم بڑے

بزدل نکلے۔ مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔"

"مگر.... وہ.... تو....!" قاسم ہکلا کر رہ گیا۔

"چلو آگے بڑھو۔"

وہ تینوں لوٹ رہے تھے۔

"مگر وہ آواز کیسی تھی۔ کسی عورت کی چیخ۔" حمید نے کہا۔

"رہی ہوگی۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔ "تم تو اس قابل ہو کہ تمہیں گولی مار دی جائے"

"جی ہاں! اور اگر میں بھوتوں سے کشتی لڑنے لگوں تو زندہ رہنے دیا جاؤں گا۔"

"پھر تم نے بھوت کا نام لیا۔" فریدی بھنا کر بولا۔

"توبہ توبہ۔" حمید اپنا منہ پیٹنے لگا۔ "لاحول ولا قوۃ! وہ تو میرے دادا جان تھے۔"

"اچھا بکو نہیں۔"

"ارے تو آپ ہی نے کیوں نہیں لپک کر اُس سے مصافحہ کیا۔ میں تو پیدائشی ڈرپوک بزدل ہوں۔"

"اگر وہ بھوت تھا تو قریب کیوں نہیں آیا۔" فریدی بولا۔

"فریدی صاحب! خدا کے لئے چپ رہیئے۔" قاسم گھگھیا کر بولا۔

"ورنہ تم دونوں بیوہ ہو جاؤ گے۔ ارے تم نے پہلے کیا سمجھ کر فائر کیا تھا۔"

"پتہ نہیں! مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں شائد اس وقت اونگھ رہا تھا۔" فریدی ہنس پڑا۔

اُس نے ایک چٹان پر سے تھوڑی سی جگہ کی برف ہٹائی اور بیٹھ گیا۔

"کیا رات یہیں گذرے گی۔" حمید نے پوچھا۔

"خیال تو یہی ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"یہ تو ٹھیک نہیں!" قاسم بڑبڑایا۔

"چلو تھرموس مجھے دو۔" فریدی نے کہا۔

قاسم نے کافی کا تھرموس کاندھے سے اُتار کر فریدی کو دے دیا۔

"برف ہٹا کر بیٹھ جاؤ۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ ہوا ساکن ہے ورنہ ٹھہرنا محال ہو جاتا۔"

"یہاں بیٹھنے سے کیا فائدہ۔" قاسم نے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ ہم یہاں شکار کھیلنے آئے ہیں۔" فریدی بولا۔

"حج کرنے تو آئے نہیں۔" حمید جھنجھلا گیا۔ "اگر ہم شکار نہ کھیلیں....!"

"بکومت۔" فریدی نے اُسے جملہ نہ پورا کرنے دیا۔ "میں تمہیں زبردستی نہیں لایا ہوں۔"

"لیکن میں آپ کو زبردستی لے جاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"فضول باتوں سے پرہیز کرو۔"

"مجھے ڈاکٹر نے برف سے پرہیز بتایا تھا۔" قاسم بولا۔ "میں گرمیوں میں بھی برف سے پرہیز تا ہوں۔"

"تو پھر چلے کیوں آئے۔"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ برف اس طرح گرتی ہے۔" قاسم گڑگڑا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ نس لینے میں برف کے ذرات پھیپھڑوں میں بھی داخل ہو جاتے ہوں گے۔"

"کھوپڑی میں بھی جاتے ہیں۔" فریدی نے تھرموس سے کافی انڈیلتے ہوئے کہا۔

"اور عقل منجمد ہو جاتی ہے۔ سنا ہے تم فرزانہ سے عشق کر رہے ہو۔"

"حمید بھائی! اللہ قسم تم بہت بُرے آدمی ہو۔" قاسم نے شرما کر کہا۔

"مگر وہ بہت دلیر لڑکی معلوم ہوتی ہے۔" فریدی بولا۔

"تو میں کب بزدل ہوں۔" قاسم نے کہا اور پھر سنبھل کر بولا۔ "ارے ہش! لاحول.... سے کیا مطلب۔"

حمید کچھ سوچ رہا تھا۔ اُس کے دماغ نے قلابازیاں کھانی شروع کر دی تھیں۔ اس کی سمجھ میں بس آ رہا تھا کہ فریدی کو کس طرح یہاں سے لے جائے۔ دفعتاً ایک بات اُسے سوجھ گئی اور وہ فزدہ آواز میں بولا۔

"لڑکیوں نے بہت بُرا کیا۔ انہیں وہاں سے ہٹ جانے والی تجویز منظور کر لینی چاہئے تھی یہ ہم ابھی دیکھ ہی چکے ہیں کہ اس بھوت پر گولیاں بھی نہیں اثر کرتیں۔"

"میرا کیا بگڑتا ہے۔ آپ بھگتیں گی۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں.... نہیں.... یہ نہیں ہو سکتا۔" قاسم مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بھی کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ حمید کی تدبیر کامیاب رہی۔ فریدی کو اٹھنا

ہی پڑا۔

دوسری صبح وہ دن چڑھے تک سوتے رہے لیکن سب سے پہلے فریدی ہی کی آنکھ کھلی۔ کوئی بری طرح دروازہ پیٹ رہا تھا۔ فریدی نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ یہ نواب رشید الزماں تھے۔ بُری طرح گھبرائے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

"تم نے فرزانہ کو تو نہیں دیکھا۔" انہوں نے پوچھا۔

"کیوں، کیا بات ہے۔ ہم تو سو رہے تھے۔"

"پتہ نہیں وہ کہاں ہے۔ صبح پانچ بجے اٹھ کر باہر نکلی تھی۔ ہم سمجھے شائد صوفیہ کے کمرے میں گئی ہوگی۔ لیکن وہ وہاں بھی نہیں ہے۔"

"پانچ بجے کے بعد سے اب خبر لی ہے آپ نے۔"

"زاہد بھی ابھی ہی بیدار ہوا ہے۔ اُس کا کمرہ کھلنے پر معلوم ہوا کہ فرزانہ وہاں نہیں ہے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ صوفیہ کے ساتھ سو رہی ہوگی۔"

"نیچے دیکھا آپ نے۔"

"نہیں.... ابھی نہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ ڈائننگ ہال میں ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "کرنل صاحب کہاں ہیں۔"

"سو رہے ہیں۔ میں نے انہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔"

قاسم اور حمید بھی بیدار ہو چکے تھے۔ قاسم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نواب رشید الزماں کو گھور رہا تھا۔

"چلئے نیچے دیکھیں۔" فریدی نے اوور کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں بھی تیار ہو گئے۔

وہ چاروں زینے طے کرتے ہوئے ڈائننگ ہال میں آئے۔

ڈائننگ ہال میں فرزانہ اور منیجر کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ فرزانہ ایک کرسی پر اکڑی بیٹھی اور منیجر اُس کے سامنے بڑے مودبانہ انداز میں کھڑا ہوا تھا۔

"میرا نام چنگیز خاں ہے۔" فرزانہ گرج کر بولی۔

"جی ہاں۔" منیجر نے جھک کر کہا۔

"ارے....!" نواب رشید الزماں حیرت سے منہ پھاڑے ہوئے فریدی کی طرف مڑے۔

فریدی مسکرا رہا تھا۔

منیجر نے اُن لوگوں کو دیکھ کر وہاں سے ہٹنا چاہا لیکن فرزانہ نے ڈانٹ کر کہا۔

"با ادب.... سر قلم کر دیا جائے گا۔"

منیجر ان کی طرف دیکھ کر بڑی بے بسی سے مسکرایا۔ نواب رشید الزماں کو شائد غصہ آ گیا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر بولے۔

"فرزانہ یہ کیا ہو رہا ہے۔"

فرزانہ پہلے انہیں پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہی پھر اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اُس نے چیخ کر کہا۔

"کون ہو تم! اس طرح بے ادبی سے ہمارے دربار میں چلے آئے۔ ہمارے پیروں کو بوسہ دو۔"

"کیا بک رہی ہو لڑکی۔" نواب صاحب غصے سے کانپنے لگے۔

"اس گستاخ کا سر قلم کر دیا جائے۔" فرزانہ دونوں ہاتھوں سے میز پیٹتی ہوئی بولی۔

فریدی کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی اور اب وہ اُسے بڑی سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ حمید بھی متحیر تھا اور قاسم کی حالت تو عجیب تھی۔ کبھی معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہنس پڑے گا اور کبھی رو دینے والے انداز میں منہ بنانے لگتا تھا۔

وہ کیا تھا

کرنل شمشاد کو جگایا گیا اور وہ کسی نہ کسی طرح سے فرزانہ کو اوپر لے گیا۔ اُن کے ساتھ نواب صاحب، حمید اور قاسم بھی چلے گئے لیکن فریدی نیچے رہا۔

"کیا بات تھی۔" اُس نے منیجر کو مخاطب کیا۔

"جناب والا میں خود بھی نہ سمجھ سکا۔ آپ لوگوں کے آنے سے قبل میں یہی سمجھ رہا تھا کہ صاحبزادی شائد مذاق فرما رہی ہیں۔"

"یہاں کتنی دیر سے تھی۔"

"آپ کے آنے سے شائد دس منٹ قبل تشریف لائی تھیں۔"

"اوپر ہی سے آئی تھی۔"

"اس پر میں نے غور نہیں کیا۔" منیجر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کیا ان پر کسی قسم کے دورے پڑتے ہیں۔"

"شائد۔" فریدی آہستہ سے بولا اور کچھ سوچنے لگا۔

"ڈاکٹر کو بلاؤں۔" منیجر نے کہا۔

"ذرا ٹھہریئے۔" فریدی نے کہا اور اوپری منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

سب لوگ کرنل شمشاد کے کمرے میں اکٹھا تھے۔ فرزانہ اب بھی ایک کرسی پر اکڑی بیٹھی اپنے گرد کھڑے ہوئے لوگوں کو گھور رہی تھی۔

"تم کون ہو۔" اُس نے قاسم سے گرج کر پوچھا۔

"مم.... میں.... قاسم ہوں.... جی ہاں۔"

"ہم تمہیں اپنا میر لشکر بنائیں گے۔" فرزانہ بولی۔ "ان سب کو دھکے دے کر یہاں سے نکال دو۔"

"فرزانہ کیا بک رہی ہو۔" کرنل شمشاد چیخا۔

"اس بوڑھے کی گردن توڑ دی جائے۔" فرزانہ دانت پیس کر بولی۔ "تعمیل ہو۔"

اُس نے یہ بات قاسم کو مخاطب کر کے کہی تھی۔ قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں کرنل شمشاد کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ لوگ باہر چلئے۔" حمید نے غزالہ، شہناز اور صوفیہ کو مخاطب کر کے کہا۔

وہ تینوں باہر نکل آئیں، حمید بھی اُن کے پیچھے تھا۔

"آخر یہ اسے ہوا کیا۔" غزالہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"میرا خیال ہے کہ وہ کسی قسم کا دورہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"دورہ! مگر میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں پڑا۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتی ہیں۔"

"ہم دونوں بہت عرصے سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔" غزالہ نے کہا۔

"اچھا آپ لوگ اپنے کمروں میں جایئے! حمید نے کہا اور انہیں وہیں کھڑا چھوڑ کر پھر کرنل کے کمرے میں چلا گیا۔"

کرنل فرزانہ کے ہاتھ اور پیر باندھ رہا تھا اور وہ بُری طرح چیخ رہی تھی۔

فریدی نے منیجر کو ڈاکٹر کے لئے فون کیا۔

"مجھے چھوڑ دو۔" فرزانہ چیخ رہی تھی۔ "سالارِ اعظم کیا دیکھتے ہو۔ تمہارے سامنے ماہدولت کی توہین ہو رہی ہے۔"

سالارِ اعظم بے چارہ دم بخود کھڑا طرح طرح کے منہ بنا رہا تھا۔

"میرے خیال سے انہیں یہاں تنہا رہنے دیا جائے۔" فریدی نے کرنل شمشاد سے کہا۔

"جیسا بہتر سمجھئے!" کرنل شمشاد بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو گیا۔"

وہ سب کمرے سے نکل آئے اور اُسے باہر سے مقفل کر دیا گیا۔

"کیا اس قسم کے دورے بہت دنوں سے پڑتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں! کبھی نہیں۔ میں کیا کروں۔" کرنل شمشاد مضطربانہ انداز میں بولا۔

"تعجب ہے۔" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

فرزانہ اندر چیخ رہی تھی۔

قاسم حمید کو اپنے کمرے کی طرف کھینچ رہا تھا۔ حمید سمجھا شائد وہ اس سلسلے میں اُسے کوئی بہت ہی اہم بات بتانا چاہتا تھا۔ کمرے میں پہنچ کر حمید اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"حمید بھائی بہت بُرا ہوا۔" قاسم نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔"

"مجھے اُس پر گولی نہ چلانی چاہئے تھی۔"

"کیوں؟"

"اوہو.... اب کیا بتاؤں.... بس نہ چلانی چاہئے تھی۔"

"آخر کیوں.... کوئی وجہ۔"

"اُس بھوت نے اب فرزانہ کو جکڑ لیا ہے۔"

"فرزانہ ہی کو کیوں جکڑا ہے۔"

"اب کیا بتاؤں۔" قاسم فکر مند لہجے میں بولا۔ "ایک واقعہ یاد آ رہا ہے۔ ایک بار ایک صاحب نے ایک بھوت کو چھیڑ دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اُن کی بیوی پر آ گیا۔"

"ہوش میں ہو یا نہیں۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"کیوں خفا کیوں ہوتے ہو حمید بھائی۔"

"کیا فرزانہ تمہاری بیوی ہے۔"

"نن.... نہیں.... مگر.... وہ عشق۔"

"اَخاہ! تو یہ کہئے چونکہ آپ اس سے عشق کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے وہ اس پر آ گیا۔"

"یہی.... یہی بات ہے حمید بھائی۔" قاسم خوش ہو کر بولا۔

"اچھی بات ہے.... میں ذرا کرنل صاحب کو مطلع کر دوں۔"

"ارے.... ارے.... یعنی کہ....!"

"میں اُن سے صرف یہ کہوں گا کہ فرزانہ کی موجودہ حالت کا ذمہ دار قاسم ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "بقیہ تم خود کہہ سن لینا۔"

حمید دروازے کی طرف بڑھا لیکن قاسم نے لپک کر اس کی کمر پکڑ لی۔

"یہ کیا؟"

"ارے تو کیا سچ مچ۔" قاسم جھنجھلا گیا۔

قاسم نے حمید کو چھوڑ دیا کیونکہ فریدی اُسے آواز دے رہا تھا۔ لیکن حمید کے ساتھ وہ بھی باہر نکل آیا۔

"شکاریوں کو چیک کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"کیوں؟"

"پھر پوچھنا۔" فریدی نے کہا اور کرنل شمشاد کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

"کیا معاملہ ہے۔" قاسم نے حمید سے پوچھا۔

"کچھ نہیں! جاؤ اندر بیٹھو۔" حمید نے کہا اور ڈائننگ ہال میں جانے کے لئے سیڑھیاں طے کرنے لگا۔

تینوں شکاری ڈائننگ ہال میں ناشتہ کر رہے تھے۔ رائفلیں اس وقت بھی اُن کے کاندھوں سے لٹک رہی تھیں۔ بھاری چہرے والے نے حمید کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔

"آیئے!" اُن میں سے ایک نے حمید کو دعوت دی۔

"اوہ....! شکریہ۔" حمید بڑے بے تکلفی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "بعض اوقات اپنی غیر دانش مندانہ حرکتیں وبال جان ہو جاتی ہیں۔"

"کیوں! خیریت۔" بھاری چہرے والے نے پوچھا۔

"ہمارے ساتھ کی ایک خاتون پر کسی قسم کا دورہ پڑ گیا ہے۔"

"اب کیا حال ہے۔ ابھی مجھے منیجر سے معلوم ہوا تھا۔"

"کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔"

شکاری چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"میرے خیال سے سردی.... آپ لوگوں نے واقعی غلطی کی خواتین کو ہرگز نہ لانا چاہئے تھا۔"

"کہئے کل رات کا شکار کیسا رہا۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں ملا۔ کل ہم نے دوسری طرف قسمت آزمائی تھی۔ اگر میرے ساتھ چار آدمی بھی اور ہوتے تو میں سیتل گھاٹی کو کبھی نہ چھوڑتا۔"

"اگر ہم اور آپ تعاون کر لیں تو....!" حمید نے کہا۔

"اوہ.... تب تو.... تب تو گرومی کو اپنی ولادت کا صحیح وقت بھی یاد آ سکتا ہے، مگر اس میں ایک دشواری ہے۔"

"وہ کیا؟"

"آپ لوگ یہاں اجنبی ہیں۔ پتہ نہیں وہ کب اور کہاں آپ کو گھیر لیں۔"

دفعتاً حمید کو محسوس ہوا کہ اس نے ایک بہت ہی لایعنی سی بات چھیڑ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ فریدی نے ایسے موقعے پر انہیں چیک کرنے کے لئے کہا تھا جس کا تعلق شکار سے قطعی نہیں تھا لیکن اب اُسے الجھن ہونے لگی تھی کہ آخر وہ انہیں کس طرح چیک کرلے۔ پتہ نہیں فریدی کے ذہن میں کیا تھا۔

حمید نے ایک آدمی کو ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے دیکھا، جو وضع قطع سے ڈاکٹر معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے اپنے ہاتھ میں ایک ہینڈ بیگ لٹکا رکھا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب آ گئے۔" منیجر نے کاؤنٹر سے حمید کو مخاطب کیا۔

"اچھا تو اجازت دیجئے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

ڈاکٹر کرنل شمشاد کے کمرے کی طرف چلا گیا اور حمید فریدی کو تلاش کرنے لگا جو اُن چاروں کمروں میں سے کسی میں بھی نہیں تھا۔ اُس نے اس کے متعلق سب پوچھا لیکن کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر وہ باہر جاتا تو اُسے ڈائیننگ ہال سے ضرور گزرنا پڑتا۔ پھر آخر وہ کہاں گیا۔ کیا فرزانہ کے سلسلے میں اُس نے کوئی اہم بات دریافت کی ہے۔

آخر کار تھوڑی سی تلاش کے بعد وہ اُسے ایک غسل خانے میں مل گیا۔

"ڈاکٹر آ گیا ہے۔" حمید نے اُسے اطلاع دی۔

"ہوں....!" فریدی مڑ کر بولا۔ "تم نے شکاریوں کو چیک کیا۔"

"وہ تینوں ڈائیننگ ہال میں موجود ہیں۔" حمید نے کہا۔

"رات کہاں تھے؟"

"باہر.... لیکن سیتل گھاٹی کے علاوہ کہیں اور تھے۔"

"یہاں کس وقت آئے۔"

"پتہ نہیں۔" حمید نے کہا۔

"یہ آپ نے کیا چک کیا ہے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔ "فرزانہ یہاں اسی غسل خانے میں آئی تھی۔"

"ضرور آئی ہوگی۔" حمید بے دلی سے بولا۔

"اور اُسے جو کچھ بھی ہوا یہیں ہوا۔"

"حمید کچھ نہ بولا اُس کی طبیعت اکتا گئی تھی۔ یہاں آیا تھا تفریح کی غرض سے مگر ایک کیس سر پر سوار ہو گیا۔

وہ غسل خانے سے نکل آئے۔ کرنل شمشاد کے کمرے کے سامنے نواب رشید الزماں وغیرہ کھڑے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ شائد ڈاکٹر اور کرنل شمشاد اندر تھے۔ فرزانہ کی چیخیں بھی اب نہیں سنائی دیتی تھیں۔

"بیہوش ہو گئی ہے۔" نواب صاحب فریدی کو دیکھ کر بڑبڑائے۔

"ڈاکٹر کیا کہتا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ابھی تو کچھ نہیں معلوم ہوا.... دیکھ رہا ہے۔"

"میں میجر نصرت کو فون کرنے جا رہا ہوں۔ عورتوں کا یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیوں.... کیا بات ہے۔" نواب رشید الزماں گھبرا کر بولے۔

"کوئی بات نہیں۔ ویسے ہی کہہ رہا ہوں ان سے کہئیے کہ ضد اچھی نہیں ہوتی۔"

غزالہ قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔

"آپ خود نہیں کہہ سکتے۔" اُس نے کہا۔

"نہیں! اگر میرا کہنا نہ مانا گیا تو مجھے غصہ آ جائے گا۔"

غزالہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گئی۔ نواب رشید الزماں کمرے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے کیونکہ ڈاکٹر باہر آ رہا تھا۔

ڈاکٹری رپورٹ تو دوسروں کے لئے بڑی مبہم تھی۔ لیکن فریدی اس پر اس طرح چونکا تھا جیسے وہ انہیں امکانات پر غور کرتا رہا ہو۔ ڈاکٹر نے دورے کی وجہ اعصابی نظام میں خلل بتائی تھی۔ لیکن خلل کی وجہ خود اس کی سمجھ میں بھی نہیں آ سکی تھی۔ اُس نے بیہوشی کے تدارک کے لئے انجکشن دیا تھا لیکن اس کی ذمہ داری نہیں لی تھی کہ ہوش میں آنے کے بعد اُس کی ذہنی حالت اعتدال پر آ جائے گی۔

فریدی ایک نئی الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہوٹل ہی میں ٹھہرے یا سیتل گھاٹی کی طرف جائے۔ اُس نے پچھلی رات ہی کو تہیہ کر لیا تھا کہ دن کو وہاں کے اُن مقامات کا جائزہ ضرور لے گا جہاں وہ پُر اسرار شے نظر آئی تھی۔

اُس نے میجر نصرت کو فون کیا لیکن اُس وقت وہ نہ تو آفس میں موجود تھا اور نہ گھر پر۔ بہر حال وہ شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس کر رہا تھا کہ عورتوں کو شہر پہنچا دیا جائے۔

کرنل شمشاد کی گھبراہٹ لحظہ بہ لحظہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ابھی تک فرزانہ کو ہوش نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹر جا چکا تھا۔ لیکن اُس نے تاکید کر دی تھی کہ ہوش آنے پر اُسے فوراً مطلع کیا جائے۔

قاسم کی پارٹی کے سارے افراد کرنل کے کمرے میں موجود تھے۔ دفعتاً حمید کو قاسم کا خیال آیا اور اُس کی عدم موجودگی اُسے بڑی عجیب لگی۔ اُس نے فریدی سے اُس کے متعلق پوچھا بھی لیکن اُس نے لاعلمی ظاہر کی۔

حمید اپنے کمرے کی طرف آیا۔ قاسم وہاں بھی نہیں تھا۔ البتہ حمید نے یہ بات ضرور محسوس

کی کہ قاسم کی پوستین اور رائفل بھی موجود نہیں ہے۔

وہاں سے وہ سیدھا ڈائننگ ہال میں آیا اور پھر منیجر سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ قاسم کچھ دیر قبل اُدھر سے گذر کر باہر گیا تھا۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ اُس کے پاس رائفل بھی تھی۔ حمید نے اُن تینوں شکاریوں کے متعلق پوچھا۔

"وہ اپنے کمروں میں ہوں گے۔" منیجر نے کہا۔

اور پھر اُس کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ تینوں شکاری اپنے کمروں میں موجود تھے۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر قاسم کہاں گیا۔

اُس نے اس کی اطلاع فریدی کو دی۔

"کیا وہ اس سے پہلے بھی ٹیکم گڈھ آچکا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کبھی نہیں۔" حمید نے جواب دیا۔

"عجیب احمق آدمی ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کہیں وہ سیتل گھاٹی کی طرف نہ چلا گیا ہو۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ فرزانہ کو ہوش آگیا ہے اور وہ اب بالکل ٹھیک ہے۔ اُسے قطعی نہیں یاد کہ اُس پر دورہ بھی پڑا تھا۔ وہ یہی سمجھ رہی ہے کہ ابھی سو کر اٹھی ہے۔"

"کوئی ذہنی مرض۔"

"پتہ نہیں.... چلو جلدی کرو۔ کہیں وہ تمہارا اڈیوٹ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے ویسے یہاں کوئی بہت خطرناک کھیل کھیلا جارہا ہے۔"

قاسم کی چیخ

حمید اور فریدی سیتل گھاٹی کے لئے روانہ ہو گئے۔ راستوں کی برف پگھل گئی تھی البتہ کہیں کہیں گڑھوں اور چٹانوں کی دراڑوں میں اب بھی نظر آرہی تھی۔

راستہ صاف ہونے کی وجہ سے وہ خاصی تیز رفتاری سے چل رہے تھے۔ اُن کے خیال کے مطابق قاسم اگر سیتل گھاٹی کی ہی طرف گیا تھا تو انہیں توقع تھی کہ وہ اسے کہیں نہ کہیں راستے ہی میں پالیں گے۔

"تو پھر آپ نے عورتوں کے متعلق کیا سوچا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میجر نصرت کو فون تو کیا تھا۔ لیکن وہ تھا ہی نہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

"یہ بھوتوں والا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر اُن شکاریوں کے بیان کے مطابق وہ اُن کی مخالف پارٹی ہی کا کوئی شعبدہ ہے تو پھر وہ اسی سیزن میں کیوں نظر آیا۔"

"ہو سکتا ہے کہ پچھلے سیزن میں انہوں نے کوئی اور حرکت کی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن ہوٹل کی لڑکی کے اغواء کو کس خانے میں فٹ کیا جائے۔"

"یہی دیکھنا ہے۔"

"دوسری بات یہ کہ آپ فرزانہ والے معاملے میں مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ میں اس دورے کو مرض نہیں سمجھتا۔"

"آخر کیوں؟"

"اس کی بھی وجہ ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس قسم کے دورے فی نفسہٖ مرض نہیں ہوتے بلکہ کوئی مرض رفتہ رفتہ بڑھ کر دورے کی وجہ بنتا ہے۔ لیکن یہاں معاملہ قطعی مختلف ہے۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اعصابی نظام میں اچانک کوئی خلل واقع ہوا ہے اور پھر وہ ہوش آنے پر قطعی صحیح الدماغ ثابت ہوئی ہے۔ اب سنو! یہ اچانک قسم کے خلل دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو خود اعصابی نظام ہی کے کسی رد عمل کی بناء پر واقع ہوتا ہے مثلاً کسی صدمے کی وجہ سے اعصابی نظام میں اچانک کوئی تبدیلی پیدا ہو کر خلل بن جائے دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی دوا یا زہر اس کا باعث ہو۔ پہلی صورت عموماً مستقل ہوتی ہے یعنی وہ خلل مستقل طور پر قائم رہ سکتا ہے۔ لیکن دوسری صورت میں خلل دیرپا نہیں ہوتا مثال کے طور پر شراب کے استعمال کو لے لو۔ جب تک شراب کا اثر اعصاب پر رہتا ہے آدمی حواس میں نہیں رہتا لیکن اثر زائل ہوتے ہی اس کی ذہنی حالت اعتدال پر آجاتی ہے۔ فرزانہ کا دوبارہ ہوش میں آجانا ثابت کرتا ہے کہ اُس نے کوئی ایسی چیز استعمال کی تھی جس نے تھوڑی دیر کے لئے اس کا دماغ الٹ دیا۔"

"استعمال کی تھی۔" حمید چونک کر بولا۔ "یعنی.... آپ کا مطلب ہے...."

"میرا مطلب صرف اتنا ہے کہ وہ کوئی دماغ الٹ دینے والی چیز تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے

نادانستگی میں اُسے استعمال کیا ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی کی بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ لیکن مقصد سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ فرزانہ بچہ تو تھی نہیں کہ سوچے سمجھے بغیر ایسی کوئی چیز استعمال کر بیٹھتی۔

وہ دونوں خاموشی سے راستہ طے کر رہے تھے۔

سینل گھاٹی سنسان پڑی تھی، چونکہ پچھلی رات کو مزید برف باری نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے صرف نشیب ہی کی زمین میں تھوڑی بہت برف نظر آ رہی تھی یا پھر چٹانوں کے رخنے برف سے پُر تھے۔ وہ دونوں چٹانوں کا سلسلہ پار کر کے دوسری طرف پہنچے اور پھر انہوں نے قاسم کی آواز سنی، جو عربی میں کچھ پڑھ رہا تھا۔

اس کی پشت ان کی طرف تھی اور وہ ایک چٹان پر پیر لٹکائے بیٹھا تھا۔ فریدی ہنس پڑا۔ لیکن قاسم اتنا محو تھا کہ شاید اس نے اس کی آواز نہیں سنی۔

"یہ کیا پڑھ رہا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"درود تاج۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بھوتوں کو بھگانے کے لئے۔"

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اُس کے پیچھے پہنچ گئے۔ قاسم کو خبر تک نہ ہوئی۔ شاید اس نے آنکھیں بھی بند کر رکھی تھیں اور جھوم جھوم کر درود تاج پڑھ رہا تھا۔

حمید نے اس کے کاندھے پر ہاتھ مارا.... اور پھر.... دفعتاً قاسم درود تاج بھول گیا اور اس کے منہ سے خوف زدہ سی آوازیں نکلنے لگیں۔ سر شانوں میں گھسا جا رہا تھا۔ اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ کی۔

فریدی اور حمید ہنس پڑے۔

"ارے....!" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس نے بھی احمقوں کی طرح ہنسنا شروع کر دیا۔

"یہ کیا ہو رہا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہو گیا۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "میں نے یہ سر زمین بھوتوں سے صاف کر دی۔"

"خوف....!" فریدی مسکرا کر بولا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"حمید بھائی! ان کا کیا حال ہے۔" قاسم نے سر جھکا کر شرماتے ہوئے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے۔ اب وہ تمہیں سالار اعظم بنانے کی بجائے متبنّی کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔"

قاسم کچھ نہ بولا۔

"حمید....!" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔ "وہ دراڑ کیا ہو گئی جہاں وہ پچھلی رات کو غائب ہوا تھا۔"

"اوہ.... واقعی.... ادھر ہی تو تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے.... اور گول چٹان.... لیکن دراڑ کیا ہو گئی۔"

"میں نے سب کچھ غائب کر دیا۔" قاسم نے قہقہہ لگایا۔ "مجھے سفلی عمل بھی آتے ہیں۔ لیکن میں نے صرف علوی سے کام لیا ہے۔ میں نے ان بھوتوں کو جلا دیا۔"

"آؤ ذرا دیکھیں تو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"ذرا آسمان کی طرف بھی دیکھتے رہئے گا۔ میرا خیال ہے کہ برف باری ضرور ہو گی۔"

"اوہ چلو!" فریدی نے کہا۔ "میں یہاں کے بہتیرے اچھے قسم کے غاروں سے واقف ہوں۔ جہاں ہم پناہ لے سکیں گے۔ کرنل ڈکسن[1] والے کیس نے مجھے ٹیکم گڈھ کے چپے چپے سے واقف کرا دیا تھا۔"

"سب بے کار ہے۔" قاسم نے بڑی خود اعتمادی سے کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو۔ چلو آگے بڑھو۔" فریدی نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

کافی دیر تک چھان بین کرتے رہنے کے باوجود بھی اس دراڑ کا پتہ نہ چلا جہاں وہ پہلا بھوت غائب ہوا تھا۔ پھر وہ اس چٹان پر آئے جہاں پر انہوں نے دوسرا بھوت دیکھا تھا لیکن یہاں بھی انہیں کوئی بات نہ معلوم ہو سکی۔

"حمید صاحب! اب میں بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمیں ہوٹل میں روکے رکھنے کے لئے فرزانہ پر کوئی دوا آزمائی گئی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟"

"میں نے غسل خانے میں انجکشن لگانے کی ایک باریک سی سوئی پائی تھی۔"

"تو کیا.... انجکشن....!"

"میرا خیال یہی ہے۔ ورنہ غسل خانے میں انجکشن کی سوئی کا کیا کام اور پھر اگر وہ کچھ دن

[1] کرنل ڈکسن کے لئے "نیلی روشنی" جلد نمبر 6 ملاحظہ فرمائیے۔

پہلے کی ہوتی تو پیروں کے نیچے دب دب کر اُس کی رنگت بگڑ گئی ہوتی۔"

"کیا فرزانہ نے ہوش میں آنے کے بعد انجکشن کا تذکرہ کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میں اتنی دیر تک ٹھہرا ہی نہیں کہ اسے معلوم کرتا۔"

"فریدی صاحب۔" قاسم بڑے سعادت مندانہ لہجے میں بولا۔ "یقین کیجئے کہ میں نے سب ٹھیک کر دیا ہے۔ اگر پھر کوئی گڑبڑ ہوئی تو آپ پر ایک جلالی عمل کروں گا۔"

"اچھا.... اچھا....!" فریدی ہنس کر بولا۔

حمید نے آسمان کی طرف دیکھا اور اس کے دیوتا کوچ کر گئے۔ پورا آسمان بادلوں سے ڈھک گیا تھا۔

"اب نکل ہی چلئے تو بہتر ہے۔" اس نے کہا۔ "برف باری ہونے ہی والی ہے۔"

فریدی جواب بھی نہ دینے پایا تھا کہ فضا میں باریک باریک سفید ذرات اڑنے لگے۔

"اُوہ.... یہ تو آ ہی گئی۔" فریدی بڑبڑایا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

وہ تیزی سے ایک طرف چلنے لگے۔ فریدی ان کے آگے تھا۔

"قاسم سنبھل کر۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھیک ہے.... چلتے رہئے۔"

وہ دو چٹانوں کی ایک درمیانی دراڑ میں گھسے۔ برف تیزی سے گرنے لگی تھی اور خلاء میں سفیدی کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

"چلو اندر چلو۔" فریدی نے ایک غار کے دہانے کی طرف اشارہ کیا۔

لیکن پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا۔ اس کی وجہ حمید کی بھی سمجھ میں آ گئی تھی۔ غار کے دہانے سے کچھ ایسی خوشبو آ رہی تھی جیسے اندر گوشت بھونا جا رہا ہو۔

حالانکہ دراڑ کا دہانہ اوپر سے تنگ تھا۔ لیکن پھر بھی برف کے ذرات اُن پر گر رہے تھے۔

"کوئی اندر ہے؟" حمید نے سرگوشی کی۔

"چلو! ممکن ہے شکاریوں میں سے کوئی ہو۔" فریدی نے کہا اور غار کے دہانے میں اتر گیا۔ قاسم اور حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

اندر دھندلی سی روشنی تھی۔ ایک جگہ آگ جل رہی تھی۔ جس کے قریب دو آدمی

بیٹھے کوئی پرندہ بھون رہے تھے۔ ان کے غار میں داخل ہونے پر ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ ان کے لئے کوئی غیر متوقع بات نہ رہی ہو۔ ان میں سے ایک نے انہیں مخاطب کر کے کچھ کہا لیکن جواب نہ پا کر اس نے انہیں غور سے دیکھا اور پھر اچانک اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے اسپرنگ پر بیٹھا رہا ہو۔ اس کا ساتھی بھی کھڑا ہو گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے کہا۔ "برف باری کی وجہ سے ہمیں یہاں پناہ لینی پڑی۔"

ان لوگوں کے چہروں پر روشنی صاف نہیں پڑ رہی تھی اس لئے وہ انہیں گھورتا ہوا ان کے قریب آ گیا۔ فریدی اور حمید پر سے نظریں ہٹا کر اُس نے قاسم کو نیچے سے اوپر تک دیکھا۔

پھر اس نے اپنے ساتھی کو مخاطب کر کے کہا۔ "تم تو کہتے تھے کہ وہ صرف تین ہیں۔ اس کا ساتھی بھی آگ کے پاس سے ہٹ کر اُن کے قریب آ گیا۔"

"لیکن یہ لوگ....!" دوسرا کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہم لوگ یہاں اجنبی ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "اس کی نظریں ایک آدمی پر جمی ہوئی تھیں جو کافی قوی الجثہ اور لاپرواہ نظر آ رہا تھا۔ پھر اس کی نظریں ان دو رائفلوں پر پڑیں جو ایک پتھر سے ٹکی ہوئی تھیں۔"

"شکاری....؟" پہلے نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" فریدی بولا۔

"کس ٹولی سے تعلق ہے۔"

"ہم پیشہ ور شکاری نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "تفریحاً چلے آئے ہیں۔"

"اوہ! قیام کہاں ہے؟"

"فزارو میں....!"

پہلے نے دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا اس کے بعد وہ پھر قاسم کو گھورنے لگا۔

"کیا.... آپ لوگ وہی تو نہیں جنہوں نے پچھلی رات ان خبیثوں پر گولیاں چلائی تھیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے اپنے چہرے پر استعجاب پیدا کر کے کہا۔

"کل رات آپ لوگ یہاں آئے تھے۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں تو۔"

"آپ کو کس نے بتایا کہ شکار یہاں ملے گا۔"

"اوہ.... " فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا "کل فزارو میں تین شکاریوں سے ملاقات ہوئی تھی، انہوں نے ہمیں بتایا کہ شکار صرف سیتل گھاٹی میں ملتا ہے۔"

"تین شکاری۔" پہلا دانت پیس کر بڑبڑایا۔

"کیوں؟ کیا انہوں نے ہمیں غلط مشورہ دیا تھا۔" فریدی نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

"اوہ.... نہیں تو.... یہاں واقعی بہت شکار ہے۔"

"تب تو بہت اچھا ہے۔" فریدی ایک پتھر کے ٹکڑے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ پھر اس نے حمید اور قاسم کو بھی بیٹھنے کو کہا۔

دونوں اجنبی بھی بڑے بے تعلقانہ انداز میں آگ کے قریب جا بیٹھے۔

"اگر سردی زیادہ لگ رہی ہو تو یہاں آجائیے۔" ان میں سے ایک نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"جی شکریہ! ہم بالکل ٹھیک ہیں۔" فریدی بولا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ شائد وہ دونوں گرومی کی پارٹی کے آدمی ہیں۔ وہ تجسس آمیز نظروں سے غار کا جائزہ لیتا رہا۔

"آپ لوگوں کا شکار کیسا رہا۔" دفعتاً فریدی نے پوچھا۔

"یہ سیزن ابھی تک بڑا خراب رہا ہے۔" ان میں سے ایک بولا۔ "شائد برف تیزی سے گر رہی ہے۔ دیکھنا چاہئے ورنہ ممکن ہے کہ غار کا دہانہ ہی بند ہو جائے۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"ٹھہریئے! ہم دیکھتے ہیں۔" ایک نے کہا اور اسی کے ساتھ دوسرا بھی اٹھ گیا۔

"ہم بھی چلتے ہیں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"ان کے اٹھتے اٹھتے ہی وہ دونوں غار کے دہانے سے نکل گئے لیکن حمید نے محسوس کیا کہ وہ غار کے دہانے کے قریب گری ہوئی برف کو دوسری طرف سرکانے کی بجائے دراڑ کے دہانے کی طرف کھسکا رہے تھے۔ وہ دوبارہ غار کے دہانے کی طرف لوٹے اور بہت سی برف اپنے بیلچوں کے ذریعے گھسیٹ لے گئے۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور وہ تینوں مطمئن ہو کر اندر بیٹھے رہے۔ پھر بیلچوں کی رگڑ سے پیدا ہونے والی آواز جاری تھی۔

فریدی وغیرہ نے اٹھ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ بس بیلچے چلنے کی آوازیں سنتے رہے اور پھر شکار کی باتیں چھڑ گئیں۔ دفعتاً فریدی تھوڑی دیر بعد چونکا۔

"اوہ.... ہمیں بھی ان کی مدد کرنی چاہئے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

دہانے کے باہر چٹانوں پر بیلچے چلتے معلوم ہو رہے تھے۔ وہ باہر نکل آئے اور قاسم بے ساختہ ہنس پڑا۔ ہنسی حمید کو بھی آئی۔ لیکن بیساختہ قسم کی نہیں تھی۔ فریدی نے البتہ بہت بُرا منہ بنایا تھا۔

کچھ دور پر ان کے سامنے ہی ایک خارش زدہ لومڑی پڑی تھی اور ایک بیلچہ اس کے پیروں سے بندھا ہوا تھا۔ وہ آزاد ہونے کے لئے اپنے جسم کو جنبش دے رہی تھی اور بیلچہ ایک پتھر سے رگڑ کھا کر آوازیں پیدا کر رہا تھا۔

"دیکھا تم نے۔" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔ "کم بخت اس طرح ہمیں دھوکا دے کر نکل گئے۔"

"مگر جائیں گے کہاں؟" حمید بولا۔ "برف کتنی گہری گر رہی ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا۔"

فریدی دوڑتا ہوا دراڑ کے دہانے تک گیا اور چند لمحے رک کر پھر پلٹ آیا۔

"کسی طرف نکل گئے۔" خیر قاسم تم یہیں ٹھہرو۔ ہوشیار رہنا اور حمید تم میرے ساتھ آؤ۔"

قاسم کو دراڑ کے دہانے پر چھوڑ کر فریدی اور حمید دوبارہ غار میں داخل ہوئے۔

"اپنا سارا سامان بھی چھوڑ گئے۔" فریدی نے ان کی رائفلوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اور پھر اچانک ایک دوسری چیز نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔ یہ کسی عورت کا شب خوابی کا لبادہ تھا۔ اس نے لپک کر اُسے اٹھا لیا اور پھر اسے اس پر کئی جگہ خون کے دھبے بھی دکھائی دیئے۔

دفعتاً قاسم کی خوفناک چیخ سے پوری دراڑ گونج اٹھی۔

آنکھ کھلی تو

حمید اچھل کر باہر بھاگا۔ قاسم دراڑ کے دہانے کے قریب زمین پر اکڑوں بیٹھا گھٹنوں میں منہ دیئے ہوئے درود تاج پڑھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"ہپ.... حمید.... بھائی.... بھھ....!"

"کھڑے ہو جاؤ۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

قاسم نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کمر دبائی اور بوڑھوں کی طرح کراہ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"کوئی کسر رہ گئی۔ اب میں سفلی عمل کروں گا۔" قاسم بولا۔

"کیا بک رہے ہو۔"

"اللہ قسم ابھی ابھی ادھر سے گزرا ہے۔" قاسم نے دراڑ کے دہانے کی طرف اشارہ کر کے ک

"کون....؟"

"وہی رات والا بھوت۔"

فریدی دراڑ کے باہر دیکھنے لگا لیکن برف باری کی زیادتی کی وجہ سے دراڑ کے دہانے پر سفید رنگ ایک پردہ سا لہلتا نظر آ رہا تھا اور اس پار کی کسی چیز کی دھندلی سی جھلک بھی نہیں دکھائی دیتی تھی۔

"کہاں دیکھا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہاں.... بالکل دراڑ سے لگ کر نکلا تھا۔" قاسم نے کہا۔

"تمہیں دھوکا ہوا ہو گا۔"

"دھوکا.... نہیں اللہ قسم۔"

"تو اس بُری طرح چیخنے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید نے کہا۔

"حمید بھائی.... بھوت تھا۔"

"ختم کرو بے کار باتیں۔" فریدی نے کہا۔ "حمید تم اس سرے پر ٹھہرو اور قاسم تم اپنی جگ رہو گے۔"

"اور آپ....!" قاسم بولا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور پھر غار میں اتر گیا۔ حمید اور قاسم دراڑ کے دو دہانوں میں کھڑے رہے۔

برف باری تھمنے کے آثار نہیں تھے۔ کبھی فضا میں چھائی ہوئی سفید دھندلاہٹ ہلکی ہو اور کبھی گہری۔ دراڑ کے دہانے پر برف کے دو دو فٹ اونچے ڈھیر ہو گئے تھے اور ان کی اونچائی

اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔

"یار اس بلیچے کو لومڑی کے پنجے سے رہائی دلوانی چاہئے۔" حمید نے قاسم کو مخاطب کیا۔

"کیوں.... پڑا رہنے دو۔" قاسم بڑبڑایا۔

حمید کچھ کہنے والا تھا کہ فریدی غار سے باہر آ گیا۔ اس کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار تھے۔

حمید اُسے چند لمحے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"کیا بات ہے؟"

"ان برخوردار کی بدولت۔" فریدی قاسم کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔" قاسم گڑبڑا کر بولا۔

"کچھ نہیں تم یہیں ٹھہرو اور اپنے وظیفے بلند آواز میں پڑھتے رہنا۔" فریدی نے کہا۔ پھر اس نے حمید کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

غار میں پہنچ کر اس نے اس پتھر کی طرف اشارہ کیا جس پر حمید نے غائب ہو جانے والوں کی رائفلیں دیکھی تھیں۔ اب رائفلیں وہاں نہیں تھیں۔

"ہم بمشکل تمام دو یا تین منٹ دراڑ میں ٹھہرے ہوں گے۔" فریدی نے کہا "اور اتنی ہی دیر میں نہ صرف رائفلیں بلکہ وہ شب خوابی کا لبادہ بھی غائب ہو گیا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ دراصل اس وقت اس کا ذہن کام ہی نہیں کر رہا تھا۔ انتہائی گرم کپڑوں اور قیمتی پوستین کے باوجود بھی سردی کے مارے اس کا بُرا حال تھا۔ اس پر اس اطلاع کا کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ اس کے ذہن میں غار کی نیم تاریک فضا اور الاؤ میں جلنے والے پرندے کی چرائندھ کا ایک نیم خوابیدہ سا احساس موجود تھا اور بس۔

"کیا تم بھی بھوتوں کے متعلق سوچنے لگے۔" فریدی اسے خاموش دیکھ کر بولا۔

"اوں.... ہاں.... میں کچھ نہیں سوچ رہا ہوں۔"

فریدی کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے جھک کر الاؤ سے ایک جلتی ہوئی لکڑی اٹھائی اور آہستہ سے بولا۔ "مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ غار کے دوسرے دہانے کا مجھے خیال نہیں رہ گیا تھا۔ اب سے ڈیڑھ سال قبل میں نے اپنی تین راتیں اسی غار میں گزاری تھیں۔"

وہ جلتی لکڑی اٹھائے کشادہ غار میں ایک طرف بڑھ رہا تھا۔ حمید کا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ

لیکن وہ مجبوراً ساتھ دیتا رہا۔ آگے چل کر ایک تنگ سا موڑ تھا اور پھر اس کے آگے راستہ
تھا۔ حمید جھنجھلا کر اٹھا۔ بھلا وہ دوسرا دہانہ کہاں ہے۔

فریدی اس کی طرف مڑا۔

"ضروری نہیں کہ آپ کی یادداشت ہمیشہ اچھی ثابت ہوتی رہے۔" حمید نے جلے بھنے
میں کہا۔

"کیوں.... کیا ہوا؟"

"سنئے! میرا موڈ بہت خراب ہے۔" حمید بھنا کر بولا۔ "مجھے اس پر مجبور نہ کیجئے کہ میں
ہو کر گرتی ہوئی برف میں ناچنے لگوں۔"

"آخر کچھ کہو بھی تو۔"

"کیا وہ دوسرا دہانہ صرف آپ ہی کو دکھائی دے رہا ہے۔" حمید جھنجھلاہٹ میں چیخ پڑا۔

"اوہ.... یہ بات ہے۔ اچھا ادھر آؤ۔"

فریدی غار کے انتہائی سرے سے پیٹھ لگا کر اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

دفعتاً حمید کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔ قاسم نے بھی ابھی وہ بھوت دیکھا تھا تو کیا فرید
بھی کسی بھوت کا سایہ ہو گیا ہے یا اس بھوت ہی نے فریدی کی شکل اختیار کر لی ہے۔

حمید بڑی تیزی سے یہ سب کچھ سوچتا چلا گیا۔ سردی کی شدت سے مضمحل ہوتا ہوا
سب کچھ سوچ سکتا ہے۔ ایسی حالت میں حمید خود پر بھی بھوت سوار ہو جانے کا شبہ کر سکتا ہ
پھٹی پھٹی آنکھوں سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے ذہن کی پراگندگی نے دھندلی ر
میں فریدی کے سر پر سینگ بھی اگا دیئے۔

جلتی ہوئی لکڑی بجھنے لگی تھی۔ حمید کو فریدی کا چہرہ حد درجہ بھیانک نظر آنے لگا اور پھ
وہ چیخ مار کر بھاگا۔

فریدی اس کے چہرے کی بدلتی ہوئی حالت کو بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے
قاسم نے حمید کو اس طرح غار سے نکلتے دیکھا تو اس کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"بھاگو....!" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخا۔

قاسم نے بھی چیخ مار کر دراڑ کے باہر چھلانگ لگا دی اور پھر فریدی نے ان دونوں کو

کے ذرات کی دھند میں غائب ہوتے دیکھا۔

پہلے تو وہ سمجھا تھا کہ حمید پر شائد شرارت کا بھوت سوار ہے لیکن اب اس کی سمجھ میں نہیں
آرہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ برف اتنی تیزی سے گر رہی تھی کہ دس قدم دور کی بھی کوئی چیز نہیں
دکھائی دیتی تھی۔ وہ چند لمحے کھڑا انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے ان دونوں کے نام لے لے کر چیخنا
شروع کر دیا.... مگر جواب ندارد۔

"کیا حماقت ہے۔" وہ دانت پیس کر بڑبڑایا۔ برف باری کی رفتار لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جا رہی
تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دراڑ کا دہانہ تھوڑی ہی دیر بعد برف سے ڈھک جائے گا۔ فریدی
نے کسی نہ کسی طرح خارش زدہ لومڑی کے پیروں سے بیلچہ کھولا اور وہ خوں خوں کرتی ہوئی غار
میں گھس گئی۔

پھر وہ بیلچے کی مدد سے دراڑ کے دہانے پر اکٹھا ہوتی ہوئی برف ہٹانے لگا۔ حمید اور قاسم کا اب
تک کہیں پتہ نہ تھا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ اگر حمید کا وہ فعل محض مذاق تھا تو اسے زیادہ دیر تک
برقرار نہ رہنا چاہئے تھا۔ آخر وہ کیا سمجھ کر اس طرح بھاگا وہ یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حمید
یک بیک اتنا خوفزدہ ہو گیا تھا۔

وہ بیلچے سے برف ہٹاتا رہا.... رہ رہ کر وہ حمید اور قاسم کو آوازیں بھی دیتا جا رہا تھا۔ پھر
اچانک خاموش ہو گیا۔ اس طرح چیختے رہنا بھی حماقت ہی تھی۔ برف ہٹاتے ہٹاتے تھک گیا تو بیلچہ
ایک طرف ڈال کر بیٹھ گیا لیکن اس طرح کہ دراڑ کے دونوں طرف نظریں رہ سکیں۔ وہ مطمئن
نہیں تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ کچھ پُراسرار نامعلوم آدمی اس کے قریب ہی کہیں موجود ہیں اور
کسی وقت بھی اس پر حملہ کر سکتے ہیں۔ غار میں پائے جانے والے اجنبیوں کا اس طرح بھاگنا ان کی
نیت کے فتور کی کھلی ہوئی دلیل تھی۔ لیکن ان کا مقصد کیا تھا۔ اگر وہ گرومی ہی کی پارٹی کے آدمی
تھے تو انہوں نے خود کو مشتبہ بنانے کی کوشش کیوں کی۔ اگر وہ سکون اور اطمینان سے غار ہی میں
بیٹھے رہتے تو فریدی ان کا کیا لیتا اور پھر یہ بات قانوناً جرم بھی نہیں تھی۔ بہرحال ان کے اس
طرح بھاگ جانے پر وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ شب خوابی کا لبادہ اسی لڑکی کا نہ رہا ہو جسے فرار و سے
اٹھایا گیا تھا اور پھر وہ لوگ اپنی جان پر کھیل کر اس لبادے کو وہاں سے اٹھا بھی تو لے گئے تھے۔

پھر ایک خیال اور بھی آیا.... وہ یہ کہ کہیں وہ لوگ اسے پہچانتے نہ ہوں۔ اگر یہ بات تھی تو

وہ خود بھی خطرے میں تھا۔ اس نے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔ حقیقتاً وہ بڑے خطرے میں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ان کی تعداد دو سے زیادہ ہوئی تو جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔ اسے اس وقت بڑی آسانی سے گھیر کر مارا جا سکتا تھا اس کے لئے صرف تین ہی آدمی کافی ہوتے۔ دو تو غار کے دراڑ کے دونوں دہانے سنبھال لیتے اور ایک دوسری طرف سے غار کے دہانے پر آجاتا۔

غار کے دوسرے دہانے کے متعلق حمید کو دراصل غلط فہمی ہوئی تھی اگر وہ فریدی کے بلانے پر اس کے قریب چلا جاتا تو اس دوسرے دہانے کو بہ آسانی دیکھ لیتا۔ وہ دراصل اوپر کی طرف تھا۔ ایک تنگ راستہ جو ایک ڈھلان کی شکل میں دس گیارہ فٹ اوپر کی طرف چلا گیا تھا۔

قصور اس کا نہیں بلکہ اس کے تھکے ہوئے ذہن کا تھا۔ پچھلی رات شائد تین بجے سونا نصیب ہوا تھا اور پھر سردی کی شدت! اونگھتے ہوئے ذہن نے واہمے کو تقویت دی اور وہ فریدی ہی کو بھوت سمجھ بیٹھا۔ پھر اس طرح بے تحاشا بھاگا کہ برف باری کی پرواہ کئے بغیر دراڑ سے نکل گیا۔ اس نے قاسم کو بھی بھاگتے دیکھا تھا۔ لیکن آگے چل کر گرد و پیش کے اڑتے ہوئے سفید ذرات نے اُسے قریب قریب اندھا کر دیا۔ اب نہ وہ اس دراڑ ہی کی طرف جا سکتا تھا اور نہ آگے ہی بڑھ سکتا تھا کیونکہ اب اس کے ذہن کی وہ نیم غنودہ سی کیفیت ختم ہو گئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں سچ مچ کسی گڑھے ہی میں نہ گر پڑے۔ اس نے بوکھلا کر تھوڑی سی جگہ میں چکر کاٹنے شروع کر دیئے۔ اسے کسی آدمی کی پے در پے چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ چیخنے والا کون ہے۔ اگر ایک بار بھی وہ چیخیں اس کے کان پڑ جاتیں تو وہ آواز کی طرف چل پڑتا اور پھر اسی دراڑ تک پہنچ جاتا کیونکہ وہ درحقیقت فریدی تھا جس کی آواز اس کے کانوں تک ہذیانی قسم کی چیخ بن کر پہنچ رہی تھی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت نہ اسے فریدی کا خیال تھا اور نہ قاسم کا.... بس وہ ایک محدود سی جگہ میں چکر لگا رہا تھا۔

اچانک اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے برف کا ایک بہت بڑا ڈھیر اس پر آرہا ہو۔ وہ زمین پر گر پڑا لیکن برف کا وہ ڈھیر جو اس پر مسلط ہو گیا تھا۔ انتہائی قوت صرف کرنے کے باوجود بھی اس پر مسلط ہی رہا۔ یہ عجیب بات تھی کہ نیچے دبا ہوا برف کا بستر بڑا ملائم تھا۔ لیکن اوپر کا ڈھیر جمی ہوئی برف کی طرح سخت تھا۔ پھر اس نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ اوپر کی طرف اٹھ رہا ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ خود اس ڈھیر پر مسلط ہو گیا۔ لیکن اس جدوجہد میں اس کے قویٰ جواب دے چکے تھے

رفتہ رفتہ اس پر غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ اچانک سفیدی پر تاریکی کے غلاف چڑھ گئے۔

پتہ نہیں اُسے کس وقت ہوش آیا۔ چاروں طرف تاریکی تھی۔ ایسا گھنا اندھیرا جس میں روشنی کا ہلکا سا دھبہ بھی نہیں تھا۔ ہوش آتے ہی سب سے پہلے اسے اس بات کا احساس ہوا کہ اس کا جسم ہموار زمین پر نہیں ہے۔ اس نے اٹھنا چاہا لیکن جسم کو جنبش نہ دے سکا۔ آہستہ آہستہ اس کا ذہن صاف ہوتا جا رہا تھا۔

چند لمحوں کے بعد اس نے کسی آدمی کی آواز سنی جو شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھنا رہا تھا۔ آواز قریب ہی سے آرہی تھی۔ حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ لیکن بے سود.... آواز لحظہ بہ لحظہ بلند ہوتی جا رہی تھی اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ آواز کسی پھوٹ پھوٹ کر رونے والے کی آواز میں تبدیل ہو جائے گی۔

"ہائیں.... قاسم....!" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

"غغ.... غغ.... غوں.... غمید بھائی۔"

"میں اس وقت سفلی کر رہا ہوں۔ بھوت نے مجھے بوتل میں بند کر دیا ہے۔" قاسم نے کہا اور بلند آواز میں بڑبڑانے لگا۔ "لونگ لوٹا.... جھونگ جھوٹا.... ہلدی کی گانٹھ.... کٹاری کی آنکھ.... اتار بندھوں کٹار باندھوں.... باندھو چپکل چشک بھیروں.... بھیروں.... بھیروں۔"

"چپ رہو۔" حمید نے اسے ڈانٹا۔

"ارے ارے.... گڑبڑ نہ کرو۔" قاسم نے ہانک لگائی۔

"بکواس بند کرو۔ فریدی صاحب کہاں ہیں۔"

"پتہ نہیں.... لونگ لوٹا.... جھونگ جھوٹا.... ہلدی کی.... گگ.... گانٹھ....!"

قاسم بڑبڑا رہا تھا اور حمید اپنی پوستین کے نیچے ریوالور کا ہولسٹر تلاش کرنے لگا۔ لیکن وہ کارتوس کی پیٹی سمیت غائب تھا۔ رائفل کے متعلق تو خیر اس نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اس کے پاس نہیں ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ چلتے وقت اس نے گھڑی بھی نہیں لگائی تھی کہ اس کے اندھیرے میں چمکنے والے ہندسوں سے وقت ہی کا اندازہ لگا سکتا۔

دفعتاً اسے سگار لائٹر یاد آیا۔ لیکن اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اسے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں اُسے بھی نہ نکال لیا گیا ہو۔ اس اندھیرے میں وہ امید کی آخری کرن تھی۔ آخر جی کڑا

کر کے اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ سگار لائٹر موجود تھا۔

جیسے ہی اس نے سگار لائٹر جلایا قاسم کے منہ سے خوفزدہ سی آوازیں نکلنے لگیں۔ لیکن وہ کہاں؟ حمید آنکھیں پھاڑے چاروں طرف گھورتا رہا۔ لیکن قاسم کہیں نہ دکھائی دیا۔ البتہ اس آواز وہ صاف سن رہا تھا۔

شائد اب قاسم نے سفلی اور علوی دونوں قسم کے عمل ایک ساتھ شروع کر دیئے تھے۔

یہ ایک کافی کشادہ غار تھا لیکن چاروں طرف سے بند۔ کہیں بھی کوئی رخنہ نظر نہیں آ تھا۔ حمید کا دم گھٹنے لگا۔

"ارے! ہو ہو ہو۔" قاسم کی آواز غار میں گونج رہی تھی۔

دشمن شکاری

برف باری ختم ہو جانے کے بعد فریدی، قاسم اور حمید کو بڑی دیر تک تلاش کرتا رہا لیکن نہ ملے۔ تشویش لحظہ بہ لحظہ بڑھتی ہی جارہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ دونوں کسی گڑھے میں گر کر برف میں دفن نہ ہو گئے ہوں۔

وہ کب تک انہیں تلاش کرتا.... آخر تھک ہار کر فزارو کی طرف لوٹنا پڑتا۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا ممکن ہے وہ دونوں فزارو ہی پہنچ گئے ہوں لیکن یہ خیال محض ایک دل بہلانے والا خیال رہا۔ اسی خیال کے ساتھ اُسے یہ بھی سوچنا پڑتا تھا کہ اگر حمید فزارو پہنچ گیا ہوتا تو کچھ آدمیوں اپنے ساتھ لے کر اُس کی تلاش میں واپسی ضرور آتا۔

بہرحال فزارو پہنچ کر فریدی کو یقین آگیا کہ وہ دونوں یقیناً برف ہی میں کہیں دب کر رہ گئے ہیں۔ اُس نے میجر نصرت کو فون کیا وہ آفس ہی میں موجود تھا۔ فریدی فون پر اُسے وضاحت کے ساتھ کچھ نہ بتا سکا۔ ویسے اُس نے اُس سے جلد سے جلد فزارو پہنچ جانے کی استدعا کی تھی۔

فریدی نے اپنے پچھلی رات کے کارناموں کے متعلق نواب رشید الزماں وغیرہ کو کچھ نہ بتایا تھا لیکن اب بتانا ہی پڑا۔ حمید اور قاسم کا انجام سن کر وہ سب سناٹے میں آگئے۔ شہناز کے چہرے سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دے گی۔

"میاں تم نے بڑی غلطی کی۔" نواب رشید الزماں بولے۔ "آخر ایسی صورت میں وہاں جانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ بھوت نہیں تھے۔" فریدی نے کہا۔

"چلو یہی سہی لیکن ہم سے بھی تو تذکرہ کرنا چاہئے تھا۔"

غزالہ نے بھی کچھ کہنا چاہا لیکن پھر رک گئی۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔" فریدی بولا۔

"چلو انہیں تلاش کریں۔" کرنل شمشاد نے کہا۔

"میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔" اُس کی لڑکی فرزانہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"مجھے میجر نصرت کا انتظار ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "میرا ذہن اس وقت کام نہیں کر رہا ہے پتہ نہیں حمید کو کیا ہو گیا تھا اور وہ اس طرح کیوں بھاگا تھا۔"

"فریدی صاحب۔" کرنل شمشاد نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "آپ لوگ یقیناً کسی شیطانی چکر میں پڑ گئے ہیں۔ آپ کا جوانی کا خون ہے اور ابھی آپ پہاڑ سے بھی ٹکرا سکتے ہیں۔ میں بھی آپ ہی کی طرح بدارواح کا قائل نہیں تھا۔ لیکن 1944ء میں لیبیا کے محاذ پر مجھے قائل ہی ہو جانا پڑا۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ وہ بہت زیادہ بے چین نظر آرہا تھا اس کے لئے یہ خیال انتہائی تکلیف دہ تھا کہ وہ اب حمید کو کبھی نہ دیکھ سکے گا۔ لیکن پھر بھی رہ رہ کر دروازے کی طرف اس انداز سے دیکھ لیتا تھا، جیسے اُسے توقع ہو کہ ابھی حمید اپنے مخصوص لہجے میں کوئی نیا شوشہ چھوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہو گا وہ تھوڑے دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"اب آپ لوگ براہ کرم یہاں سے کہیں اور چلنے کی تیاری کیجئے۔" فریدی نے کہا۔

"کہاں چلیں۔" نواب رشید الزماں نے پوچھا۔

"میجر نصرت کہیں نہ کہیں انتظام کریں گے۔" فریدی نے کہا اور پھر یک بیک اس طرح چونک پڑا جیسے کوئی بات یاد آگئی ہو۔ اُس کی نظریں فرزانہ کے چہرے پر جم گئیں اور فرزانہ آنکھیں چرانے لگی۔

"آپ صبح غسل خانے گئی تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں؟ جی ہاں....!"

"وہاں اندھیرا رہا ہوگا۔"

"تھا تو.... لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"پانچ بجے سے سات بجے تک آپ کہاں تھیں۔"

"شائد غسل خانے سے واپس آکر میں پھر سوگئی تھی۔"

"یہ آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ آپ غسلخانے گئی تھیں۔"

"جی ہاں۔"

"اس سلسلے میں کوئی خاص بات بھی آپ کو یاد ہے۔"

"خاص بات۔" فرزانہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر دفعتاً اُس نے اپنے دائیں بازو کو ہاتھ سے دبا کر سامنہ بنایا۔

"کوئی تکلیف....!" فریدی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں کس چیز نے کاٹ لیا ہے۔" فرزانہ نے آستین سمیٹ لی۔

بازو پر ایک اُبھرا ہوا چھوٹا سا نشان تھا۔ فرزانہ نے اُسے ہولے سے دبایا اور "سی" کرنے لگی۔

فریدی نے اٹھ کر اُسے دیکھا اور پھر اپنی کرسی پر آبیٹھا۔

"انجکشن کا نشان۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا؟" کرنل شمشاد نے چونک کر کہا۔

"انجکشن کا نشان۔" فریدی نے دوہرایا۔ پھر کرنل کو مخاطب کر کے پوچھا۔ "ڈاکٹر نے انجکشن دیا تھا۔"

"پنڈلی میں۔"

"آپ کو اچھی طرح یاد ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

اب فرزانہ اپنی پنڈلیاں بھی ٹٹولنے لگی تھی۔

"جی ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"تو پھر ان کی وہ کیفیت اسی انجکشن کا نتیجہ تھی، جو بازو پر لگایا گیا ہے۔"

"لیکن کس نے لگایا۔"

"یہ تو محترمہ فرزانہ ہی بتا سکیں گی۔" فریدی نے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" فرزانہ بولی۔

"تب یہ انجکشن غسل خانے ہی میں دیا گیا تھا۔"

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" نواب رشید الزماں بڑبڑائے۔

"کسی کو ہماری آمد گراں گذری ہے۔" فریدی بولا۔

"کسے....!" زاہد کریم چونک کر بولا۔

"یہ میں نہیں جانتا۔" فریدی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ لوگ واپس ہی جایئے۔"

"یہ ناممکن ہے۔" فرزانہ نے کہا۔ "جب تک حمید صاحب وغیرہ نہیں مل جاتے سب یہیں قیام کریں گے۔"

"مجھے توقع نہیں کہ وہ دونوں زندہ ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "وہ معمولی برف باری نہیں تھی بلکہ برف کا طوفان تھا.... اچھا....!"

فریدی کھڑا ہوگیا۔ "معاف کیجئے گا۔ میں اس وقت زیادہ گفتگو کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

وہ لوگ خاموشی سے اُس کی شکل دیکھتے رہے کوئی کچھ بولا نہیں۔

فریدی ڈائننگ ہال میں چلا آیا۔ وہ بے چینی سے میجر نصرت کا انتظار کر رہا تھا۔ تین بج گئے تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ رات ہونے سے قبل ایک بار اور سیتل گھاٹی کھنگال ڈالی جائے۔

اس نے ان تینوں شکاریوں کو بھی دیکھا، جو ایک میز پر کافی پی رہے تھے۔

بھاری چہرے والے نے فریدی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے آہستہ سے سر ہلایا۔

"معاف کیجئے گا۔ میں مخل ہوا۔" فریدی نے ان کے قریب پہنچ کر کہا۔ "کیا آپ ہمیں ہمارے ساتھیوں کو ڈھونڈھنے میں مدد دے سکتے ہیں۔"

"آپ کے ساتھیوں کو کیا ہوا۔" بھاری چہرے والے نے حیرت سے کہا۔

"وہ دونوں غائب ہوگئے.... سیتل گھاٹی میں...." فریدی نے کہا اور پچھلی رات سے اب تک کے سارے واقعات دہرا دیئے۔ لیکن اس نے شب خوابی کے اس لبادہ کا تذکرہ نہیں کیا جو اُسے غار میں ملا تھا۔

"وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔" بھاری چہرے والا آہستہ سے بڑبڑایا۔

"یعنی....!"

"کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ وہ دونوں گرومی کے ساتھی تھے۔" شک
نے کہا۔

"لیکن وہ بھوت۔" فریدی بولا۔

"میں نے آج تک نہیں دیکھے۔" شکاری کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "حالانکہ میں نے شکار زیا
رات ہی کو کھیلا ہے۔ البتہ پیروں کے نشانات اکثر دیکھے ہیں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر شکاری ہی بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ کے دوسا
ضائع ہوگئے۔ میرے سینے پر تو ایک دو نہیں اٹھارہ داغ ہیں۔"

"لیکن وہ دونوں آدمی تو ہمیں دیکھ کر بہت زیادہ سہم گئے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... آپ اُن کے بل میں گھس تو گئے تھے۔" شکاری بولا۔ "میں دس سال سے جھک
رہا ہوں لیکن مجھے حسرت ہی رہ گئی کہ ان کی کوئی کمین گاہ مجھے مل سکتی۔"

"برف باری کے اوقات میں آپ لوگ کہاں پناہ لیتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہمیں ایک اچھا سا غار مل گیا ہے۔" بھاری چہرے والے نے کہا اور پھر قاسم اور حمی
موت پر اظہار افسوس کرنے لگا اور اس کے انداز گفتگو سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے اُن کی م
کا سو فیصدی یقین ہو۔

ساڑھے تین بجے کے قریب میجر نصرت آگیا۔ فریدی نے اُسے بھی سارے واقعات بتاد
میجر نصرت متحیرانہ انداز میں سب کچھ سنتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "سیتل گھاٹی
مخدوش جگہ ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے پہلے ہی آپ کو اُسکے متعلق کیوں نہیں بتا دیا تھا۔"

"میں جانتا ہوں۔" فریدی بولا۔ "اور میں نے شکار کا ارادہ تو قطعی ترک کر دیا تھا لیکز
بھوتوں کے مسئلے نے مجھے الجھا لیا۔"

"چھوڑیئے! آپ بھی کہاں کی بات لے بیٹھے۔ یہ بھی شکاریوں ہی کی حرکت ہے۔ غا
کوئی ایسی پارٹی ہے جو دوسری پارٹیوں کو سیتل گھاٹی میں شکار کھیلنے سے باز رکھنا چاہتی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہم نے اُن پر لاتعداد فائر کیئے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "بہر حال رات ہونے سے
قبل ہمیں ایک بار اور وہاں دیکھ لینا چاہئے۔"

پھر ایک گھنٹے کے اندر اندر سیتل گھاٹی میں ٹیکم گڈھ پولیس فورس کے نوجوان پھیل گئے
ایک ایک چپہ چھان مارا گیا۔ شونگلو قوم کے مزدوروں نے برف سے بھرے ہوئے گڑھے کھنگال
ڈالے۔ مگر قاسم اور حمید کا سراغ نہ ملا۔ اس پر میجر نصرت تو کافی اداس ہو گیا تھا لیکن فریدی کے
ذہن کے تاریک گوشوں میں امید کی کرنیں دوبارہ رینگ آئی تھیں۔

رات ہوتے ہوتے وہ سیتل گھاٹی سے لوٹ آئے۔

اب فریدی نے گرومی کے متعلق معلومات بہم پہنچانی شروع کیں۔ میجر نصرت نے بتایا کہ
وہ مشتبہ ضرور ہے لیکن پولیس کے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ میجر نصرت ہی سے
اُسے گرومی کی جائے قیام بھی معلوم ہو گئی۔ اُسکے معمولات کے متعلق بھی کچھ باتیں معلوم ہوئیں۔
فریدی نے یہی چاہا تھا کہ اسی وقت اپنے ساتھیوں کو کسی دوسری جگہ منتقل کردے لیکن میجر
نصرت نے معذوری ظاہر کی اور یہ معاملہ دوسرے دن پر ٹل گیا۔

میجر نصرت کی روانگی کے بعد فریدی اپنے کمرے میں آیا اور پھر جب آدھ گھنٹہ بعد وہ کمرے
سے نکل رہا تھا تو غزالہ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ غزالہ فریدی کے کمرے میں ایک اجنبی کو دیکھ کر ٹھٹک
گئی۔ فریدی کے چہرے پر گھنی ڈاڑھی اور چڑھی ہوئی مونچھیں تھیں۔ وضع قطع سے وہ اب بھی
شکاری ہی معلوم ہو رہا تھا۔ رائفل اُس کے کاندھے پر لٹک رہی تھی۔

"ڈر گئیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ارے آپ.... یہ کیا؟"

"میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔"

"جی آپ نہیں! آپ نہیں جا سکتے۔" غزالہ نے کہا۔ "جو ہوا سو ہوا۔ اب ہم واپس جائیں
گے کل ہی۔"

"صرف آپ لوگ۔" فریدی نے کہا۔ "جب تک اُن کی لاشیں نہ مل جائیں میں انہیں
مردہ سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔"

"تو اس طرح کہاں جا رہے ہیں۔ شکل کیوں تبدیل کی ہے۔"

"تو بتا کر جائیے.... کہاں جا رہے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے۔"

"آخر آپ اتنے ضدی کیوں ہیں۔" غزالہ جھنجھلا گئی۔

"میں خود بھی اکثر یہی سوچتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اچھا آپ کمرہ بند کر دیجئے گا۔"

فریدی تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا دوسری راہداری میں مڑ گیا۔ سامنے سے شہناز آ رہی تھی اور اس نے شاید فریدی کو دیکھ لیا تھا۔ غزالہ کے قریب آ کر اس نے پوچھا۔ "یہ کون تھا۔"

"ایک پاگل تھا.... خبطی تھا.... آدمی نہیں تھا۔" غزالہ پیر پٹخ کر بولی۔ اس بیچاری نے سینکڑوں بار اپنے ہوائی قلعوں میں فریدی کو دلیپ کمار بنا کر دیکھا تھا مگر یہ اپنے گوشت و پوست میں ہمیشہ شیخ مختار ثابت ہوا تھا۔ اس وقت بھی اسے توقع تھی کہ وہ اپنے لہجے میں بے اختیاری اور پیار کا انداز پیدا کر کے اس کی جامد حسیات کو متحرک کر سکے گی۔

"میں نہیں سمجھی۔" شہناز نے کہا۔

"اس کمرے میں کون رہتا ہے۔"

"فریدی صاحب۔" شہناز نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"حمید صاحب نے کوئی شرارت فرمائی ہے۔" غزالہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "خواہ مخواہ سب کو پریشانیوں میں مبتلا کر دیا۔"

شہناز کو غزالہ کا جملہ اتنا گراں نہیں گزرا جتنا کہ لہجہ ناگوار معلوم ہوا۔ اُسے بہر حال حمید سے انسیت تھی اور یہ انسیت نئی نہیں تھی۔ سالہا سال سے وہ دونوں ایک دوسرے سے بے تکلف تھے لیکن چونکہ دونوں تعلیم یافتہ اور سمجھدار تھے اس لئے انہیں عشق کا روگ نہیں لگا تھا۔

شہناز صرف ہونٹ چبا کر رہ گئی۔ وہ غزالہ کی جھلاہٹ کی وجہ بھی جانتی تھی اگر کوئی اور موقعہ ہوتا تو وہ اس پر طنز کئے بغیر نہ مانتی لیکن آج وہ خود بہت زیادہ پریشان تھی۔

غزالہ نے فریدی کا کمرہ مقفل کیا اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

فریدی نے ڈائننگ ہال سے گذرتے وقت محسوس کیا کہ منیجر اُسے تحیر آمیز انداز میں گھور رہا ہے اور اب حقیقتاً اُسے اپنی جلد بازی پر افسوس ہونے لگا۔ ظاہر ہے کہ ہوٹل میں واردات ہونے کے بعد سے منیجر ہر ایک پر کڑی نظریں رکھنے لگا تھا۔ ہوٹل کے کمروں سے کسی ایسے

آدمی کا برآمد ہونا جسے اُس نے داخل ہوتے نہ دیکھا ہو یقیناً ایک حیرت انگیز بات تھی۔

فریدی نے ہوٹل سے نکل کر شہر کی راہ لی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ منیجر اُس کے متعلق ہر ایک سے پوچھتا پھر رہا ہوگا۔ وہ دراصل اس وقت گرومی کی تلاش میں نکلا تھا۔ میجر نصرت سے اس کا حلیہ بھی اُسے معلوم ہو گیا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ گرومی اس وقت شہر کے ایک ایسے ہوٹل میں ملے گا جس میں بار بھی ہے وہ اب یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اُسے وہاں شکاریوں کی وضع میں نہ جانا چاہئے۔ راستے برف سے ڈھکے ہوئے تھے کہیں کہیں تو گھٹنوں تک پیر برف میں دھنس جاتے تھے۔

سردی شباب پر تھی۔ اون کے استر والے لانگ بوٹ ٹھنڈے لوہے کی طرح پنڈلیوں سے چپکے معلوم ہو رہے تھے۔ مگر فریدی کے ذہن میں صرف ایک بات تھی۔ حمید کی بازیابی.... اُسے موسم کی اذیت کا احساس نہیں تھا۔

اس نے شہر پہنچ کر رائفل میجر نصرت کے یہاں رکھوا دی۔ میجر نصرت گھر پر موجود تھا۔ وہ کافی دیر تک آنکھیں پھاڑے فریدی کو گھورتا رہا تھا اور پھر جب خود فریدی ہی نے اپنا تعارف کرایا تو وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ فریدی کو اُس نے ایک نئی اطلاع دی۔ وہ یہ کہ سیتل گھاٹی میں پولیس کا ایک دستہ تعینات کر دیا گیا ہے۔

وہاں سے فریدی اُس ہوٹل میں آیا جہاں پر گرومی سے ملاقات ہو جانے کی توقع تھی اور پھر اُسے گرومی کو پہچان لینے میں دشواری نہ ہوئی۔ گرومی ان آدمیوں میں سے نہیں تھا جو اپنی شخصیت کے اعتبار سے کسی بھیڑ میں صفر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ میجر نصرت نے اس کی خاص نشانی اس کی پیشانی پر پڑی ہوئی ایک ترچھی اور گہری لکیر بتائی تھی، جو بائیں آنکھ کے اوپری حصے سے داہنی کنپٹی تک پھیلی ہوتی تھی۔ یہ غالباً کسی زخم کا نشان تھا۔ عمر ساٹھ سال کے قریب رہی ہوگی لیکن جسم کی بناوٹ کے اعتبار سے وہ اب بھی کافی مضبوط معلوم ہوتا تھا۔ چہرے پر گھنی سپید مونچھیں تھیں۔ جنہوں نے نچلے ہونٹ کو بھی ڈھک لیا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں پتہ نہیں یہ شراب کا عارضی اثر تھا یا صفراوی مزاج رکھنے والوں کی آنکھوں کی طرح وہ رات کو عموماً سرخ ہی رہا کرتی تھیں۔

وہ اس وقت میز پر تنہا تھا اور اس کے سامنے شامپین کی دو خالی بوتلیں پڑی تھیں اور تیسری آدھی ہو چکی تھی۔ اس کی نظریں خلاء میں نہ جانے کس چیز پر جمی ہوئی تھیں اور اس کا بایاں شانہ رد

رہ کر ایک خاص انداز میں جنبش کرنے لگتا تھا اور اسی کے ساتھ ہی اس کی مونچھیں سمٹنے اور ء
لگتی تھیں۔

فریدی قریب ہی ایک میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر کھڑا ہو گیا اور چندھیائی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی دہقان پہلی بار شہر آیا ہو۔

ایک ویٹر لپک کر اُس کے قریب آیا۔

"میں برف ہو گیا ہوں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "مجھے کافی چاہئے.... گرم کھولتی ہوئی"

ویٹر اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا چلا گیا۔ فریدی کو بیٹھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دفعتاً گر نے اس کی طرف دیکھا اور ٹھیک اُسی وقت فریدی کی میز کے قریب سے گزرنے والے کچھ لو میں سے ایک نے اس کی مصنوعی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچ لی۔ فریدی یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ وہ کون تھ پھر پانچ یا چھ آدمیوں کی وہ پارٹی قہقہے لگاتی ہوئی ایک دروازے میں داخل ہو گئی۔ گرومی ہونٹ تحیر آمیز انداز میں ذرا سے کھلے اور پھر بند ہو گئے۔ اُس نے اتنی سختی سے دانت پر د جمائے کہ جبڑوں کے مسلس اُبھر آئے۔

فریدی کے ہونٹوں پر صرف مونچھیں رہ گئی تھیں۔

گرومی اپنی جگہ سے اٹھ کر فریدی کے قریب آیا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر تف آمیز انداز میں آہستہ سے بولا۔ "کیوں دوست.... کون ہو تم۔"

"فرشتہ....!" فریدی بڑے معصومانہ انداز میں مسکرایا۔

"نقلی ڈاڑھی میں۔" گرومی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"وہ ڈاڑھی نہیں گالوں کی پوستین تھی.... آج بڑی ٹھنڈک ہے۔" فریدی اپنی ہتھ ایک دوسری سے رگڑتا ہوا بولا۔

بُرے پھنسے

غار کے بہت تھوڑے حصے میں روشنی تھی۔ سگار لائیٹر کی روشنی ہی کتنی۔

حمید حیران حیران آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر قاسم کہاں تھا۔ آ

قریب ہی کہیں سے آ رہی تھی لیکن حمید کا ذہن کچھ اس طرح چکرایا ہوا تھا کہ وہ کئی منٹ تک آواز کی سمت کا اندازہ نہ لگا سکا۔ اس دوران میں وہ لائیٹر کو جلاتا اور بجھاتا رہا۔

وہ جب بھی لائیٹر جلاتا تا قاسم کی آواز اچانک تیز ہو جاتی۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے لائیٹر کا شعلہ اس کے جسم کے کسی حصے سے جالگا اور تکلیف کی وجہ سے اس کی چیخ نکل جاتی ہو۔

بڑی دیر کے بعد یہ بات حمید کی سمجھ میں آئی کہ آواز نیچے سے آ رہی ہے۔ اس بار جیسے ہی اُس نے لائیٹر جلایا اور قاسم کی چیخ نکلی وہ آواز کی سمت چل پڑا اور پھر اس کی نظر ذرا سا بھی چوک جاتی تو وہ ایک گڑھے میں ہوتا۔ اُس نے لائیٹر نیچے کیا۔ گڑھا کیا تھا اچھا خاصا کنواں تھا لیکن گہرائی پانچ یا چھ فٹ سے زیادہ نہیں تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے خاص طور پر پتھر تراش کر بنایا گیا ہو۔ دہانے کا دائرہ اپنی باقاعدگی کے اعتبار سے کسی پرکار کا رہین منت معلوم ہوتا تھا۔ حمید نے قاسم کو دیکھا جو اُسی گڑھے کی تہہ میں اکڑوں بیٹھا سر گھٹنوں میں دیئے اپنا سفلی عمل دہرا رہا تھا۔ حمید کو ہنسی آ گئی۔

"اولمڈھک....!" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"ہائیں.... حمید بھائی۔" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے شانے گڑھے کے باہر نکلے ہوئے تھے۔ پھر اُس نے لائٹر کی روشنی میں اُس گڑھے کا جائزہ لیا اور ہنسنے لگا۔

"لاحول ولا قوۃ.... میں سمجھا تھا شاید بوتل میں بند ہوں۔" قاسم نے کہا اور گڑھے کے اوپر دونوں ہاتھ جما کر باہر آ گیا۔

"مگر.... حمید بھائی.... ہم کہاں ہیں۔"

"فریدی صاحب کی سسرال میں۔ مگر خدارا مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ اُن کی شادی کب اور کہاں ہوئی تھی۔"

"کیا رات ہو گئی۔" قاسم نے جماہی لے کر کہا۔

"رات کے بجے ہم کسی غار میں بند کر دیئے گئے ہیں۔"

"تب تو رات مزے میں کٹے گی۔" قاسم دوسری جماہی لیتا ہوا بولا۔ "مگر یہاں مچھر بکثرت معلوم ہوتے ہیں۔"

حمید نے لائیٹر بجھا دیا وہی تو اس اندھیرے میں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تھا اگر اُس کی بھی

اسپرٹ ختم ہو جاتی تو کیا ہوتا۔

حمید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”قاسم اگر ہم اسی غار میں مر گئے تو کیا ہوگا۔“

”حمید بھائی.... مرنے کی بات نہ کرو مجھے رونا آجاتا ہے۔“

”تو پھر یہاں سے کس طرح نکلیں گے مجھے تو کوئی ایسا راستہ نظر نہیں آتا۔“

”لیکن ہم یہاں پہنچے کس طرح۔“ قاسم نے کہا۔ ”میں گر پڑا تھا مجھے اچھی طرح یا حمید بھائی تم بھاگے کیوں تھے۔“

”ختم کرو یہ قصہ.... کچھ سوچو۔“ حمید جلدی سے بولا۔

”میں بہت دیر سے سوچ رہا ہوں کہ کچھ سوچوں.... مگر....!“

حمید کچھ سوچتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”ہم یہاں پہنچے کس طرح۔“

”حمید بھائی مجھے عمل پڑھنے دیجئے ورنہ کوئی مصیبت آجائے گی۔“

حمید نے پھر لائٹر جلایا اور وہ کنارے کنارے آگے بڑھنے لگے۔ غار کافی کشادہ تھا۔

حمید نے محسوس کیا کہ وہ اس سے پہلے بھی آدمیوں کی قیام گاہ بنتا رہا ہے۔ اُسے ایک کچھ پھٹے پرانے کپڑے دکھائی دیئے۔ حمید نے انہیں پیر سے پھیلا دیا۔ اُن کے نیچے اُسے آدھ جلی موم بتیاں ملیں۔ اُس نے انہیں اٹھایا اور نہایت احتیاط سے جیب میں ڈال لیا۔ اُ سے ایک روشن کرلی اور سگار لائٹر بجھا دیا۔ موم بتیوں کا ملنا ایک بہت بڑا سہارا تھا۔

”حمید بھائی۔“ قاسم نے سرگوشی کی۔ ”بھوت بھی موم بتیاں جلاتے ہیں۔“

”قاسم! تم زندہ رہنا چاہتے ہو یا مرنا۔“ حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”کک.... کیوں....!“ قاسم اُس کی سنجیدگی پر بوکھلا گیا۔

”اگر مرنا چاہتے ہو تو دوسری بات ہے.... ورنہ فی الحال بھوت کا خیال دل سے نکا اس وقت ہم آدمیوں کی قید میں ہیں۔“

”آدمیوں کی قید میں؟“

”ہاں.... بھوت مومی شمعیں نہیں جلاتے ہیں۔“

”یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔“ قاسم نے سر ہلا کر کہا۔ ”تب تو حمید بھائی بیٹھو۔“

قاسم بڑے اطمینان سے پالتھی مار کر بیٹھ گیا۔

”کیوں؟“

”ارے جب آدمیوں نے ہمیں بند کیا ہے تو کوئی نہ کوئی راستہ ضرور ہوگا۔ جب وہ دوبارہ واپس آئیں گے دیکھ لیا جائے گا۔“

”ہم نپٹتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”چھوڑو بھی حمید بھائی.... دیکھا جائے گا۔ ویسے بھوک بہت زور سے لگ رہی ہے۔“ قاسم نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ ”نیند بھی آرہی ہے۔“

”تو تم صرف بھوتوں سے ڈر رہے تھے۔“

”اور کیا....!“ قاسم نے کہا۔ ”میں تو دراصل بھوت کے خیال سے پریشان تھا اور آدمیوں میں اپنے باپ کے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا۔“

”ٹھیک ہے۔“ حمید اُس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ”آؤ اٹھو باہر نکلنے کا راستہ تلاش کریں۔“

”چلو....!“ قاسم کھڑا ہو گیا۔

”دفعتاً حمید نے پھونک مار کر موم بتی بجھا دی۔“

”کیا ہوا۔“ قاسم نے سرگوشی کی۔

”کوئی آرہا ہے.... چلو ادھر اس طرف آجاؤ۔“

کئی قدموں کی آوازیں غار میں گونج رہی تھیں لیکن وہ دور ہی ہوتی گئیں۔ پھر سناٹا چھا گیا۔

”یہ کیا تھا۔“ قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

”کوئی آرہا ہے.... چلو ادھر اس طرف آجاؤ۔“

کئی قدموں کی آوازیں غار میں گونج رہی تھیں لیکن وہ دور ہی ہوتی گئیں۔ پھر سناٹا چھا گیا۔

”یہ کیا تھا۔“ قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

”پتہ نہیں.... چپ چاپ بیٹھے رہو۔“

حمید سوچ رہا تھا کہ وہ آوازیں غار کے باہر کی نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ باہر اب بھی کافی برف ہوگی۔ لیکن اگر غار کے اندر ہی کی آوازیں تھیں تو غار کتنا لمبا چوڑا ہے۔

وہ دوبارہ اٹھ ہی رہا تھا کہ اُسے پھر کچھ آوازیں سنائی دیں۔

”یہ کیا ہے۔“ قاسم نے پوچھا۔

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آوازیں دور کی تھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لکڑی کے صندوق میں کیلیں جڑی جا رہی ہیں اور یہ سلسلہ دیر تک قائم رہا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ اچانک اُسے غار کی ایک اندرونی چٹان پر سرخ سی روشنی دکھائی دی جو رفتہ رفتہ تیز ہو کر پھیلتی جا رہی تھی۔

اب انہوں نے قدموں کی آوازیں سنیں۔ حمید سمجھ گیا کہ کوئی روشنی لے کر آ رہا ہے چٹان پر روشنی پڑ رہی تھی غالباً اسی کے سامنے کوئی راستہ تھا۔

قدموں کی آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔ پھر چٹان کی اوٹ سے ایک بڑا سا شعلہ با طرف لپکا۔ قاسم اور حمید اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

دوسرے لمحے چار آدمی اُن کے سامنے کھڑے تھے۔ دو کے ہاتھوں میں مشعلیں تھ انہوں نے اپنے چہرے سیاہ نقابوں سے چھپا رکھے تھے اور اُن کے جسموں پر لمبی لمبی پوستینیں تھیں وہ چاروں مؤدبانہ انداز میں قاسم اور حمید کے سامنے جھکے۔ قاسم بوکھلا کر حمید کی ط دیکھنے لگا۔

"معزز مہمانوں سے استدعا کی جاتی ہے کہ طعام تناول فرمالیں۔" اُن میں سے ایک نے حمید بھی سناٹے میں آ گیا۔ اُسے اس کی توقع نہیں تھی۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ آنے انہیں یا تو مار ڈالیں گے یا کسی اذیت میں مبتلا کریں گے۔

"آپ کون ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"فرشتے۔" چاروں نے ایک ساتھ کہا۔

"کبھی بھوت۔" قاسم بڑبڑانے لگا۔ "اور کبھی فرشتے۔ کہیں ہمارا دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"سنئے جناب۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اس طرح کسی آدمی کو قید کر دینا بہت بڑا جرم ہے۔"

"قید.... قید سے کیا مطلب۔" اُس نے تحیر آمیز آواز میں کہا۔

"مطلب پولیس بتائے گی۔"

"پولیس.... یہ کیا چیز ہے۔" اس بار بھی اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

اچانک اُن میں سے ایک دوسرا آدمی بولا۔ "کہیں یہ لوگ خود کو دنیا میں تو نہیں سمجھ رہے ہ

"ضرور یہی بات ہے۔" پہلے نے سر ہلا کر کہا اور قاسم کے منہ سے ایک لمبی سی "ہائیں" نکل رہ گئی۔

"سنو....!" حمید جھلا کر بولا۔ "ہماری رائفلیں اور ریوالور ہمیں واپس دے دو۔ پھر ہمارا ضحکہ اڑاؤ۔ نہتوں کے منہ پر تھوکنا بہادری نہیں ہے۔"

"ارے یہ سچ مچ خود کو دنیا میں محسوس کر رہے ہیں۔" ایک مشعل بردار بولا۔

وہ چاروں بھی بظاہر ہنستے ہی تھے۔ حمید نے قاسم کو اشارہ کیا۔

"دیکھئے.... یہ سب بیکار ہے۔" ایک بولا۔ "یہ دنیا نہیں ہے۔ لباڑگی سے کام نہیں چلے گا۔ شرافت سے چلئے اور کھانا کھا لیجئے کیونکہ ابھی آپ دونوں کے تابوت بھی تیار کرنے ہیں۔"

"تابوت.... یعنی.... کک....!" قاسم تھوک نگل کر بولا۔

"دفعتاً حمید کے چہرے پر نرماہٹ دوڑ گئی اور اس نے بڑے میٹھے لہجے میں کہا۔ "چلئے۔"

قاسم لاکھ احمق سہی لیکن اسے حمید کے رویئے میں بے ساختہ قسم کی تبدیلی دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔

پھر وہ ایک سرنگ نما راستے سے گزر رہے تھے۔ دونوں مشعل بردار حمید اور قاسم کے آگے تھے اور دو آدمی اُن کے پیچھے چل رہے تھے۔ سرنگ زیادہ کشادہ نہیں تھی اس لئے قاسم کو جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔

مشعلوں میں جلنے والا ایندھن شائد کسی چیز کی چربی میں ڈبویا گیا تھا۔ جس کی چراندھ سے کم از کم حمید کا دم الٹنے لگا تھا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ پھر ایک کافی کشادہ غار میں پہنچ گئے۔ یہ غار سو فیصدی انسانی کارنامہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کا فرش مسطح تھا اور چاروں طرف کی چٹانوں کو اتنی خوش سلیقگی سے تراشا گیا تھا کہ وہ کسی عمارت کی دیواریں معلوم ہو رہی تھیں۔ چھت میں اعلیٰ قسم کی نقاشی تھی۔ جابجا مومی شمعیں جل رہی تھیں۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ فرعون کی قبر میں گھس آیا ہو۔ یہاں بظاہر کسی طرف سے بھی ہوا آنے کی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی شمعوں کی لویں تھرتھرا رہی تھیں اور گھٹن کا احساس بھی نہیں تھا۔

قاسم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر وہ ڈری ڈری سی آواز میں بڑبڑایا۔

"حمید بھائی۔"

حمید بھائی کچھ نہ بولے کیونکہ انہیں بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے یہاں چا طرف کفن میں لگائے جانے والے عطر اور کافور کی ملی جلی خوشبو پھیلی ہوئی ہو۔

"آپ لوگوں کے تابوت...." ہمراہیوں میں سے ایک نے کہا۔ "ایسے فرسٹ کلاس کہ دیکھ کر طبیعت خوش ہو جائے گی۔ ان کے اندر اسپرنگ دار گدے لگائے گئے ہیں۔"

"تو ہماری روحیں ابھی قبض نہیں کی گئیں۔" حمید نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔

"کیا مطلب.....!" قاسم اچھل پڑا۔

چاروں ہنس پڑے۔

دفعتاً قاسم کی نظر دستر خوان پر پڑی، جو ایک کونے میں بچھا ہوا تھا اور جس پر قابیں اور چنی ہوئی تھیں۔ وہ اس قبرستانی ماحول کو بھلا کر کسی ندیدے بچے کی طرح منہ چلانے لگا۔

"آیئے! کھانا حاضر ہے۔" ایک نے کہا۔ "فضول باتوں میں وقت برباد کرنے سے کیا فائد

قبل اس کے کہ حمید کچھ کہتا قاسم دستر خوان پر جم گیا۔ پھر اس نے ہانک لگائی۔

"آؤ.... آؤ حمید بھائی۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"چلو بیٹھ جاؤ۔" ایک آدمی نے حمید کی گردن میں ہاتھ دے کر دستر خوان کی طرف دیا۔ حمید پلٹ پڑا ایسے مواقع پر اس کا ہاتھ کبھی غلط نہیں پڑتا تھا۔ دھکا دینے والا دوسری طرف دیوار سے جا ٹکرایا۔ حمید دوسرے پر ٹوٹ پڑا۔

بات اب قاسم کی سمجھ میں آئی وہ شور مچاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ چاروں حمید پر پل پڑے قاسم نے ایک کی ٹانگ پکڑ لی۔ وہ ایک ٹانگ پر اچھلنے لگا۔ اب اس نے اس کو بازوؤں سے پکڑ سے بلند کیا اور اس کے ایک ساتھی پر پٹخ دیا۔ دونوں بیک وقت ڈھیر ہو گئے۔

بقیہ دو آدمی حمید کو چھوڑ کر قاسم سے لپٹ پڑے اور پھر تھوڑی ہی دیر کی جدوجہد کے ان کی گردنیں بھی اس کے بازوؤں میں آ گئیں۔

"حمید بھائی۔" قاسم چیخا۔ "تم جلدی سے کھا لو۔ پھر انہیں پکڑو تو میں بھی کھا لوں۔"

"ارے! خدا تمہیں غارت کرے۔" حمید دانت پیس کر بولا۔ "کھانے کے بچے نکلو یہاں سے جلد

"بھوک میں چلا نہ جائے گا۔" قاسم مسمسی صورت بنا کر بولا۔

اس کے دونوں شکار اس کے بازوؤں میں پھنسے ہوئے بُری طرح مچل رہے تھے اور قاسم ا کی طرف سے اس طرح بے پرواہ نظر آ رہا تھا جیسے اس نے دو شریر بچوں کو قابو میں کر لیا ہو۔

"ان دونوں کے سر لڑاؤ اور نکل چلو۔ شاباش۔" حمید نے گھگھیائے ہوئے لہجے میں کہا۔

قاسم نے ایک کے سر پر اپنا سر دے مارا اور وہ چیخ مار کر کسی چھپکلی کی طرح پٹ سے فرش پر گر پڑا۔ پھر وہ دوسرے کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کرنے جا رہا تھا کہ خود اس کے منہ سے ڈری ڈری سی چیخیں نکلنے لگیں۔

دروازے میں برف کا بھوت کھڑا تھا۔ موی شمعوں کی روشنی میں اس کا سفید جسم بڑا خوفناک لگ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے اپنا ایک ہاتھ ان دونوں کی طرف بڑھایا اور اس عمارت نما غار میں برف کے ذرات اڑنے لگے۔ قاسم کی آخری چیخ دل ہلا دینے والی تھی۔ وہ ایک بہت بڑے شہتیر کی طرح دھم سے زمین پر آ رہا۔ حمید دیوار سے لگا سہا کھڑا تھا۔ مومی شمعیں گل ہو گئیں اور برف کے مہین ذرات حمید کے چہرے سے ٹکراتے رہے۔ آخر اس کا بھی وہی حشر ہوا جو قاسم کا ہوا تھا۔

گرومی

گرومی فریدی کو گھورتا رہا اور فریدی سوچ رہا تھا کہ شائد یہ ہوٹل اس کا مستقل اڈہ ہے اور یہاں کا سارا عملہ اس کے ہاتھ میں ہے ورنہ کسی دوسرے آدمی کو اس کی مصنوعی ڈاڑھی نوچنے کی جرأت کیسے ہوتی۔

فریدی نے بڑی بے پروائی سے چاروں طرف دیکھا اور اپنے گالوں کے بچے کھچے بال صاف کر کے بڑبڑانے لگا۔ "یہ لڑکا کہاں مر گیا۔ کتنی سردی ہے۔"

اس کی مونچھیں اب بھی برقرار تھیں۔

گرومی کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کون ہو تم؟" اس بار اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ تمہیں اس سے کیا سروکار۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "اپنا کا

"تم بچ کر نہیں جاسکو گے۔" گروی کی سرخ سرخ آنکھوں سے لویں سی نکلتی معلوم ہونے لگیں

"کیوں؟" فریدی اپنی داہنی بھنوئیں تیکھے انداز میں تان کر بولا۔

گروی جواب دینے کی بجائے اُسے گھورنے لگا۔

"سنو دوست۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔ "اگر ڈاڑھی اکھاڑنے والا تمہارا ہی آدمی میں تمہیں حشر تک معاف نہ کروں گا۔"

"ہونہہ.....!" پہلے گروی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر یہ مسکر بتدریج ہنسی اور ہنسی قہقہے میں تبدیل ہوتی گئی۔

فریدی خاموشی سے گھورتا رہا۔ لیکن انداز میں خوف کی بجائے شوخی تھی۔

ویٹر کافی کی ٹرے لایا لیکن میز پر ڈاڑھی والے کو نہ پاکر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے؟" گروی نے اُسے مخاطب کیا۔

"وہ ڈاڑھی والا کدھر ہوتا! سالا ہڑم ہوگیا۔" ویٹر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"چلو ایک ہی بات ہے۔" گروی نے کہا۔ "اسے یہاں رکھ دو اور میری بوتلیں بھی یہیں اٹھا

گروی کے اس رویہ پر فریدی کو اپنا پہلا خیال ترک کر دینا پڑا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ گر حیثیت یہاں ایک معزز گاہک سے زیادہ نہیں۔

"اس شرافت کا شکریہ۔" فریدی کافی انڈیلتا ہوا مسکرا کر بولا۔

گروی کچھ نہ بولا۔ اس کی بوتلیں بھی اسی میز پر آگئیں۔ اس نے خالی بوتلوں کو بڑ سے اپنے سامنے رکھ لیا اور چوتھی بوتل سے گلاس میں انڈیلنے لگا۔

"تم یہ نہ سمجھنا کہ میرے فولادی پنجوں سے بچ کر نکل جاؤ گے۔" گروی شامپین ہونٹوں تک لے جاتے ہوئے رک کر بڑبڑایا۔

"اپنی خیر مناؤ۔" فریدی نے اسی انداز میں کہا۔ "تمہارے آدمی نے میری ڈاڑھی اچھا نہیں کیا۔"

"وہ میرا آدمی نہیں تھا۔" گروی جھنجھلا کر بولا۔ "میں اُسے نہیں جانتا۔"

"تم جھوٹے ہو۔" فریدی نے بڑے توہین آمیز لہجے میں کہا۔

"کیا؟" گروی غرایا۔ وہ اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا پھر اس نے اپنے گلاس کو

ریدی کے چہرے پر الٹ دی۔

فریدی اچھل کر کھڑا ہوگیا اور قبل اس کے کہ گروی بھی اپنی کرسی چھوڑتا اس نے میز الٹ ی۔ وہ کرسی اور میز سمیت فرش پر جا رہا۔ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے لیکن ان کی توجہ ریدی سے زیادہ گروی کی طرف تھی۔

فریدی کے لئے اتنا ہی موقع کافی تھا۔ وہ لوگوں کو بھیڑ میں ملتا ہوا دروازے سے باہر نکل یا۔ لیکن اس نے وہاں سے چلا جانا مناسب نہ سمجھا۔

یہ ہوٹل شہر کے ایک بھرے پُرے حصے میں تھا لیکن اس وقت وہاں قبرستان کا سا سناٹا تھا۔ سڑکوں پر آمد و رفت زیادہ نہیں تھی۔ کبھی کبھی ایک آدھ آدمی برف میں لڑکھڑاتے نظر آجاتے تھے۔ مکانات کی کھڑکیوں کے شیشوں تک پر دبیز پردے کھینچ دیئے گئے تھے۔ چاروں طرف تاریکی کا راج تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے زندگی بھی ٹھٹھر کر ساکت ہوگئی ہو۔

فریدی تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا ایک مکان کی پشت پر آیا اور اپنی مصنوعی مونچھیں الگ لردیں۔ سر سے بال دار ٹوپی اتار کر اُسے الٹ لیا۔ بال پیشانی پر بکھر کر الٹی ٹوپی سر پر منڈھ لی۔ رہ ٹی پوستین۔ تو وہ ایک عام وضع کی تھی۔ ٹیکم گڈھ کے سینکڑوں افراد کے پاس ویسی ہی پوستین رہی ہوگی۔

اور پھر جب وہ روشنی میں آیا تو گروی بھی اُسے نہ پہچان سکا۔ فریدی کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت زیادہ پی گیا ہو۔ ہوٹل کے باہر کھڑے ہوئے لوگوں نے اُسے دیکھا اور ہنسنے لگے۔ کیونکہ اس نے اپنی ٹوپی کا استر اوپر کر رکھا تھا۔

گروی کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرایا۔ فریدی نے محسوس کیا کہ وہ اب تنہا نہیں ہے۔ اس کے دو آدمی اور تھے۔ فریدی بھی ان کے قریب کھڑے ہوئے لوگوں میں مل گیا۔

"گیا کدھر.....؟" گروی کا ایک ساتھی کہہ رہا تھا۔

"میں نے نہیں دیکھا۔ آؤ چلیں۔" گروی نے کہا اور تینوں ایک طرف چلنے لگے۔ بقیہ لوگ پھر ہوٹل میں چلے گئے۔ فریدی وہیں دیوار سے لگا کھڑا انہیں جاتے دیکھتا رہا۔ جب وہ کافی دور نکل گئے تو وہ بھی ان کے پیچھے روانہ ہوگیا۔

اسے زیادہ دیر تک نہیں چلنا پڑا۔ تقریباً دس منٹ بعد اس نے انہیں ایک بڑے مکان میں داخل ہوتے دیکھا۔

پھر تھوڑی دیر بعد فریدی اس مکان کی چھت پر تھا۔ لیکن اسے جلد ہی اپنی حماقت پر تا
آنے لگا۔ مکان میں کوئی صحن نہیں تھا اس لئے اندر داخل ہونے کے امکانات کا سوال ہی نہیں
تھا۔ البتہ فریدی نے آتش دان کی چمنیوں کی تعداد سے مکان کے کمروں کی تعداد کا اندازہ ضرور
لگالیا۔ جب وہ ایک چمنی کے قریب سے گزر رہا تھا تو اسے کچھ آوازیں سنائی دیں جن میں سے اس
نے گرومی کی آواز صاف پہچان لی۔

اس نے رک کر اپنے کان چمنی سے لگا دیئے۔

"تم میں سے کون تھا جس نے اُس کی ڈاڑھی اکھاڑی تھی؟" گرومی کی غراہٹ سنائی دی۔

کئی سیکنڈ تک دوسری آواز نہ آئی۔

"بولو.... کیا تم بہرے ہو۔" گرومی ہی بولا۔

"کوئی نہیں.... ہم میں سے کوئی نہیں تھا۔" کئی آوازیں بیک وقت سنائی دیں۔

"کوئی باہر تو نہیں۔"

"کوئی بھی نہیں.... سب موجود ہیں۔"

"لیکن کیوں موجود ہیں۔" گرومی حلق پھاڑ کر چیخا۔ "تمہارا اس وقت یہاں کیا کام۔"

چند سیکنڈ خاموشی رہی پھر ایک آواز سنائی دی۔ "سیتل گھاٹی میں پولیس کا پہرہ ہے۔"

"ہم نے سوچا.... سیتل گھاٹی۔"

"کچھ نہیں۔" گرومی نے چیخ کر بولنے والے کی بات کاٹ دی۔ "کام نہ رکنا چاہئے۔ میں کچھ
نہیں جانتا.... چلے جاؤ.... نکلو.... دنیا کے سارے گدھے میرے ہی پلے پڑے ہیں۔"

چند لمحوں کے بعد فریدی نے بہت سے قدموں کی آوازیں سنیں۔ پھر سناٹا چھا گیا۔

وہ چمنی کے قریب سے ہٹ کر چھت کے کنارے آگیا۔

نیچے کچھ لوگ مکان سے نکل رہے تھے۔ یہ تعداد میں گیارہ تھے۔ فریدی انہیں اس وقت
تک دیکھتا رہا جب تک کہ وہ نشیب میں نہیں اُتر گئے۔

پھر وہ بھی چپکے سے اُترا اور اُن کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ تعاقب کا مقصد محض یہ دیکھنا تھا کہ
لوگ کدھر جاتے ہیں۔

لیکن وہ سیتل گھاٹی کی طرف نہیں جا رہے تھے۔ فریدی کافی دیر تک ان کے پیچھے پھرتا

متوقع واقعہ پیش نہیں آیا۔ بس وہ بستی کے باہر اکا دکا لومڑیوں کو شکار کرتے رہے۔ فریدی کو
تھی کہ وہ ان کے ذریعہ حمید اور قاسم کا سراغ پا سکے گا۔ وہ ان کی شکلیں بھی دیکھنا چاہتا تھا
اندھیرے میں یہ بات ناممکن تھی۔ اس کے ذہن میں ان دونوں شکاریوں کی صورتیں محفوظ
جن سے سیتل گھاٹی کے ایک غار میں مڈبھیڑ ہوئی تھی اور جو آخر کار انہیں جل دے کر
نکل گئے تھے۔ اگر وہ دونوں واقعی گرومی ہی کی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے تو پھر حمید اور قاسم
نا مشکل نہ ہوگا۔ فریدی کو یقین تھا کہ اس غار میں پیش آنے والے واقعات کے ذمہ دار وہی
شکاری تھے۔

فریدی انہیں شکار میں مشغول چھوڑ کر پھر مکان کی طرف پلٹا جہاں گرومی تھا۔ بارہ بج چکے
ر سناٹے میں لومڑیوں کی آوازوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔ کبھی کبھی ایک
فائر کی آواز بھی فضا میں لہرا کر رہ جاتی۔

گرومی کے مکان کی کھڑکیوں میں اب بھی روشنی نظر آرہی تھی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ
ا تنہا ہے۔ وہ اب بھی ایک کمرے میں بیٹھا شراب پی رہا تھا اور خالی بوتلیں اس نے بڑے
ے اپنے سامنے سجا رکھی تھیں۔

فریدی سوچنے لگا کہ کہیں قاسم اور حمید اسی مکان میں نہ ہوں۔ اس نے مکان کے آخری
ے کی ایک کھڑکی کا شیشہ توڑا۔ اندر ہاتھ ڈال کر چٹخنی گرائی اور پھر دوسرے لمحے میں وہ اندر تھا۔

یہاں سات چھوٹے چھوٹے کمرے تھے، جو ایک کے علاوہ سارے خالی نظر آرہے تھے اور
کمرے میں گرومی اپنی خالی اور بھری بوتلوں کے ساتھ تنہا تھا۔

فریدی پورے مکان کا چکر کاٹ کر گرومی کے کمرے کے سامنے رک گیا۔ مکان میں اُسے
ایسی چیز نہ مل سکی جو قانوناً قابل گرفت ہوتی۔ فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بڑی بے باکی
گرومی کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ گرومی کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ قبل اس کے کہ اس
ھ جیب کی طرف جاتا، فریدی نے ریوالور نکال لیا۔

"اپنے دونوں ہاتھ میز پر رکھ لو۔" فریدی نے کہا۔

گرومی نے بے چوں وچرا تعمیل کی۔ فریدی کو اس بات پر سخت حیرت تھی کہ گرومی ہوٹل
بھی پیتا رہا تھا اور اب بھی پی رہا تھا لیکن اس کی ظاہری حالت سے ہرگز ایسا نہیں معلوم ہوتا

تھا کہ وہ بہت زیادہ پی گیا ہے۔ فریدی کے داخل ہوتے ہی اس کے چہرے پر تحیر کے آثار ظ…
پیدا ہوئے تھے لیکن اب وہ بالکل پرسکون نظر آ رہا تھا۔

"تم کون ہو؟" اُس نے بڑے ملائم لہجے میں پوچھا۔

"وہی جس کے منہ پر تم نے شراب پھینکی تھی۔" فریدی نے کہا۔

گرومی نے میز پر زور دے کر اٹھنا چاہا۔

"تکلیف نہ کرو۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "میں بہت پُرامن آدمی ہوں۔ لیکن چھ…
دیئے جانے پر خونخوار بھی ہو جاتا ہوں۔ تمہیں میرے دونوں ساتھیوں کا پتہ بتانا پڑے گا۔"

"ساتھیوں کا پتہ.... کیسے ساتھی۔"

"گرومی میں بہت بُرا آدمی ہوں۔"

"آدمی نہیں.... بچے ہو۔" گرومی مسکرا کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔ میرے پاس شامپین کی…
پیٹیاں ہیں.... کچھ ملاؤ گے یا سادی پیو گے۔ میں تو ہمیشہ سادی پیتا ہوں۔"

"میرے دونوں ساتھی کہاں ہیں۔"

"سنو....!" گرومی اپنا نچلا ہونٹ چبا کر بولا۔ "گرومی کا بڑھاپا بھی خطرناک ہے۔ تم اپنا…
مطلب بیان کر جاؤ۔ تم شائد مجھے تنہا سمجھ رہے ہو۔"

"مجھے کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "اور نہ میری تمہاری ک…
پہلے کی لڑائی ہے۔ میں تو صرف اپنے ساتھیوں کی واپسی چاہتا ہوں اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ…
گھاٹی پر تمہارا اجارہ نہیں ہے۔"

"بیٹھ جاؤ نوجوان۔" گرومی کا لہجہ پھر نرم ہو گیا۔ "ریوالور جیب میں رکھ لو۔ گرومی بچپن
سے ان کھلونوں کا شائق رہا ہے۔ کیا تم غرتاش کے ساتھی نہیں ہو۔"

"غرتاش!" فریدی نے بھنویں سکوڑ کر کہا۔ "میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔"

"تب پھر میرا تمہارا کیا واسطہ۔"

"اگر واسطہ نہیں تھا تو تمہارے کسی ساتھی نے میری ڈاڑھی کیوں اکھاڑی۔"

"غلط ہے وہ میرا ساتھی نہیں تھا۔"

"اگر نہیں تھا تو تم خواہ مخواہ مجھ سے کیوں آبھڑے تھے۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے

"میرے بچے! بیٹھ جاؤ۔" گرومی نے بوتل سے شراب انڈیلتے ہوئے کہا۔ "اب میں کچھ کچھ
سمجھ رہا ہوں۔ تم شائد ان شکاریوں میں سے ہو جو فزارو میں ٹھہرے ہوئے ہیں جن کے ساتھ
عورتیں بھی ہیں۔"

"ٹھیک سمجھ رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن مجھ پر کوئی فقرہ نہ چل سکے گا۔ میں اپنے
ساتھیوں کو لے کر ہی جاؤں گا۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تمہارے ساتھیوں کے متعلق کچھ نہیں جانتا لیکن
غرتاش....!" گرومی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ چند لمحے اس کی پیشانی پر گہرے تفکر کی سلوٹیں پڑی
رہیں پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "تم صرف دو ساتھیوں کے لئے پھر رہے ہو۔ میں نے دس سال میں
ساٹھ ستر کھوئے ہیں اور اس طرح کہ صرف آٹھ یا دس لاشیں مل سکی تھیں۔"

فریدی اُسے تیز نظروں سے گھورتا رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "تو کیا وہ دونوں
تمہارے ساتھیوں میں سے نہیں تھے، جو ہمیں سیتل گھاٹی کے ایک غار میں ملے تھے۔"

"مجھے علم ہے! وہ میرے ہی آدمی تھے۔ انہوں نے تمہیں غرتاش کی پارٹی کا آدمی سمجھا تھا۔"

"اسی لئے وہ ہمیں دھوکا دے کر نکل گئے تھے۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اور اسی لئے
انہوں نے میرے دو ساتھیوں کو کسی طرح پکڑ لیا۔"

"میں نہیں جانتا کہ تمہاری غلط فہمی کس طرح رفع ہو گی۔" گرومی آہستہ سے بڑبڑایا اور
گلاس سے منہ لگا لیا۔

"اور وہ سفید بھوت۔" فریدی کے لہجے میں طنز تھی۔ "ان کے متعلق کیا کہو گے۔"

"مجھے ان کی ذرہ برابر پرواہ نہیں سمجھے۔" گرومی میز پر گھونسہ مار کر بولا۔

"بہت خوب۔" فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "گرومی صاحب! کسی پیشہ ور شکاری سے
تمہاری گفتگو نہیں ہو رہی ہے۔"

"تم بڑی دیر سے میری توہین کر رہے ہو۔" گرومی چیخ کر بولا۔ "چلے جاؤ یہاں سے۔"

"میں اپنے ساتھیوں کو لے کر جاؤں گا۔" فریدی نے آہستہ سے ایک ایک لفظ پر زور دیتے
ہوئے کہا۔

"میں نہیں جانتا۔" گرومی نے اپنے ہاتھ کو زور سے جھٹکا دیا اور میز پر رکھی ہوئی خالی بوتلیں

فرش پر گر کر ٹوٹ گئیں۔ فریدی کی حالت میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہ ہوئی۔

"اور وہ شب خوابی کا لبادہ۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا وہ فزارو سے اغواء کی ہوئی... نہیں تھا۔"

"بند کرو یہ بکواس ورنہ منہ توڑ دوں گا۔" گرومی چیخ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں فر... گویا انگارے برسا رہی تھیں۔

"بیٹھے رہو! ورنہ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔" فریدی نے کہا۔ "اگر یقین نہ ہو تو دیکھ..." ساتھ ہی اس نے کمرے میں روشن موم شمعوں میں سے ایک پر فائر کیا۔ گولی اس کی... پڑی اور وہ بجھ گئی لیکن اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔

"بہت اچھے۔" گرومی نے متحیرانہ لہجے میں تعریف کی۔ "واقعی تم بے مثال نشانہ باز... ....اچھے لڑکے میں تمہارے ساتھیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور وہ شب خوابی کا لبادہ..." دفعتاً گرومی کی آواز گلوگیر ہو گئی اس کے ہونٹ کانپنے لگے اور آنکھیں بھر آئیں۔

"وہ میری لڑکی کا ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں اسے تین سال سے اپنے سینے لگائے ہوئے ہوں۔ ٹھہرو میں اسے لاتا ہوں۔"

"میں بھی ساتھ چل رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"آؤ۔" گرومی نے لاپروائی سے کہا۔

فریدی اس کے پیچھے چلنے لگا۔ ریوالور اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

ایک کمرے میں آکر گرومی نے ایک صندوق کھولا اور پھر شب خوابی کا ایک لبادہ نکا... فریدی کے سامنے کر دیا۔ نظر پڑتے ہی فریدی نے اُسے پہچان لیا۔ حقیقتاً یہ وہی لبادہ تھا، جو ا... سیتل گھاٹی کے ایک غار میں دیکھا تھا۔

"اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ یہ لبادہ فزارو والی لڑکی کا ہے تو میں خودکشی کر لوں گا۔" غم ناک لہجے میں بولا۔

"خیر اس کی بھی شناخت ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے صرف اپنے ساتھ... واپسی سے غرض ہے۔"

"ہونہہ۔" گرومی بڑے کھردرے لہجے میں بولا۔ "اگر لاشوں کی صورت میں واپسی...

...ب بھی غنیمت ہے ورنہ سیتل گھاٹی میں لاپتہ ہو جانے والے شائد قیامت ہی میں مل سکیں۔"

دفعتاً ایک نئے خیال نے فریدی کے ذہن میں سر اُبھارا۔

"یہ غرتاش کون ہے۔" اس نے پوچھا۔

"غرتاش! تم غرتاش کو نہیں جانتے۔ کیوں کیا وہ فزارو میں مقیم نہیں ہے۔"

"فزارو میں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "وہ بھاری چہرے والا تو نہیں۔"

"وہی ہے وہی ہے۔" گرومی سر ہلا کر بولا "اور مجھے یقین ہے کہ اسی نے تمہیں میرا پتہ بتایا ہوگا۔ اب میں بالکل سمجھ گیا۔ وہ ہمیں لڑا کر خود اطمینان سے سیتل گھاٹی میں شکار کھیلنا چاہتا ہے۔ کچھ تعجب نہیں کہ تمہارے آدمیوں کو غائب کر دینے میں اسی کا ہاتھ ہو۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "کیا تم نے اس کے کئی آدمیوں کو نہیں مار ڈالا۔"

"وہ جھوٹا ہے..... مکار ہے۔ ہم قاتل نہیں ہیں۔ لیکن غرتاش جب بھی میرے ہتھے چڑھ گیا میں اُسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

"کیوں؟"

"پوچھتے ہو کیوں! میں تین سال سے اپنی لڑکی کا ماتم کر رہا ہوں۔ مجھے اس کی لاش بھی نہیں ملی۔ یہ لبادہ سیتل گھاٹی کے ایک غار میں ملا تھا۔"

"کیا اسے اغواء کیا گیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.... اور میں...." گرومی اس کے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ فریدی نے ریوالور جیب میں ڈال لیا اور اسے سہارا دے کر اسی کمرے میں لایا جہاں وہ اس سے پہلے تھے۔

پھر اس نے ایک گلاس لبریز کر کے گرومی کی طرف سرکا دیا۔

"گرومی! مجھے افسوس ہے۔" وہ اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "اب میں سب کچھ سمجھ گیا۔ خیر دیکھ لیا جائے گا۔"

گرومی خاموشی سے شراب پیتا رہا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں دس سال سے یہاں شکار کھیل رہا ہوں۔ لیکن یہ بھوت پہلی بار دکھائی دیئے ہیں۔

میرے ایک دلیر ساتھی نے اس پر فائر بھی کئے تھے لیکن وہ خود دوسرے دن تیز قسم کے بخار میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ اب ہم ادھر جاتے ہی نہیں جدھر وہ دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے سنا ہے تم نے بھی ان پر فائر کئے تھے۔"

حیرت انگیز سفر

حمید کی آنکھ کھلی تو پھر اُسی اندھیرے سے واسطہ پڑا۔ لیکن اس بار وہ خود اس اندھیرے کے ساتھ ہی ساتھ حرکت کر رہا تھا۔ کافی دیر تک آنکھیں پھاڑنے کے بعد یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ وہ سچ مچ قبر میں لیٹا ہوا ہے اور وہ قبر حرکت کر رہی ہے اور اس کی اونچائی اتنی بھی نہیں کہ وہ اٹھ کر بیٹھ سکے۔

اُس نے گھبرا کر دو تین بار کلمہ پڑھا اور اپنے دنیاوی اعمال یاد کر کے رو دینے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ایک تیسری بات اس کی سمجھ میں آئی یعنی وہ قبر کمبل کی تھی اور اسے کچھ کچھ روشنی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے قبر کی چھت کو انگلی سے چھو کر دیکھا۔ وہ حقیقتاً کمبل ہی تھا، جو اس پر منڈھا ہوا تھا۔

اب جو اس نے غور کیا تو اُسے بہت سے قدموں کی آوازیں بھی سنائی دیں۔

تو کیا وہ اس کا جنازہ تھا؟ اس خیال سے پھر حمید کی گھگھی بندھ گئی۔

مگر جنازے پر کمبل؟ وہ پھر سوچنے لگا۔ شائد سردیوں میں یہی ہوتا ہو۔

"میں زندہ ہوں.... بھائی۔" اس نے ہانک لگائی۔ "ارے.... بھا.... آ.... آ.... ئی۔"

"چپ چاپ لیٹے رہو۔" کسی نے گرج کر کہا۔ "تم مر گئے ہو۔"

"ارے حمید بھائی۔" حمید نے قاسم کی آواز سنی جو باقاعدہ رو رہا تھا۔ "ہم مر گئے ہیں۔ اب کیا ہو گا۔ مرنے کے بعد.... بھوک بھی تو خوب کھل جاتی ہے۔ مگر مرنے کے بعد پھر موت نہیں آتی۔"

حمید نے خوب اچھی طرح اپنی آنکھیں ملیں اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر احتیاطاً خود اپنے ہی اتنے زور سے چٹکی لی کہ آنکھیں نکل پڑیں۔ جب اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہا ہے تو اُس نے کروٹ لی اور اس سے اُسے یہ سمجھنے میں مدد ملی کہ وہ کینوس کے ایک اسٹریچر پر لیٹا ہوا ہے جس پر بانس کی قمچیاں لگا کر کمبل ڈال دیا گیا ہے۔ اُس نے کمبل کا کونا ذرا سا اٹھا کر باہر کی طرف دیکھا۔ اسے کئی مسلح آدمی نظر آئے جو اس کے اسٹریچر سے کچھ دور ہٹ کر چل رہے تھے اور خود اس کا اسٹریچر شائد چار آدمیوں کے کاندھوں پر تھا۔

"ارے کمینو! مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔" حمید نے ایک سریلی قسم کی نسوانی آواز سنی۔

"ہائیں.... ارے.... ہو۔" اس نے قاسم کی آواز سنی۔

"آپ لوگ جنت میں جا رہے ہیں۔" کسی نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔

"وہاں باورچی خانہ بھی ہے یا نہیں۔" قاسم نے غالباً اپنے پیٹ پر ہاتھ مار کر پوچھا۔

"اوہ تو کیا آپ بھوکے ہیں۔" کسی نے پوچھا۔

"اب مرنے کے بعد کیا جھوٹ بولوں گا۔" قاسم بگڑ گیا۔

"چلو بھئی تابوت زمین پر رکھ دو۔" آواز آئی۔

حمید کا تابوت بھی زمین پر رکھ دیا گیا۔ کمبل ہٹایا گیا.... قمچیاں نکالی گئیں حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پندرہ بیس مسلح آدمیوں کے ساتھ تین تابوت تھے۔

تیسرے تابوت پر نظر پڑتے ہی حمید کی عاقبت روشن ہو گئی۔ اس میں ایک بڑی خوبصورت لڑکی تھی جو شائد خوف کی وجہ سے اور زیادہ خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ قاسم بھی اپنے تابوت پر پالتھی مارے بیٹھا اُسی کو گھور رہا تھا اور اس کا تابوت اٹھانے والے آٹھ آدمی اس طرح ہانپ رہے تھے جیسے اُن کا دم نکلنے والا ہو۔

یہ بھی کوئی پہاڑی ہی علاقہ تھا لیکن یہاں کہیں برف نہیں نظر آ رہی تھی۔ دور تک بھورے رنگ کی چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ سورج شائد سر پر تھا۔

قاسم کے سامنے کھانا چن دیا گیا۔ حمید کو بھی محروم نہ رکھا گیا۔ لیکن وہ لڑکی کھانے پر رضا مند نہیں معلوم ہوتی تھی۔ قاسم نے بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارنے شروع کر دیئے۔ اُس کے سامنے ایک مسلم بھیڑ کا بچہ بھنا رکھا تھا۔

"حمید بھائی۔" وہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ "مجھے تو موت اور زندگی میں کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا۔"

"فرق اور فتور تو دراصل تمہاری کھوپڑی میں ہے۔" حمید بھنا کر بولا۔

اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ان لوگوں کا رویہ اُن کے
بُرا نہیں تھا۔ آخر وہ کون تھے اور کیا چاہتے تھے۔ غار میں بھی انہوں نے ان کے ساتھ خو
کوئی بدسلوکی نہیں کی تھی حالانکہ وہ چاہتے تو انہیں بڑی آسانی سے مار ڈالتے۔ حمید نے کنکھیو
سے اُس لڑکی کی طرف دیکھا وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ کھانا اُس کے سامنے بھی تھا۔ لیکن اُس
اُسے ابھی تک ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

حمید سوچنے لگا کہ آخر وہ کون ہو سکتی ہے۔ دفعتاً اُسے فزارو کی اغواء والی بات یاد آگئی۔
ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے نشانات.... کہیں یہ وہی لڑکی تو نہیں ہے فزارو سے بھگایا گیا
سیتل گھاٹی میں بھوتوں کی موجودگی۔

یہ بات اُس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ رات کو اُس بھوت کی آمد پر چاروں طرف سے
غار میں برف کے ذرات کہاں سے آگئے تھے۔ حمید کو اچھی طرح یاد تھا کہ وہ ذرات اُس بھو
کے جسم میں سے نکلے تھے اور رفتہ رفتہ اُن کی مقدار اتنی بڑھ گئی تھی کہ حمید کا دم گھٹنے لگا تھا۔

اگر وہ بھوت دراصل آدمی ہی تھا تو اُس کے ہاتھ اٹھاتے ہی برف کے ذرات کس طر
اڑنے لگے تھے اور اگر وہ واقعی کوئی مافوق الفطرت ہستی ہی تھا تو ان آدمیوں سے اُس کا کیا تعلق۔

حمید نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اُس
ہمراہی کافی مہذب اور مہمان نواز تھے۔ حمید نے ایک بات اور محسوس کی۔ ان میں سے صرف
آدمی گفتگو کر رہے تھے بقیہ خاموش تھے اور وہ لوگ جو زیادہ تر خاموش رہتے تھے۔ اکثر آپس
کسی ایسی زبان میں گفتگو کرنے لگتے تھے جو حمید کے لئے نئی تھی۔ حمید نے اندازہ لگالیا تھا کہ
چاروں اردو بولنے والے تو وہی تھے جنہوں نے ان دونوں کو ایک غار سے نکال کر دوسرے
تک پہنچایا تھا۔

اُس نے کنکھیوں سے اُس لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ خوفزدہ تھی۔ چاروں آدمی بڑے مہذ
طریقے پر اُس سے کھانا کھالینے کی استدعا کر رہے تھے۔

قاسم بھیڑ کا گوشت نوچنے میں منہمک ہو گیا تھا۔

"ذرا ہاتھ روک کر۔" حمید نے اُسے ڈانٹا۔

"پتہ نہیں پھر کب ملے۔" قاسم مایوسی سے بولا۔

"گھبرائیے نہیں۔" چاروں میں سے ایک نے کہا۔ "ہمارے پاس کافی ذخیرہ ہے۔"

"تو کیا ہم سچ مچ مر گئے ہیں۔" قاسم نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"جی ہاں! لیکن آپ کو کچھ دور پیدل چلنا پڑے گا۔ ہمارے آدمیوں میں اتنی سکت نہیں۔"

"تب تو پھر بڑی جلدی بھوک لگ جائے گی۔" قاسم نے اداس لہجے میں کہا۔

"فکر نہ کیجئے۔ کھانے کا سامان بہت ہے۔"

"یہ کیا مذاق ہے۔" دفعتاً لڑکی چیخی۔ "میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"کیا یہ بھی مر گئی ہے۔" قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" ساتھی نے جواب دیا۔

"تو کیا مرنے کے بعد بھی آدمی پاگل ہو سکتا ہے۔"

"پتہ نہیں۔" ہمراہی نے کہا اور پھر حمید سے پوچھا۔ "کچھ اور چاہیئے۔"

"جی ہاں! تھوڑی سی افیون تاکہ میں اپنی موت سے اچھی طرح محظوظ ہو سکوں۔ ویسے کیا
آپ بتا سکیں گے کہ ہنالولو کس عرض البلد پر ہے اور نیو فاؤنڈ لینڈ پر سال بھر کہر کیوں پڑتی رہتی ہے۔"

"میں بتا سکتا ہوں۔" قاسم اپنی چھاتی ٹھونکتا ہوا بولا۔ "نیو فاؤنڈ لینڈ پر کہر نہیں بلکہ باورچی
خانوں کا دھواں چھایا رہتا ہے۔ وہاں کے لوگ کھانے پکانے کے بہت شائق ہیں۔"

لڑکی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ بھی کھا لیجئے نا۔" حمید نے اُس سے کہا۔

"آپ کون ہیں۔" لڑکی نے پوچھا۔

"میں بھی آپ ہی کی طرح آدمی ہوں اور میری موت سیتل گھاٹی میں واقع ہوئی تھی شائد
آپ کا انتقال فزارو میں ہوا تھا۔"

"جی ہاں! میں فزارو ہی میں تھی۔ لیکن یہ سب بکواس ہے۔ یہ لوگ نہ جانے کون ہیں اور
ہمیں نہ معلوم کہاں لے جا رہے ہیں۔"

"ہم جنت میں جا رہے ہیں حمید بھائی۔" قاسم نے کہا۔

"چپ رہو۔" حمید نے اُسے ڈانٹا۔

"ہائیں! مجھے ڈانٹ رہے ہو۔ اٹھا کر پٹخ دوں گا۔" قاسم کھانا چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"مجھے جانتے ہو یا نہیں۔" حمید کی بھنویں تن گئیں۔

"تو تم ڈانٹتے کیوں ہو۔"

"چلو کام کرو اپنا۔" حمید نے کہا اور پھر لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"میرے خیال سے کھانا چھوڑ دینا عقل مندی نہیں۔"

"اور کیا.... بالکل حماقت ہے۔" قاسم پھر بول پڑا۔ "اب موت تو آئے گی نہیں تکلیف ضرور ہو گی۔"

لڑکی نے تھوڑا بہت کھالیا۔ ہمراہیوں نے بھی کھانا کھایا اور وہ لوگ پھر چل پڑے۔ اب ... اور حمید دونوں پیدل چل رہے تھے لیکن لڑکی اسٹریچر ہی پر تھی۔

حمید اُن چاروں کے برابر چل رہا تھا اُس نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔ "آپ لوگ ... اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اب یہ مذاق ختم ہی کر دیجئے تو اچھا ہے۔"

"کیسا مذاق! ہم نہیں سمجھے۔"

"ہم آخر کہاں جا رہے ہیں۔"

"جنت میں۔ بڑی پُر فضا وادی ہے۔ کھانے پینے کا سامان وافر۔ درختوں پر انگوروں کی ... چھائی ہوئی.... رسیلی خوبانیاں۔ شہد میں ڈوبے ہوئے سیب.... اور خوبصورت عورتیں.... کے علاوہ اور کیا ہو گا۔"

"لیکن ہم زبردستی وہاں کیوں لے جائے جا رہے ہیں۔"

"اچھے آدمیوں کی جگہ جنت ہی ہے۔"

"اور کیا حمید بھائی۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "میں اپنے ابا جان کو تو وہاں ہرگز نہ آنے دوں ... اور وہ سالی.... میں اُسے طلاق دیتا ہوں.... طلاق.... طلاق.... طلاق.... کسی مرگھلے کلر ... سے شادی کر لے گی۔"

قاسم چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے پوچھا۔ "جنت میں تو خاصی تگڑی عورتیں ہوں گی ... کوئی میری طرح بھی ہے۔"

"بہت جناب.... بہت۔" ایک نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "کئی تو بالکل آپ ہی ... قد کی ہیں۔"

"اوہ.... لیکن ہم کب تک وہاں پہنچیں گے۔" قاسم ہونٹ چباتا ہوا بولا۔

"صرف دو دن لگیں گے جناب۔"

قاسم اپنی بھونڈی اور بے ڈھنگی آواز میں گنگنانے لگا۔

"کچھ زور سے سنایئے تو ہم بھی لطف اندوز ہوں۔" ایک نے کہا۔

"اجی! مجھے گانا وانا نہیں آتا۔" قاسم نے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"نہیں نہیں تم بہت اچھا گاتے ہو۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

قاسم تھوڑی دیر تک جھینپے جھینپے سے قہقہے لگاتا رہا پھر کان پر ہاتھ رکھ کر تان ماری۔

اُن کے آجانے سے جو آجاتی ہے گھر میں رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ سسرال کا حال اچھا ہے

اُس کی گونجیلی اور بھاری آواز دور تک چٹانوں میں پھیلتی چلی گئی۔ اچانک قاسم بالکل ہی بے سُرا ہو گیا اور پھر شرما کر کہنے لگا۔ "یہ نہیں دوسرا۔"

اُس نے پھر کان پر ہاتھ رکھا اور قوالی کے طرز میں حلق پھاڑنے لگا۔

"آہے.... اُمم کیا ہے.... اَہے دا.... شمشیر و سناں.... آں.... آں.... آں.... دل.... اَہے اول.... اول.... اول.... طاؤس و رباب.... آخر شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر۔"

"ارے او کم بخت۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "کیا قوالی کر رہا ہے۔"

"میں کیا جانوں! میں نے ریڈیو ٹمبکٹو سے سنا تھا۔" قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا اور پھر شروع ہو گیا۔

ہمراہی بہت زیادہ سنجیدہ تھے اور ان کی اس سنجیدگی سے نہ جانے کیوں حمید کو خوف معلوم ہو رہا تھا۔ حالانکہ ابھی تک وہ ان کے ساتھ نرمی ہی کا برتاؤ کرتے رہے تھے لیکن پھر بھی حمید اُن کی طرف سے مطمئن نہیں تھا اور ہوتا بھی کیسے جبکہ اُسے ان ساری باتوں کی غرض و غایت نہیں معلوم تھی۔ نہ جانے کون تھے اور کیا ارادہ رکھتے تھے۔

قاسم قوالی ختم کر کے تھکے ہوئے گدھوں کی طرح ہانپنے لگا۔

"حمید بھائی! ہنستی ہے۔" قاسم اُس کے قریب آکر بڑے رازدارانہ انداز میں بولا۔

"کون! کیا بک رہے ہو۔"

"ارے وہی جو اب بھی اپنے جنازے پر سوار ہے۔"

"قاسم۔ کیا تم واقعی یہی سمجھ رہے ہو کہ تم مر چکے ہو۔"

"اور کیا.... مگر مجھے ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہے۔ بھلا تکلیف ہی کون سی ہے۔ جنت میں تگڑی تگڑی عورتیں.... وہ دیکھو حمید بھائی پھر ہنس رہی ہے۔"

"تم زندہ ہو قاسم! اگر ذرا سی بھی ہمت کرو تو ہم آزاد ہو سکتے ہیں۔"

"نہ.... نہ.... بس معاف کرو۔ تمہیں یقین کیوں نہیں آتا۔ رات دیکھ چکے ہو۔ رات تم ہی نے مجھے ورغلایا تھا۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"پاگل ہی سہی.... وہ پھر ہنسی۔"

وہ چلتے رہے حتیٰ کہ شام ہو گئی۔ سورج افق میں جھکنے لگا۔ ننگی چٹانوں پر شام کی سرخ سرخ دھوپ بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ خنکی بھی پہلے سے بڑھ گئی تھی۔ لیکن حمید اب سب میں دلچسپی لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ پہاڑی راستوں کی تھکن سے وہ نڈھال ہو چکا تھا۔ قاسم کا بھی بُرا حال تھا مگر شائد جنت کی تگڑی تگڑی عورتوں کے خیال نے اُس کا حوصلہ ٹوٹنے نہیں دیا۔

سورج غروب ہونے کے بعد بھی وہ چلتے رہے شائد انہیں کسی خاص جگہ پر پہنچنا تھا۔ ہمراہیوں نے تیز چلنا شروع کر دیا تھا۔ حمید اور قاسم بھی ان کے ساتھ گھسٹ رہے تھے۔

پھر اندھیرا پھیل گیا اور ہمراہیوں نے ٹارچیں نکال لیں۔

تقریباً آدھ گھنٹہ چلتے رہنے کے بعد وہ ایک جگہ رک گئے۔ قلیوں نے سامان اُتارا اور پھر وہ سب ایک غار میں اُتر گئے۔ یہاں مومی شمعیں روشن کر دی گئیں۔ یہ غار بھی اندر سے فن تعمیر کا ایک بہترین نمونہ تھا۔ دیواروں پر اعلیٰ قسم کی نقاشی تھی اور ایک جگہ سنگی مسند پر مہاتما بدھ کی مورتی نصب تھی۔ غالباً یہ ہزاروں سال قبل بدھ درویشوں کا مٹھ رہا ہوگا۔

اچانک حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کی ساری تھکن رفع ہو گئی ہو۔ مومی شمعوں کی ٹھنڈی روشنی، مہاتما بدھ کی پُر سکون مسکراہٹ کے ساتھ اُس کی روح کی گہرائیوں میں اتری جا رہی تھی۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ کسی کا قیدی ہے۔ کچھ اجنبی اُسے کسی نامعلوم منزل کی طرف لے

جا رہے ہیں۔ معلوم نہیں وہ کون ہیں اور اس سے کیا چاہتے ہیں۔ اُسے اپنے انجام کا بھی اندیشہ نہیں تھا اس کی روح اب سے ہزاروں سال پہلے کی دنیا میں بھٹکنے لگی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس غار میں تنہا ہو جیسے وہ بھی مومی شمعوں کی طرح پگھلا جا رہا ہو.... تنہائی.... ہلکی سرخ روشنی بدھ کا ملکوتی تبسم.... ان کے علاوہ وہاں اور کچھ نہیں تھا پھر حمید کو محسوس ہوا جیسے وہ قہقہے لگا رہا ہو۔ مگر بے آواز جیسے وہ رقص کر رہا ہو مگر اعضا بے حس و حرکت.... وہ چیخ رہا تھا۔ وہ رقص کر رہا تھا۔ لیکن اُس کی زبان کے قریب گھنٹیاں سی بج اٹھیں۔ حمید چونک پڑا۔ اس کی ہم سفر اس کے پہلو میں کھڑی مورتی کو بڑی عقیدت سے دیکھ رہی تھی۔

حمید نے سر ہلا دیا۔ اس کی روح اب بھی پرانی دنیا میں بھٹک رہی تھی۔ اُس کی ہم سفر کا چہرہ ہلکی سرخ روشنی میں چمک رہا تھا۔ حمید کے ذہن میں قدیم مندروں کی مٹھوں کی دیوداسیوں کا تصور اُبھرا.... اور وہ اُسے اس تقدس آمیز روشنی میں کوئی مقدس کنواری معلوم ہونے لگے۔

"آپ کون ہیں۔" لڑکی نے پوچھا۔

"میں....!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

لڑکی اُسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ لوگ اتنے مطمئن کیوں ہیں۔"

"اوہ.... جی ہاں۔" بیک وقت حمید کو ہوش آ گیا۔ اُس نے چاروں طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔ "مصلحت۔"

غار میں قافلے کے سارے افراد موجود تھے لیکن وہ شب بسری کے انتظام میں اس طرح مصروف تھے کہ انہوں نے ان دونوں کی طرف دھیان نہیں دیا یا پھر وہ دینا ہی نہیں چاہتے تھے۔

"نہ جانے ہم کہاں اور کیوں لے جائے جا رہے ہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"آپ ان لوگوں کے ہاتھوں میں کس طرح پڑی تھیں۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں ایک رات اپنے کمرے میں سوئی تھی۔ آنکھ کھلی تو میں وہاں ہونے کی بجائے ایک غار میں تھی۔"

"فزارو میں تین شکاری مقیم تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں.... تھے تو۔"

"اُن کے متعلق آپ کا خیال ہے۔"

"اوہ.... وہ بہت شریف تھے۔"

"پچھلے سال گروی نام کا کوئی شکاری فزارو میں ٹھہرا تھا۔"

"جی ہاں.... اور وہ یقیناً اچھا آدمی نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں اس سیزن میں ہمارے یہاں نہیں ٹھہرا۔"

"کیوں وہ اچھا آدمی کیوں نہیں تھا۔"

"ہر وقت شراب پیتا رہتا تھا۔ جھگڑالو اور غصہ ور تھا۔"

"ہوں....!" حمید کچھ سوچنے لگا۔

"حمید بھائی.... کھانا کھالو۔" قاسم نے اُسے آواز دی۔

"بہر حال۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ "بہتری اسی میں ہے کہ ہم لوگ چپ چاپ چلتے رہیں اور آپ کھانا نہ چھوڑیئے۔ میرے ساتھی کو دیکھئے کتنا مست ہے۔"

"احمق معلوم ہوتے ہیں۔" لڑکی مسکرائی۔

پھر وہی غار

گروی کی فراہم کردہ معلومات میں اصلیت رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ فریدی نے جو کچھ بھی کہا اس سے ملنے کے بعد ہی کہا۔ ٹیکم گڈھ پولیس کے گذشتہ ریکارڈ میں اُسے بعض حیرت انگیز باتیں ملیں۔ متواتر کئی سال سے سردیوں کے موسم میں بہتیرے آدمی غائب ہو جاتے تھے۔ بوڑھوں اور بچوں کے غائب ہونے کی کوئی رپورٹ کبھی نہیں درج کرائی گئی تھی۔

فریدی نے اپنے ساتھیوں کو فزارو سے ہٹادیا اور خود وہیں مقیم رہا۔ اُس کی تجویز تو یہ تھی کہ سب لوگ واپس چلے جائیں لیکن کسی نے بھی اُسے منظور نہ کیا۔ پھر اُس نے صرف عورتوں کی واپسی پر زور دیا لیکن یہ بات بھی رد کر دی گئی۔

فزارو میں غرتاش اور اس کے ساتھی اب بھی مقیم تھے۔ حالانکہ گروی نے ان کے خلاف کافی زہر اگلا تھا لیکن فریدی کے پاس ان کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں تھا۔ لیکن وہ اُن سے

ہوشیار ضرور رہتا تھا۔

وہ اس بات کے امکانات پر بھی غور کرتا رہا تھا کہ وہ حرکت تیسری پارٹی کی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ بات تو اُس پر واضح ہو گئی تھی کہ اس دن اُس کی مصنوعی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے والا گروی کی پارٹی کا آدمی نہیں تھا کیونکہ وہ اُس کے ساتھیوں کی اور اُس کی گفتگو چھپ کر بھی سن چکا تھا۔

سیتل گھاٹی سے پولیس کا پہرہ ہٹا لیا گیا تھا اور یہ فریدی ہی کی ایماء پر ہوا تھا۔ آج دوپہر کو بھی کافی برف باری ہوئی تھی اور شام تک آسمان بادلوں سے ڈھکا رہا تھا۔ لیکن رات ہوتے ہی بادل چھٹ گئے تھے اور برف کی سفید چادر پر کبھی کبھی چاندنی کی خشمگین نظر آنے لگتی تھی۔

فریدی شام ہی سے ایک غار میں جا گھسا تھا۔ آج اُس کے ارادے حقیقتاً خطرناک نظر آرہے تھے۔ اُس کے پاس آج رائفل کی بجائے ٹامی گن تھی اور کاندھے پر ایک بہت بڑا جال تہہ کیا ہوا تھا۔

غار میں اندھیرا تھا اور فریدی ایک کونے میں دبکا ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اُسے غار میں کسی دوسرے آدمی کے داخلے کی توقع تھی۔ اُس کی آنکھیں دراصل ایک سوراخ سے لگی ہوئی تھیں، جو ٹھیک اُس جگہ کے سامنے تھا جہاں اُسے بھوت دکھائی دیئے تھے۔ فریدی تنہا تھا اُس کے ساتھیوں نے اس مہم میں حصہ لینا چاہا تھا لیکن فریدی نے انکار کر دیا تھا۔ غزالہ تو اب تک اُس کی مخالفت کرتی رہی تھی۔

جس غار میں فریدی اس وقت بیٹھا تھا یہ بھی اُس کی ایک پرانی دریافت تھی۔ لیکن وہ اس بات پر مطمئن نہیں تھا کیونکہ دوسرے لوگ بھی اس سے واقف ہو سکتے تھے۔

ٹھیک دس بجے اس غار کے دہانے پر قدموں کی آواز سنائی دی۔ یقیناً کوئی اُسی غار میں گھسا آرہا تھا۔ فریدی سوراخ چھوڑ کر ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں ہو گیا، جو غار کے آخری سرے سے تھوڑا ہی ہٹا ہوا تھا۔

آنے والے نے ٹارچ روشن کی اور غار کا جائزہ لیتا رہا۔ فریدی پتھر کی اوٹ میں ہونے کی وجہ سے روشنی کی زد سے باہر تھا۔ اُس نے محسوس کیا کہ آنے والا بھی اُسی پتھر پر بیٹھ گیا ہے جس پر تھوڑی دیر قبل وہ خود بیٹھا ہوا تھا اور غالباً وہ اسی سوراخ سے جھانک بھی رہا تھا۔

فریدی چپ چاپ پڑا رہا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد خود اُسے اپنی ناکارگی کھلنے لگی وہ سوچ رہا تھا کہ

آخر یہ کون ہو سکتا ہے اُس نے کچھ دیر اور انتظار کیا لیکن جب دیکھا کہ وہ ابھی تک اُسی طرح پڑا ہوا تھا تو اُس نے پتھر کی اوٹ میں دبکے رہنا مناسب نہ سمجھا۔

وہ چپکے سے اٹھا اور ٹامی گن کی نال اُس کی پیٹھ پر رکھ دی۔

"خاموش" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ"

اس نے بے چوں وچرا تعمیل کی۔ فریدی نے ٹارچ نکالی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اُس کے منہ سے حیرت زدہ سی آواز نکل گئی۔

یہ فزارو کا منیجر تھا اور اس کے چہرے پر اب بھی وہی معصوم مسکراہٹ تھی۔

"آپ یہاں کیسے ؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہی سوال میں آپ سے بھی کر سکتا ہوں۔" منیجر نے مسکرا کر کہا۔

فریدی کو اطمینان تھا کہ وہ اُسے پہچان نہ سکے گا کیونکہ اُس نے میک اپ کر رکھا تھا اور یہ میک اپ معمولی نہیں بلکہ اُس کا مخصوص ترین میک اپ تھا جو ایمونیا کے بغیر بگڑ ہی نہیں سکتا تھا۔

"آپ شائد فزارو کے منیجر ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اور میرے خیال سے یہ کوئی بُری بات نہیں۔"

"میں پوچھتا ہوں تمہارا یہاں کیا کام۔" فریدی نے گرج کر پوچھا۔

"اوہ.... آپ کون ہیں۔"

"میری بات کا جواب دو۔" فریدی نے کہا۔

"اول تو آپ کی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آئی۔" منیجر سنجیدگی سے بولا۔ "دوسری بات یہ کہ آپ اس قسم کے سوالات کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ ویسے اخلاقاً میں آپ کو یہ بتا سکتا ہوں کہ ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں والے بھوت دیکھنے کی خواہش مجھے یہاں لائی ہے۔"

"آپ کون ہیں جناب والا۔" اُس نے بڑی خوش اخلاقی سے پوچھا۔

"اور تمہیں یقین ہے کہ وہ یہیں سے دکھائی دیں گے۔"

منیجر نے کوئی جواب نہ دیا اور فریدی یہ بھی نہ محسوس کر سکا کہ دوسرے لمحے میں یقیناً اُس کا ہاتھ اُس کے ٹارچ والے ہاتھ پر پڑے گا۔

ساتھ ہی ایک بھرپور گھونسہ بھی فریدی کے جبڑے پر پڑا۔ ٹامی گن بھی اُس کے ہاتھ سے

نکل گئی اور پھر وہ بھوتوں پر جال ڈالنے کی حسرت دل ہی میں لئے ہوئے چند لمحوں کے لئے بے حس و حرکت ہو گیا کیونکہ گرتے وقت اُس کا سر پتھر سے ٹکرا گیا تھا۔

جب اُسے ہوش آیا تو اُس نے دیکھا کہ پانچ چھ مسلح آدمی اپنے ہاتھوں میں مشعلیں اٹھائے اُس کے گرد کھڑے ہیں لیکن اُن میں فزارو کا منیجر نہیں تھا۔ فریدی نے چپ چاپ پڑے ہی رہنا مناسب سمجھا کیونکہ وہ بالکل تنہا ہو چکا تھا۔

وہ کچھ دیر تک کھڑے سرگوشیاں کرتے رہے۔ پھر چار آدمیوں نے مل کر فریدی کو اٹھایا مشعلیں بجھا دی گئیں۔ بالکل اندھیرا چھا گیا اور اب فریدی کے لئے باقاعدہ طور پر آنکھیں کھلی رکھنا قطعی آسان ہو گیا تھا۔

غار سے نکل کر وہ لوگ چٹانوں کے سلسلے کے نیچے ہی نیچے پچھم کی طرف بڑھنے لگے۔ کئی بار فریدی کا دل چاہا کہ اُن سے الجھ پڑے اور اب حقیقتاً وہ اس پوزیشن میں تھا کہ اُن سے اکیلے ہی نپٹ سکتا تھا کیونکہ اس کا ہاتھ ایک اٹھانے والے کے ہولسٹر میں جھول رہا تھا اگر وہ چاہتا تو بہ آسانی اُس کے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیتا۔ لیکن وہ اپنی طبیعت پر جبر کرتا رہا۔

کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک غار میں گھسے اور انہوں نے پھر مشعلیں روشن کر لیں۔ فریدی کو آنکھیں بند کر لینی پڑیں لیکن اس کی پلکیں اب بھی ذرا سی کھلی ہوئی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد اُس نے محسوس کیا کہ وہ ایک سرنگ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اُسے سرنگ ہی کہا جا سکتا تھا کیونکہ یہ راستہ کسی طرح سے بھی غیر مسطح نہیں تھا۔ یقیناً یہ ایک انسانی کارنامہ تھا۔

سرنگ سے گذر کر وہ ایک مٹھ میں پہنچے۔ فریدی کو فرش پر ڈال دیا گیا اور ایک آدمی کے علاوہ اور سب وہاں سے چلے گئے۔ ایک بار پھر فریدی کے دل میں آئی کہ کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہئے لیکن اس نے اس خواہش کو زیادہ نہ ابھرنے دیا۔ بس وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔ وہاں رک جانے والا آدمی اس کے پیروں کے پاس کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ اگر انہیں اسے مارڈالنا ہی مقصود ہوتا تو وہ ہی ختم کر دیتے۔ آخر وہ اسے یہاں کیوں اٹھا لائے ہیں۔ دفعتاً اُسے ٹیکم گڈھ پولیس آفس کے پرانے فائل یاد آگئے جن میں اس نے مردوں اور عورتوں کے اغواء کی رپورٹیں دیکھی تھیں۔ گرومی کے غائب ہو جانے والے ساتھی یاد آئے جن کی لاشیں نہیں مل

سکی تھیں اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ ابھی حال ہی میں قاسم اور حمید بھی اسی سیٹل
میں غائب ہو گئے تھے۔

"میں کہاں ہوں۔" اس نے اپنے قریب ہی ایک نسوانی آواز سنی۔

یہ بھی گویا معجزہ ہی تھا کہ آواز کی طرف فریدی کی گردن نہیں گھومی۔ ورنہ ایسے موقعوں
سرزد ہونے والے افعال سو فیصدی اضطراری ہوتے ہیں اور ان میں ارادے کو قطعی دخل نہ
ہوتا۔ اس کے قریب کھڑے ہوئے آدمی نے آہستہ سے کچھ کہا جسے فریدی نہ سن سکا۔

"تم کون ہو..... میں کہاں ہوں۔" آواز پھر آئی۔ لیکن فریدی کو اپنے کانوں پر یقین نہ
کیونکہ وہ آواز فرزانہ کی تھی۔ فریدی اس آواز کو ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔ کیونکہ اسے اس آ
سے نفرت تھی۔

اب بھی اس نے اپنی حالت میں کوئی تغیر نہ پیدا ہونے دیا۔ فرزانہ شائد کھڑی ہو گئی تھی۔

"تشریف رکھئے۔" اس آدمی نے کہا۔ "آپ محفوظ ہیں۔ تشویش کی بات نہیں۔"

فرزانہ ہلڑ مچانے لگی لیکن وہ آدمی خاموش رہا۔ لیکن جب فرزانہ باہر نکل جانے کے
دریچے کی طرف جھپٹی تو اُس نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔

"اُدھر موت ہے۔"

فرزانہ یک بیک رک گئی۔ فریدی اب بھی چپ چاپ پڑا رہا۔ وہ اس ڈرامے کے دوسر
سین کا منتظر تھا۔

تھوڑی دیر بعد بقیہ لوگ پھر واپس آ گئے۔ ان کے ساتھ دو عدد اسٹریچر تھے۔ ان میں
آدمیوں نے فرزانہ کو پکڑ لیا اور ایک نے اس کے بازو میں کسی چیز کا انجکشن دے دیا۔ فرزانہ چیخ
رہی وہ اب بھی کافی مغلق الفاظ میں ان لوگوں کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔ نہ جانے کس طرح فرید
اپنی ہنسی ضبط کئے رہا لیکن اس وقت اس پر یہ بات روشن ہو گئی کہ فرزانہ عادتاً بڑے بڑے الفا
بولتی ہے اس کا مقصد خود نمائی ہر گز نہیں۔

آہستہ آہستہ فرزانہ کی آواز دبتی گئی اور پھر سکوت طاری ہو گیا۔

فریدی اور فرزانہ کو اسٹریچروں پر ڈال کر وہ لوگ پھر چل پڑے۔

اس بار وہ جس سرنگ میں داخل ہوئے تھے کافی طویل معلوم ہوتی تھی۔ چار آدمیوں نے

ہیں سنبھال رکھی تھیں۔

فریدی اب بھی خاموش تھا لیکن اسٹریچروں کے استعمال ہی سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ
با معلوم ہوتا ہے۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد وہ سرنگ سے باہر نکلے۔ فریدی نے گردن گھما کر دیکھا دو آدمی سرنگ
دہانے کو بند کر رہے تھے۔ یہاں فریدی پر دو تین کمبل ڈال دیئے گئے لیکن جیسے ہی وہ لوگ
ہوئے فریدی نے منہ کھول دیا۔

بادل بالکل ہی پھٹ گئے اور نکھری ہوئی چاندنی میں پہاڑیاں نہا گئی تھیں۔ سناٹے میں صرف
وں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس سے فریدی نے اندازہ لگایا کہ شاید اس طرف برف
نہیں ہوئی ورنہ قدموں کی آوازوں میں اتنی گونج نہ ہوتی۔

فریدی کا دل دھڑک رہا تھا۔ خوف سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ وہ عنقریب کسی بہت ہی
ے راز سے دوچار ہونے والا ہے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ لوگ اسے کہاں لے جائیں گے اور اس سے کیسا برتاؤ
یا گے۔ فرزانہ کے ساتھ بھی ان لوگوں نے کسی قسم کی سختی نہیں کی تھی اور شائد انجکشن
ا اس لئے دیا تھا کہ وہ بے ہوش ہو جائے اور اسے ان راستوں کا علم نہ ہو سکے جن سے وہ کہیں
لے جائی جانے والی تھی۔

اسے بھی فطرت کی ستم ظریفی ہی کہنا چاہئے کہ سردی کی شدت کے باوجود بھی فریدی کی
ں نیند سے بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ فریدی نے نیند کے خلاف ذہنی جنگ شروع کر دی۔ وہ
ت بھر چلتے رہے اور فریدی جاگتا رہا۔ وہ اپنے ذہن میں سمتوں کے نقشے مرتب کرتا جا رہا تھا۔

صبح ہوتے ہوتے فرزانہ کو ہوش آ گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتی رہی۔
یدی کا اسٹریچر اس کے اسٹریچر کے برابر ہی تھا۔ اس نے اس کی سہمی ہوئی شکل دیکھی اور
چنے لگا کہ آخر وہ کس طرح پھنس گئی کیا اسے نصرت کے مکان سے نکال کر لایا گیا ہے۔ اگر ایسا
ے تو دوسری عورتیں بھی محفوظ نہیں۔

صبح کے ناشتے کے لئے وہ لوگ رک گئے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اس کے مسلح ہمراہی
نہائی اطاعت شعار قسم کے غلاموں کی طرح پیش آ رہے تھے۔ فرزانہ انہیں بُرا بھلا کہہ رہی تھی

لیکن ان میں سے کسی کی پیشانی پر شکن تک نہیں تھی۔

"آپ ان لوگوں کے ہاتھ کس طرح لگیں۔" فریدی نے فرزانہ سے کہا۔ "میرا خیا کہ میں نے آپ کو فزارو میں دیکھا تھا۔"

"میں کچھ نہیں جانتی.... میں ایک پولیس آفیسر کے یہاں تھی.... اور ایک دو، پولیس آفیسر کی تلاش میں فزارو آئی تھی۔ فزارو سے واپسی پر بلائے آسمانی کی طرح کوئی الجھ والی چیز مجھ پر گری اور پھر مجھے کچھ یاد نہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فرزانہ نے پوچھا۔ "آخر یہ کون ہیں اور ہمیں کہاں جا رہے ہیں۔"

"پتہ نہیں۔" فریدی نے سر ہلا دیا۔

"آپ کون ہیں۔"

"میں.... ایک شکاری ہوں۔ مگر یہ لوگ بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔"

اس سفر میں کئی بار ہمراہیوں نے فریدی سے پیدل چلنے کی استدعا کی لیکن اس نے منظور نہ کیا۔ اس نے اپنے گھٹنوں میں تکلیف کا بہانہ کر کے اسٹریچر ہی پر پڑے رہنا مناسب البتہ کسی جگہ قیام ہونے کی صورت میں وہ لنگڑا لنگڑا کو تھوڑا بہت ٹہل ضرور لیتا تھا۔

فرزانہ نے اپنی فصیح اور بلیغ تقریروں سے اس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ لیکن کبھی کبھی ا رونے کا دورہ بھی پڑ جاتا تھا۔ فریدی نے اسے اب تک نہیں بتایا تھا کہ وہ کون ہے۔ ویسے وہ تسلیاں ہی دیتا رہتا تھا۔

تیسرے دن وہ اسی وادی میں پہنچ گئے جہاں قاسم نے ایک فیصلہ کن جنگ کی تھی۔ فریدی کے ہمراہی بہت زیادہ سراسیمہ نظر آنے لگے تھے کیونکہ وادی کے نشیب میں بسا ہوا ویران نظر آ رہا تھا اور وہاں انہوں نے کچھ لاشیں بھی دیکھیں پھر جب وہ اس سنگی عمارت داخل ہوگئے تو ان میں سے کئی کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ حالانکہ وہ کافی تھکے ہوئے تھے انہوں نے قیام نہ کیا۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ وہ جلد سے جلد اس وادی سے نکل جا کوشش کر رہے ہیں، انہیں عمارت میں بھی پندرہ بیس لاشیں نظر آئی تھیں اور ان کی بدبو ک سے پوری عمارت میں کہیں بھی ناک نہیں دی جا رہی تھی۔

فرزانہ کے تو حواس غائب تھے۔ اس نے جو چپ چاپ سادھی تو پھر فریدی کے متوجہ کرنے پر بھی اس کے منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ نہ اب وہ ہمراہیوں کو برا بھلا کہہ رہی تھی اور نہ اپنے ڈیڈی کو یاد کر کے روتی تھی۔

قاسم کی درندگی

تیسرے دن قافلہ ایک سرسبز وادی میں داخل ہو رہا تھا اور یہاں سے شائد پیدل چلنے والوں کی صعوبتوں کا خاتمہ ہو جانے کو تھا وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرے۔

یہ گاؤں تیس چالیس چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں پر مشتمل تھا۔ وسط میں پتھر کی عمارت تھی۔

قاسم، حمید اور وہ لڑکی عمارت کے اندر لے جائے گئے اور یہاں بھی ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی گئی۔

دوپہر کا کھانا ان کے سامنے لگایا گیا۔ تو ایک بہت چھوٹے سے قد کا مسخرہ آکر اچھلنے کودنے لگا۔ غالباً وہ ان کا دل بہلا رہا تھا۔

قاسم بے تحاشہ قہقہے لگا رہا تھا۔ حمید کو مسکرانے کی بھی فرصت نہیں تھی اس کا ذہن اس عجیب و غریب سفر کی نوعیت میں الجھ کر رہ گیا تھا اور ہر لحظہ اسے کسی اچانک حادثے کا اندیشہ پریشان کئے رہتا تھا۔

اس عمارت میں پہلے سے بھی کچھ آدمی موجود تھے اور ان کا رویہ بھی انتہائی خادمانہ تھا۔ ان میں سے کسی نے ایک بار بھی ہمراہی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ لڑکی کا خوف بالکل رفع ہوگیا تھا لیکن اب خوف کی جگہ گہرے قسم کے تحیر نے لے لی تھی۔ دسترخوان پر وہی تینوں اکیلے تھے۔ سامنے دو خادم دست بستہ کھڑے تھے۔ دسترخوان اور خادموں کے درمیان میں بونا مسخرہ اچھل کود رہا تھا۔

"حمید بھائی.... ذرا اس چوزے کو دیکھنا۔" قاسم نے بونے کی طرف دیکھ کر کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک بونی کمرے میں داخل ہوئی اور وہ بھی بونے ہی کی طرح اچھلنے کودنے لگی۔

"ارے.....!" قاسم حیرت سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "بونی بھی۔"

وہ چند لمحے منہ پھاڑے انہیں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اے قربان جاؤں پاک پروردگار تیر قدرت کے۔ بونے کے لئے بونی بھی پیدا کردی۔ کیوں حمید بھائی۔ ہی ہی ہی۔"

"اس عمارت کے لوگ بھی بڑے شائستہ معلوم ہوتے ہیں۔" حمید نے لڑکی سے کہا۔

"میں تو اب سچ مچ پاگل ہو جاؤں گا۔ آخر یہ سب کیا ہورہا ہے۔"

"وہم کا کوئی علاج ہی نہیں۔" قاسم نے کسی فلسفی کی طرح خود اعتمادی کے لہجے میں کہا۔

"وہم! کیا وہم۔" حمید اسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔

"یہی وہم کہ ہم لوگ دوسری دنیا میں نہیں ہیں۔" قاسم نے کہا۔ "آپ لوگوں کو زندگی مبارک رہے۔ میں تو سو فیصدی مر چکا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے بونے کے لئے بونی پیدا کی ہے میرا کچھ نہ کچھ انتظام ضرور کر دیا ہوگا۔"

لڑکی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور حمید قاسم کو کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔

"کیا میں غلط کہہ رہا ہوں.... حمید بھائی۔"

"بکواس بند کرو۔"

"ہائیں.... پھر توہین کی۔" قاسم بگڑ کر کھڑا ہو گیا۔ حمید اس کا شانہ تھپکنے لگا۔

دوپہر کا کھانا ختم کر چکنے کے بعد بھی وہ وہیں بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر بعد انہیں ایک خاد اپنے ساتھ ایک بڑے کمرے میں لے گیا جہاں بستر پہلے ہی سے موجود تھے۔ دو دن کی تھکن کے بعد انہیں پہلی بار گہری نیند آئی تھی۔ وہ چار بجے تک مردوں کی طرح پڑے رہے پھر ایک ہیجان انگیز شور نے حمید کو جگا دیا۔ پہلے تو وہ کچھ نہ سمجھا اسے صرف شور کا احساس ہو رہا تھا۔ پھر جیسے جیسے ذہن نیند کے اثرات سے چھٹکارا پاتا گیا شور کی نوعیت سمجھ میں آتی گئی۔

یہ پے در پے فائروں کی آوازیں تھیں اور اُن میں آدمیوں کی چیخیں بھی شامل تھیں۔ حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لڑکی بھی اٹھ بیٹھی تھی لیکن قاسم اس طرح مچل مچل کر کروٹیں بدل رہا تھا جیسے مچھروں کی زیادتی اس کی نیند میں خلل انداز ہو رہی ہو۔

"قاسم....!" حمید نے اُسے جھنجھوڑا۔

"اوں ہوں.... ڈاب.... ڈاب.... کباب....!" وہ منہ چلاتا ہوا دوسری کروٹ ہو گیا۔

پھر حمید نے اُسے اس طرح جھنجھوڑا کہ اٹھنا ہی پڑا۔ وہ چند لمحے آنکھیں مل مل کر طرح طرح کے منہ بناتا رہا پھر جماہی لے کر اچانک اچھل پڑا۔ شائد شور کی آواز اب اُس کے ذہن میں صاف ہوئی تھی۔

"ہائیں! حمید بھائی یہ کیا ہورہا ہے۔" وہ آنکھیں پھاڑ کر آہستہ سے بولا۔

"پتہ نہیں! لیکن یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ اب موت نہ آئے گی۔" حمید نے کہا۔

دوسرا لمحہ اُن کے لئے انتہائی تشویش ناک تھا کیونکہ ایک گولی سنسناتی ہوئی سیدھی دروازے کے سامنے سے گذری تھی۔ اب شور و غل عمارت کے نچلے حصے میں ہو رہا تھا اور کچھ اس قسم کی وحشت ناک چیخیں سنائی دینے لگی تھیں جیسے لوگ گولیاں کھا کھا کر ڈھیر ہو رہے ہوں۔

دفعتاً دو آدمی رائفلیں سیدھی کئے ہوئے کمرے میں گھس آئے۔ دونوں نے بیک وقت چیخ کر کچھ کہا اور رائفلوں کی نالیں اُن کی طرف تان لیں۔ اُن دونوں کے چہرے بڑے خوف ناک تھے۔ انہوں نے بھیڑ کی کھال کا لباس پہن رکھا تھا اور اُن کے سروں پر سیاہ ٹوپیاں تھیں جن کے بال اتنے لمبے تھے کہ اُن کی آنکھوں تک لٹک آئے تھے۔

"قاسم! ہاتھ اٹھا دو۔" حمید نے اپنے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں اٹھاتا۔" قاسم نے جھنجھلا کر کہا وہ بھی طرح طرح کی غصیلی شکلیں بنا کر انہیں گھور رہا تھا۔

لڑکی ڈر کر حمید سے لپٹ گئی تھی۔

ان میں سے ایک نے پھر چیخ کر کچھ کہا۔ الفاظ حمید کی سمجھ میں نہیں آئے۔

پھر اُسی وضع قطع کے کئی اور آدمی کمرے میں گھس آئے۔ ان میں سے ایک نے لڑکی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اُس کی چیخ دل ہلا دینے والی تھی۔

"قاسم خدا کے لئے۔" حمید بڑبڑایا۔ "کوئی حماقت نہ کرنا۔"

"حمید بھائی دیکھتے نہیں سالوں کو۔"

"دیکھ رہا ہوں۔ لیکن ہم نہتے ہیں۔ چپ چاپ دیکھو لیکن خائف نہ ہونا۔ یہ بھوت نہیں ہیں۔ بھوت رائفل نہیں رکھتے۔"

"اچھا.... میں نہیں ڈروں گا۔" قاسم نے سعادت مندانہ انداز میں سر ہلایا۔

وہ لوگ انہیں رائفلوں کے کندھے سے دھکیلتے ہوئے باہر نکال لائے۔

حمید نے صحن میں اپنے ہم سفروں میں کئی کی لاشیں دیکھیں۔ اُن میں کچھ زخمی بھی تھے، جو بیہوشی کی حالت میں بھی کراہ رہے تھے۔ برآمدے میں تخت پر ایک گرانڈیل آدمی کھڑا مرنے والوں کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ شائد ان وحشیوں کا سردار تھا۔ حمید نے کچھ ہم سفروں کو رسیوں سے جکڑا بھی دیکھا۔ اُن میں وہ چاروں بھی تھے جو اردو بولتے تھے۔ انہوں نے بڑی ندامت آمیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

"یہ جانور ہمارے دشمن ہیں۔" اُن میں سے ایک نے کہا۔

لڑکی کو دیکھ کر وحشیوں کا سردار ہونٹ چاٹنے لگا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا جس کے جواب میں انہوں نے قہقہے لگائے اور لاشوں کو روندتے ہوئے تخت کے قریب آگئے۔

پھر سردار حمید اور قاسم کو گھورنے لگا۔

اتنے میں دو آدمی بونی عورت کو پکڑ لائے۔ اس کا قد تین فٹ سے زیادہ نہ رہا ہوگا۔ اُس نے اُسے بازوؤں سے پکڑ کر اچھال دیا۔ پھر اُسے ہاتھوں پر روک کر اپنے ایک ساتھی کی طرف اچھال دیا۔ اُس نے بھی ہاتھوں پر روک کر تیسرے کی طرف اچھال دیا۔ بونی کے منہ سے ڈری ڈری چیخیں نکل رہی تھیں اور وہ لوگ بے تحاشہ قہقہے لگا رہے تھے۔

"یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔" حمید نے ایک ہمراہی سے پوچھا۔

"یہ ہمارے دشمن، یہ ہمیں قیدی بنا کر اپنے علاقے میں لے جائیں گے۔"

"تمہارے اور آدمی کہاں ہیں۔"

"یہاں سے بیس میل کے فاصلے پر دوسری چوکی ہے۔"

دفعتاً حمید نے لڑکی کی چیخ سنی۔

وحشیوں کا سردار اُس کے گال چٹکیوں میں دبائے کچھ کہہ کہہ کر ہنس رہا تھا۔ بونی بدستور اچھالی جا رہی تھی اور اس کی چیخیں بھی گونج رہی تھیں۔

پھر سردار لڑکی کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے دلچسپ مشغلے میں شریک ہوگیا۔ اُس نے بونی کی ایک ٹانگ پکڑ لی اور اسے گردش دینے لگا لیکن اب وہ چیخ نہیں رہی تھی۔

چکر دیتے ہوئے اُس نے اُسے ایک بار چھوڑ دیا اور وہ اس کے ہاتھ سے نکل کر سامنے والی

یوار سے جا ٹکرائی۔

اور پھر وہ منظر کم از کم حمید سے تو نہ دیکھا گیا۔ اس کی کھوپڑی پاش پاش ہوگئی تھی۔

"خدا کی قسم۔" قاسم رسیوں میں زور کرنے لگا۔ "میں نہیں دیکھ سکتا۔ اس شیطان کے بچے کو بھی اسی طرح ماروں گا۔ چاہے میرے پرخچے اڑ جائیں۔"

"قاسم احمق نہ بنو..... صبر کرو۔" حمید نے کہا۔

وحشیوں نے اب بونے کی لاش اچھالنی شروع کر دی تھی۔ وہ اس مشغلے میں اس طرح منہمک تھے کہ اپنے قیدیوں کی طرف دیکھنا بھی بھول گئے۔ قاسم رسیوں سے زور آزمائی کر رہا تھا۔ یکا یک رسیاں ٹوٹ گئیں۔ اُس نے قریب ہی پڑی ہوئی ایک رائفل اٹھائی اور اس کی نال پکڑے ہوئے وحشیوں کے مجمع میں گھس گیا۔ سب سے پہلے اُس نے رائفل کا ایک کندہ اُن کے سردار ہی کے سر پر جھاڑ دیا۔ قاسم کی قوت تو بہر حال اظہر من الشمس تھی اُس پر طرہ یہ کہ وہ غصے میں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سردار پہلی ہی چوٹ میں ڈھیر ہوگیا۔ قبل اسکے کہ وحشیوں کو کچھ سمجھنے کا موقع ملتا قاسم نے تین آدمیوں کو گرا دیا۔ اُس نے رائفل کو ڈنڈے کی طرح پکڑ رکھا تھا اور اُسے کسی مشاق لٹھ باز کی طرح گردش دے رہا تھا۔ وحشیوں کے سر میں نہ جانے کیا سمائی کہ انہوں نے بھی وہی حرکت کرنا شروع کر دی ورنہ شائد قاسم کی پیشانی پر پڑی ہوئی ایک ہی گولی اس کا کام تمام کر دیتی۔

وحشی حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے تھے۔

"لڑکی کیا دیکھ رہی ہو۔" حمید نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہمیں کھول دو۔"

لڑکی نے گھبرائی ہوئی نظروں سے ادھر اُدھر دیکھا اور ایک مردے کی کمر سے خنجر کھینچ کر اُن کی رسیاں کاٹنی شروع کر دیں۔ وحشی چاروں طرف سے قاسم پر ٹوٹ پڑے تھے اور انہیں کسی بات کا ہوش نہیں رہ گیا تھا۔ قیدیوں میں آٹھ آدمی تھے اور ان کی رائفلیں وہیں لان میں پڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے چھوٹتے ہی اپنے دشمنوں کو نشانہ پر رکھ لیا۔ جب تک وحشی سنبھلتے اُن کے چار آدمی کام آچکے تھے۔ انہوں نے دوسری باڑھ ماری تین اور گرے۔ قاسم نے یہ ماجرہ دیکھا تو دھڑ سے زمین پر گر گیا۔

دونوں طرف سے پھر گولیاں چلنے لگیں۔ حمید کے ہمراہیوں نے ستونوں کی اڑ لے لی تھی اور اُن کے دشمن کھلے میں تھے۔ تیسری باڑھ نے اُن کے قدم اکھاڑ دیئے لیکن بھاگ نکلنے کے

سارے راستے خود انہوں نے ہی مسدود کر دیئے تھے۔

اب وہ تعداد میں صرف پانچ رہ گئے تھے۔

گولیاں چلتی رہیں ایک اور گرا۔ پھر باقی چار نے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھ کر اپنی ر
پھینک دیں اور زمین پر اوندھے گر گئے۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ چاروں اسی جگہ بندھے کھڑے تھے۔

قاسم نے بیہوش سردار کو اٹھا کر تخت پر ڈال دیا اور دونوں ہاتھوں سے رائفل کی نال
اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے وہ اس کے اٹھنے کے انتظار میں ہو۔

"یہ کیا کر رہے ہو۔" حمید نے کہا۔

"اپنی قسم پوری کروں گا۔" قاسم ہانپتا ہوا بولا۔ "جیسے ہی اٹھے گا بس ایک ہی ہاتھ میں
کھوپڑی کے چار ٹکڑے کر دوں گا۔"

"یہ نہ کیجئے تو بہتر ہے۔" ایک ہمراہی نے کہا۔ "اُسے قیدی بنا کر لے چلنا ہی زیادہ بہتر ہو

"ہرگز نہیں۔" قاسم نے کہا اور جھک کر سردار کے سر سے ٹوپی اتار لی۔

"انہیں سمجھایئے۔" ہمراہی نے حمید سے کہا۔ "اسے زندہ لے جانا ہمارے لئے زیادہ مفید ہو

حمید نے قاسم کو سمجھانا چاہا لیکن وہ پھیل گیا۔

"کیا آپ انہیں کسی تدبیر سے باز رکھ سکتی ہیں۔" ہمراہی نے لڑکی سے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے۔" لڑکی نے بڑی بے رخی سے کہا۔ "لیکن اُس صورت میں جب ہمیں اِ
کا مقصد بتا دیا جائے۔"

"محترمہ! ہم فی الحال اس سے معذور ہیں۔"

"تب ادھر بھی مجبوری ہی ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"ہرگز نہ مانوں گا۔" قاسم غصیلی آواز میں بولا۔ "مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ غضب
ان درندوں نے اسی ننھی سی جان کو تماشا بنا کر مار ڈالا۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں.... میں اس
سر کا گودا ناک کے راستے بہاؤں گا۔"

قاسم نے اب اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا مناسب نہ سمجھ کر ایک گھونسہ اُس کے
پر جھاڑ دیا اور وہ ایک ذبح کئے ہوئے مرغ کی طرح تڑپنے لگا۔ پھر اٹھ کر بھاگا لیکن اس کی آنکھ

نہ تھیں قاسم نے پھر ایک ہاتھ مار دیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی لاش کو پہچاننا بھی ناممکنات میں سے ہو گیا۔ نہ ناک کا پتہ تھا اور نہ
ہانے کا صرف اس کے دہانے کے بڑے بڑے دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔

اس کے چاروں ساتھی اس طرح کانپ رہے تھے جیسے انہیں سردی لگ کر بخار آ گیا ہو۔

کی نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا تھا۔

"قاسم تم نے بہت بُرا کیا۔" حمید نے کہا۔

"چلو چلو! نہیں تو ابھی ایک ہاتھ جھاڑ دوں گا پراٹھا ہو کر رہ جاؤ گے۔" قاسم بولا۔

اُس پر سچ مچ خون سوار ہو گیا تھا۔ اُس نے ہمراہیوں سے پوچھا۔ "ان چاروں کے لئے کیا کہتے
ہو۔ جلدی کرو۔ بھوک کے مارے میرا دم نکلا جا رہا ہے۔"

"جناب والا۔" ایک نے کہا۔ "ہم یہی درخواست کریں گے کہ انہیں قیدی بنا کر لے جایا جائے۔"

"تم لوگ واقعی بڑے بے حیا معلوم ہوتے ہو۔" قاسم مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"آپ بہت تھک گئے ہیں.... اب تھوڑا آرام کر لیجئے۔"

"آرام کر لوں.... اور کھانا.... اللہ قسم پیارے دم نکلا جا رہا ہے۔"

"آپ چلئے تو اپنے کمرے میں۔" ہمراہی نے گڑگڑا کر کہا۔ "کھانا بھی آ جائے گا۔"

پھر حمید اُسے کسی نہ کسی طرح بہلا پھسلا کر کمرے کی طرف لے گیا۔

قاسم بڑی دیر میں ٹھنڈا ہوا۔

"اب کیا خیال ہے تمہارا۔" حمید نے پوچھا۔ "مر گئے ہو یا زندہ ہو۔"

"یہ سب سالے بھی چار سو بیس معلوم ہوتے ہیں۔" قاسم نے کہا۔ "آج رات کو انہیں
بھی ٹھنڈا کرو اور نکل چلو۔"

"کہاں نکل چلیں.... کہاں.... بھٹکتے پھریں گے۔" حمید بولا۔ "مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے
جیسے یہ ہماری زندگی کا آخری سفر ہے۔"

"تو کیا ہم واقعی مر جائیں گے۔" قاسم نے غمناک لہجے میں پوچھا۔

"دیکھو! کیا ہوتا ہے۔ ویسے اب کچھ گڑبڑ نہ کرنا۔ چپ چاپ دیکھتے جاؤ۔"

قاسم اس انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے حمید کی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔

مل گئے

فریدی کے ہمراہی بڑی تیزی سے راستہ طے کر رہے تھے۔ شائد انہیں اپنی تھکن کا احساس نہیں تھا۔

"آخر آپ لوگ اتنے خوفزدہ کیوں ہیں۔" فریدی نے اُن میں سے اس آدمی سے پوچھ اردو بول اور سمجھ لیتا تھا۔

"ہمارے دشمن ہماری گھات میں ہیں۔"

فریدی نے اب اسٹریچر پر لدے رہنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ کچھ دیر قبل دیکھی ہوئی لاش اب بھی اس کے ذہن میں چکر لگا رہی تھیں۔ ہمراہیوں سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ وہ خطرے میں ہیں

"ٹیکم گڈھ میں آپ لوگوں کا کہاں قیام تھا۔" فریدی نے ہمراہی سے پوچھا۔

"پورے ٹیکم گڈھ میں۔" ہمراہی نے مسکرا کر کہا لیکن اس کی مسکراہٹ میں زندگی نہیں تھ

چاروں طرف ہری بھری پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ یہ حصہ گڈھ سے کم بلند ہے ورنہ یہاں اس موسم میں سبزی کا نام بھی نہ ہونا چاہئے تھا۔ سردی ضرور لیکن اتنی زیادہ نہیں جتنی ٹیکم گڈھ میں ہوتی تھی۔

دن ڈھلتے ڈھلتے وہ لوگ منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ یہ ایک گاؤں تھا اور یہاں ایک بڑی سی کی عمارت تھی جس کے سامنے مسلح آدمیوں کا ایک دستہ پہرہ دے رہا تھا۔

فریدی کے ہمسفروں میں سے ایک نے اپنی جیب سے پیلے رنگ کی ایک جھنڈی نکالی اُسے اپنی رائفل کی نال پر لگا کر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا مسلح محافظ دستے کے قریب پہنچ گیا۔

پھر فرزانہ کا اسٹریچر بڑے ادب واحترام کے ساتھ عمارت کے اندر پہنچا دیا گیا۔ فریدی۔ ساتھ بھی کوئی بدسلوکی نہ کی گئی۔

انہیں ایک کمرے میں پہنچایا گیا۔

فرزانہ کے لئے یہ لمحہ حیرتوں کا لمحہ تھا۔ فریدی البتہ بہت پُر سکون تھا۔ کمرے میں قاسم حمید ایک لڑکی کے ساتھ موجود تھے۔ قاسم سو رہا تھا حمید اور وہ لڑکی بیدار تھے۔

"ارے آپ....!" حمید فرزانہ کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

آپ یہاں۔" فرزانہ تقریباً چیخ پڑی۔

ر حمید نے فریدی کی طرف دیکھا اور اسے اجنبیوں میں سے سمجھ کر پھر فرزانہ کی طرف وگیا۔

آپ یہاں کیسے پہنچیں۔"

گردش تقدیر۔" فرزانہ نے فریدی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "میری ہی طرح آپ بھی ا۔"

اوہ....!" حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

فعتاً قاسم نے سوتے سوتے چیخ ماری اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

ہ اپنی سرخ سرخ آنکھیں پھاڑے بڑبڑا رہا تھا۔ "وہ بھاگا.... سر کچل دو.... بونا.... بونی.... اور بچاؤ.... گردن نکل گئی.... ہاتھ نکل گئے.... سر کچل دو۔"

حمید اس پر ٹوٹ پڑا اور بڑی جدوجہد کے بعد اُسے دوبارہ لٹانے میں کامیاب ہو سکا۔

"انہیں کیا ہوا۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"بڑا تیز بخار ہو گیا ہے۔ کسی کو پہچانتا نہیں۔" حمید بولا۔

"کیا ان لوگوں مین کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں.... لیکن وہ لوگ اسے کوئی دوا دے رہے ہیں۔"

"مسموم انجرات دماغ کی طرف مائل پرواز ہیں۔" فرزانہ نے تشویشناک لہجے میں کہا۔

"بلکہ معدے میں دماغ کی طرف ان کا انتقال زمانی و مکانی ہو رہا ہے۔" حمید جل کر بولا اور ا اپنی ہنسی کسی طرح نہ روک سکا۔

فرزانہ اس طرف مڑ کر بولی۔ "یہ دونوں حضرات ہمارے ساتھ کے ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی لیکن...." فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا کیونکہ ہمراہیوں میں سے ایک کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔

"آپ لوگوں کا کھانا بھی یہیں بھیج دیا جائے یا الگ کھائیں گے۔" اُس نے پوچھا۔

"کھانا....!" قاسم نعرہ مار کر کھڑا ہو گیا۔ "کہاں ہے کھانا۔"

حمید وغیرہ بھونچکے رہ گئے۔ کیونکہ وہ تو یہی جانتے تھے کہ قاسم بیہوش پڑا ہے۔

"کہاں ہے کھانا۔" اُس نے ڈپٹ کر پوچھا۔ پھر اُس نے دروازے کی طرف بھاگ

اسکی کمر سے لپٹ گیا۔ لیکن وہ بھلا حمید کے بس کا تھا۔ کھانے کے متعلق پوچھنے والا بھی بوکھ

"آپ ہٹ جایئے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

اُس نے قاسم کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے قاسم حلق پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ لیکن پھر وہ ا

جنبش نہ کر سکا۔ حمید حیرت سے اُس اجنبی کو دیکھ رہا تھا۔

"آیئے۔" فریدی نے حمید کو اشارہ کیا۔

اُن دونوں نے اُسے پھر پلنگ پر ڈال دیا۔

"ارے غضب خدا کا.... یہ کیا ستم ہے۔ بھوکوں مار ڈالا۔" قاسم چیختا رہا۔

"ارے قاسم صاحب۔" فرزانہ بولی۔ "آپ کے لئے مقاطعہ جوئی ہی مناسب ہے"

"ارے.... ہائیں۔" قاسم آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے

مل کر دوبارہ اُس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"حمید بھائی۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "میں کہاں ہوں۔"

"وہیں جہاں پہلے تھے۔"

"لیکن آپ۔" وہ فرزانہ کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"آپ بھی آپھنسی ہیں۔"

وہاں انہیں قیام کئے ہوئے تین دن گذر چکے تھے اور ان تین دنوں میں قاسم نے

بند کر دیا تھا اور اب اسی مسئلے پر حمید قاسم کو بور کر رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ شکاری نے فرزانہ سے عشق شروع کر دیا ہے۔" حمید بڑی سنجیدگی

"اگر ایسا ہے تو میں شکاری کو زندہ نہیں چھوڑوں گا، جو فرزانہ کے ساتھ آیا ہے"

پُرجوش لہجے میں بولا۔

"سنو قاسم! وہ شکاری تم سے زیادہ طاقتور معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھ سے زیادہ.... ہونہہ.... ابھی میں اس کی گردن توڑ سکتا ہوں۔" قاسم نے ا

مٹھیاں بھینچ لیں۔

"اوہو.... تو کیا آپ مجھ سے زیادہ طاقت ور ہیں۔" دروازے کے قریب سے

قاسم دونوں پلٹ پڑے۔ شکاری دروازے میں کھڑا تھا۔

"ارے! ہی ہی ہی۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔" قاسم ہنسنے لگا۔

در یہ حقیقت تھی کہ قاسم اُس دن والے واقعے کے بعد سے مار پیٹ کے مواقع سے

گا تھا۔ اس نے وحشیوں کے سردار کو بڑی بے دردی سے مار ڈالا تھا۔ لیکن وہ رات کو

وتے چیخنے لگتا۔ کبھی نیند ہی میں اٹھ کر بھاگتا اور اس طرح گر پڑتا جیسے اس نے وحشیوں

دار کو دیکھا ہو۔

"آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔" حمید نے فریدی سے کہا۔ "یہ بڑے پرمذاق آدمی ہیں۔"

"اوہ.... کوئی بات نہیں۔ میں جانتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور پھر اُس نے گفتگو کا رخ بدل

بڑی دیر تک اس عجیب و غریب سفر کے متعلق باتیں کرتے رہے۔

"میرا خیال ہے کہ ہم لوگ پاگلوں کے ہتھے چڑھ گئے ہیں۔"

"کیوں؟" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"اس طرح تشدد سے لائے تھے اور اب اتنے اخلاق سے پیش آرہے ہیں کہ ہر وقت کئی

گار ہمارے پاس موجود رہتے ہیں۔ جیسے ہم کسی ریاست کے شاہی مہمان ہوں۔ آخر اس کا

د ہو سکتا ہے۔"

"بس دیکھتے جایئے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

تنے میں وہ دونوں ہمسفر بھی وہاں آگئے۔

"اب تو بتا دیجئے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"اوہو! اتنی جلدی کیا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ "خوب گھومئے پھریئے تھکن

ہے۔ ایسی عظیم الشان جگہ آپ کو روئے زمین پر نہ ملے گی۔"

"کیا ہم بغیر پابندی کے باہر نکل سکتے ہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں نہیں! بڑی خوشی سے۔ یہاں ہر گلی کوچے میں آپ کا شاندار استقبال ہوگا۔ یہ لیجئے۔"

اس نے جیب سے چاندی کے تین بیج نکالے، جو عقاب کی شکل کے تھے اور اُن پر کسی

م زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

"یہ بیج آپ کو کہیں بھٹکنے نہ دیں گے۔ آپ جب بھی محسوس کریں کہ آپ راستہ بھول

رہے ہیں تو کسی کو بھی بیج دکھا دیجئے گا۔ وہ آپ کو یہیں پہنچا دے گا۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔" قاسم قہقہہ لگا کر بولا۔ "لیکن وہ تگڑی تگڑی عورتیں کہ

"ایک دو نہیں! درجنوں حاضر کر دی جائیں گی۔"

"درجنوں! ہاہا۔" قاسم نے پھر قہقہہ لگایا۔ "یعنی بہت سی.... یعنی عورتیں...
خوف نہ کھائیں گی.... ہاہاہا۔"

"جی ہاں.... وہ آپ سے محبت کریں گی۔"

"محبت.... ہی ہی۔" قاسم دانتوں میں انگلی دبا کر شرما گیا۔

حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ جوتا لے کر پل پڑے۔

"وہ لڑکی کہاں ہے، جو میرے ساتھ آئی تھی؟" فریدی نے دریافت کیا۔

"وہ بھی آرام سے ہیں۔"

"میں اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"دیکھا حمید بھائی.... میں نہ کہتا تھا۔" قاسم نے غصیلی آواز میں کہا۔

"بہت بہتر جناب۔" ہمسفر فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "وہ یہیں پہنچا دی جا
لاتا ہوں۔"

وہ چلا گیا.... اور قاسم فریدی سے الجھ پڑا۔

"تم کون ہو۔ اُسے اپنے ساتھ رکھنے والے۔"

"آپ بعض اوقات بہت زیادہ بدتمیز ہو جاتے ہیں۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

"دیکھو میاں شکاری میں! میں گردن توڑ دیا کرتا ہوں۔" قاسم غرا کر بولا۔

"قاسم کیا بک رہے ہو؟" حمید بوکھلا کر بولا۔

"چپ رہو حمید بھائی۔ میرا غصہ بڑا خراب ہے۔"

"انہیں اپنا غصہ اور زیادہ خراب کرنے دیجئے آپ خواہ مخواہ دخل دے رہے ؟
مسکرا کر بولا۔

"ہائیں....!" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "تم مجھ سے لڑو گے مجھ سے۔" قا
کا رنگ یک بیک اتر گیا اور وہ آہستہ سے پھر کرسی پر ڈھیر ہو کر فریدی کو گھورنے لگا۔

"ابھی بچے ہو بچے۔" فریدی مسکرایا۔ قاسم کچھ کہنے جا رہا تھا کہ بیچ سے حمید نے اس کی بات
دی۔

"مجھے اس احمق کی زیادتیوں پر ندامت ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بے وقوف آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"کیا کہا؟" قاسم پھر غرایا۔ لیکن حمید نے اس کا شانہ تھپک کر اُسے خاموش کر دیا۔

فریدی کو اس بات کی خوشی تھی کہ حمید اُسے اتنے قریب سے دیکھنے پر بھی نہ پہچان سکا اور یہ
حال اس کے میک اپ کی خوبی تھی اور اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ اب آنکھوں کی بناوٹ بھی
یل کرنے پر قادر ہو گیا تھا۔

فریدی جب باہر جانے کے لئے تیار ہونے لگا تو حمید اور قاسم بھی اس کا ساتھ دینے پر مصر
گئے لیکن فریدی نے ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر روک دیا۔

فریدی تھوڑی دیر تک پہاڑیوں کے پُر پیچ راستوں پر ادھر اُدھر بے مقصد گھومتا رہا اس کے
رہ وہاں سے نکل کر آبادی کی طرف چل پڑا۔ کچھ دور چلنے کے بعد فریدی اپنے سامنے ایک
می کو آتا ہوا دیکھ کر یک بیک چونک پڑا۔ اور وہ جان بوجھ کر اُس آدمی سے ٹکرا گیا۔

"تم کیسا آدمی ہے۔ دیکھ کر نہیں چلتا۔" وہ ناخوشگوار لہجہ میں بولا۔

"جب تم اچھی طرح اردو بول سکتے ہو تو کیوں اپنی زبان خراب کر رہے ہو؟" فریدی نے
کرا کر کہا۔

"ایں.... کیا مطلب۔" وہ آدمی فریدی کو گھورنے لگا۔

"مطلب وطلب کچھ نہیں جانتا۔ یہ بتاؤ کہ تم فزارو ہوٹل سے کب یہاں آئے۔"

"کیا....؟" وہ آدمی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو دیکھنے لگا۔

"آپ مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہیں؟" فریدی مسکرایا۔

"میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

"اس کی کوشش نہ کرو۔ یہ بتاؤ تم رہتے کہاں ہو۔"

"جی.... جی میں....!"

"گھبراؤ نہیں میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔"

"میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں۔" اُس آدمی کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

"یہاں سے واپس جانا چاہتے ہو؟" فریدی نے سوال کیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"سب کچھ ہو سکتا ہے کل مجھ سے یہیں پر ملنا۔"

فریدی یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا اور وہ آدمی اپنی جگہ پر کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد فریدی کو پھر ایک جانی پہچانی صورت نظر پڑی۔ وہ غوث تھا' کوکین فروش اور کئی دفعہ کا سزا یافتہ۔ وہ ایک قبائلی کے ساتھ بڑے رازدارانہ طریقے سے کر رہا تھا۔ فریدی اُسے دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ "یہ غوث بھی یہاں آ گیا۔" وہ اپنے دل میں بڑبڑ ایک چھوٹے سے ٹیلے کے پیچھے چھپ کر اس کی گفتگو سننے لگا۔

جب وہ اپنی بات ختم کر کے جانے کے لئے مڑے اور غوث تنہا رہ گیا تب فریدی نے سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کون؟" غوث یک دم اچھل پڑا۔

"آپ کا پرانا دوست.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں آپ کو نہیں جانتا۔" غوث اپنا نچلا ہونٹ سکوڑ کر بڑی بے اعتنائی سے بولا۔

"ٹھیک ہے۔ کوکین کی زیادتی دماغ پر زیادہ اثر کرتی ہے۔ خاص کر اس وقت جب وہ کرنے کے لئے اپنے کو بالکل آزاد پاتا ہے۔"

"آخر تم کون ہو اور اس بکواس سے تمہارا کیا مطلب ہے۔" غوث کے لہجہ میں استعجاب

"ہاں اب تم مجھے کیوں پہچاننے لگے۔ یار کوکین کی آمدنی میں اب میں تم سے حصہ نہ مانگ اطمینان رکھو۔"

"تم پاگل ہو۔" غوث بگڑ گیا۔

"دیکھو بلاوجہ غصہ دکھانے سے کوئی فائدہ نہیں یہ بتاؤ کہ کیسی کٹ رہی ہے۔ جگہ بہت اچھی تجویز کی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"مگر تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"اس لئے کہ تم میرے پرانے ساتھی ہو۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔" غوث پھر چلایا۔

"بھئی دیکھو اب مذاق نہ کرو کیا تم دو سال تک جھریالی جیل میں میرے ساتھ نہیں رہے کیا س سے قبل تین بار جیل نہیں جا چکے ہو کیا تمہارا نام غوث نہیں ہے۔"

"اچھا بس کرو میرے بھائی اب یہ بتا دو کہ تم کون ہو؟" غوث گڑگڑا کر بولا۔

"میں تمہارا ساتھی قامت خاں ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"غلط میرا کوئی ساتھی اس نام کا نہیں ہے۔" غوث کے لہجہ میں پھر جھلاہٹ تھی۔

"تو پھر نہ ہو گا۔' فریدی بڑی سادگی سے بولا اور پھر جانے کے لئے مڑ گیا۔

"ارے بھائی۔" غوث بڑے خوشامدانہ لہجہ میں بولا۔ "میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں مجھے صرف یہ بتا دو کہ تم کون ہو اور یہاں کس طرح سے آئے۔"

"جس طرح سے تم لائے گئے ہو۔"

"لیکن تم مجھے کیسے جانتے ہو؟"

"میں تمہیں اس وقت سے جانتا ہوں جب تم پرانی کوٹھی والی گلی میں کچی شراب بنایا کرتے تھے۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔" غوث نے اپنے بال کھینچ لئے۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "میں تمہیں صرف اس شرط پر سب کچھ بتا سکتا ہوں کہ تم مجھ سے دوستی کر لو۔"

"منظور.....!" غوث نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

"اچھا اب میرے ساتھ آؤ۔" فریدی غوث کو لئے ہوئے پہاڑی کے ایک غیر آباد حصہ کی طرف چلا گیا۔

کافی دیر بعد جب فریدی وہاں سے لوٹا تو وہ بالکل تنہا تھا اور اس کی سانس بُری طرح پھول ئی تھی۔ وہ جلدی جلدی قدم بڑھاتا ہوا اپنی قیام گاہ کی طرف جا رہا تھا۔

اس طرح سے فریدی کئی آدمیوں سے ملا لیکن اس کی خبر حمید وغیرہ کو نہیں ہوئی۔ وہ روزانہ شام کو گھومنے کے بہانے نکل جاتا اور کئی گھنٹے کے بعد واپس لوٹتا اور پھر ایک دن فریدی اچانک غائب ہو گیا

فریدی کی واپسی

چھ دن بعد ایک شام کو جب فریدی واپس آیا تو اُس کے چہرے پر بڑی تازگی نظر آ رہی تھ

"بھئی حمید صاحب۔" اُس نے ہنس کر کہا۔ "واقعی یہ جگہ عجوبہ روزگار ہے۔"

"کیوں کیا دیکھا آپ نے اور آپ تھے کہاں؟"

"یوں ہی ذرا شکار۔ ہاں میرے مشاہدات تو سنئے۔" فریدی نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"یہاں کے باشندے حد درجہ کاہل ہیں۔ اُن کی کاہلی کا یہ عالم ہے کہ ہر کام کا اختصار وریا
کر کے اُس پر عمل کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ تفریحات بھی اس سے نہیں بچتیں۔"

"وہ کس طرح۔"

"مثال کے طور پر انہوں نے شکار کی جگہ ٹیبل ہنٹنگ[1] کو دی ہے۔" فریدی ہنس کر ب
"میز پر بیٹھی ہوئی مکھیوں کو ایئر گن سے شکار کرتے ہیں۔"

حمید ہنس پڑا۔ فرزانہ بھی ہنسنے لگی۔ البتہ قاسم منہ پھلائے رہا۔

"یہاں کے باشندے ایک دوسرے کو دیکھ کر اس طرح بسورتے ہیں جیسے رو پڑیں گے
اُن کا سلام ہے۔ سڑکوں پر چلنے والے چار چھ قدم چلتے ہیں اور پھر رک کر سوچنے لگتے ہ
عورتیں آپس میں گفتگو کرتی ہیں تو ایسا جان پڑتا ہے جیسے بین کر رہی ہوں۔ ہر شخص بیزار بیزا
نظر آتا ہے۔ ہر عورت اپنے ساتھ ایک بکرا رکھتی ہے اور کبھی کبھی یہ بکرے مردوں ـ
پڑتے ہیں۔ تندرست ترین بکرا رکھنے والی عورت کو خطاب ملتا ہے اور حمید صاحب ہم لو
قربانی کے بکرے ہیں۔"

"اور اس کا مقصد....!" حمید نے پوچھا۔

"مقصد بے حد خطرناک ہے۔" میں نے ساری معلومات فراہم کر لی ہیں۔ ساری دنیا
لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ٹیکم گڈھ کے آگے بنجر اور غیر آباد علاقے ہیں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ جیـ
آپ دیکھ رہے ہیں۔ کسی نے کبھی اس طرف آنے کی زحمت ہی نہیں گوارا کی۔ یہاں تک کہ ش
ادھر سے ہوائی جہاز بھی نہیں گذرتے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ٹیکم گڈھ کا اتری پہاڑی سلـ

[1] میز کا شکار

ا عبور ہے اور ہماری طرف کے لوگ اُن پہاڑی گپھاؤں کو نہیں دیکھ سکتے، جو شائد اشوک
زمانے کی ہیں۔ پہاڑوں کے اندر ہی اندر ایک میل لمبی سرنگ ہے، جو ان گپھاؤں سے مغرب
رف چلی آئی ہے۔ اُسی کے ذریعے ان لوگوں نے کافی فائدہ اٹھایا ہے۔ اور وہ برف کے
ت....وہ شائد اسی سال کی ایجاد ہیں۔"

"برف کے بھوت....!" قاسم اچھل پڑا۔

حمید بڑی تیکھی نظروں سے فریدی کو گھور رہا تھا۔

"اور آپ جانتے ہیں کہ میں سرجنٹ حمید ہوں ڈیوٹ نہیں ہوں۔"

"جی میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی سٹپٹا گیا۔

"مطلب؟" حمید جھلا کر بولا۔ "آخر اس میں کون سی مصلحت تھی۔"

"ہاں حمید بھائی....ذرا بڑھ کے....زندہ نہ جانے پائے۔" قاسم کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو....!" حمید اُس کو گھور کر بولا۔ پھر فریدی سے کہنے لگا۔ "آپ شکل تبدیل کر سکتے
ا لیکن آپ اس وقت کم از کم حمید کی نظروں سے نہیں چھپ سکتے۔ جب آپ اپنا کارنامہ بیان
رہے ہوں۔ سمجھے جناب! آواز بدل دینے سے گفتگو کا مخصوص انداز نہیں بدلا کرتا۔"

قاسم اور فرزانہ حیرت سے حمید کی طرف تکنے لگے۔

"فریدی صاحب سے ملئے۔" حمید نے فرزانہ سے کہا۔

"کیا....؟" فرزانہ چیخی۔

"ہائیں....!" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"معجزہ! فرق عادات۔" فرزانہ سینے پر ہاتھ رکھے اور آنکھیں پھاڑے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"اقصائے عالم میں فریدی صاحب جیسے عجوبہ کی مثال ملنی دشوار ہے....بوالعجب....بوالعجب۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"آخر یہ لوگ ہمیں کیوں پکڑ لائے۔"

"میں نے کہا نا کہ ہم قربانی کے بکرے ہیں۔ بہر حال کل صبح تک کچھ نہ کچھ ہو کر رہے
گا۔ میں نے سوچا تھا کہ آج تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا لیکن...." فریدی سوچنے لگا۔

"اچھا ٹھہرو....میں تمہیں تھوڑی دیر بعد بتاؤں گا۔" فریدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

موت کے ہرکارے

رات تاریک تھی۔

فریدی پتھریلی زمین کے ناہموار راستوں سے گذرتا ہوا ایک سنگی عمارت کے قریب ٹھہر گیا۔

اُس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ ایک بھیانک سناٹا ماحول پر طاری تھا۔ اُس نے ا طرف دیکھا۔ شیشے کی کھڑکیاں بند تھیں۔ لیکن ان پر روشنی کی چھوٹ پڑ رہی تھی۔ اس وی علاقے میں ایک ایسی عمارت کا وجود فریدی کے لئے تعجب خیز تھا۔ اچانک اسے ہلکی ہلکی سـ کی آواز سنائی دی اور پھر ایک عجیب قسم کی زہریلی بدبو پھیل گئی۔

فریدی نے ناک پر رومال رکھ لیا۔ کسی نے اوپر کی کھڑکی کھول دی اور گہرے رنگ ا دھواں پھیلنے لگا۔ فریدی اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ کھڑکی سے کوئی شخص جھانک رہا تھا۔

وہ جب تک کھڑا رہا فریدی نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کی۔ مگر جب دوبارہ اُ کھڑکی بند کر دی تب وہ آہستہ آہستہ دیوار کی طرف بڑھا۔ پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو کا بنائی گئی اس پرانی عمارت کی دیواروں پر جابجا شگاف پڑ گئے تھے اور پتھروں کی نوکیں باہر نکل تھیں۔ صرف انہیں کے سہارے فریدی اوپر تک پہنچ سکتا تھا۔ صدر دروازے کی طرف سے اتنا سخت تھا کہ ادھر سے جانے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

فریدی نے اپنے پنجے گڑا دیئے اور پتھروں کے سہارے اوپر چڑھنے لگا۔ سسکیوں کی آوا نزدیک آتی جا رہی تھیں اور ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی تکلیف کی شدت سے کراہ رہا ہو۔

فریدی کھڑکی کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ اچک کر وہ کمرے کے بغل والی کھلی چھت پر آ اتنے میں کھڑکی پھر کھلی۔

"کون ہے؟" ایک بھاری بھرکم آواز فضا کے سناٹے کو چیرتی ہوئی گونجی۔

کھڑکی کھول کر اپنا آدھا دھڑ باہر نکالے ایک آدمی چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

فریدی دیوار سے اس طرح چپک گیا کہ اس پر نگاہ نہ پڑ سکے اور تھوڑی دیر بعد جب کھڑکی ہو گئی تو وہ پھر چھت سے کمروں کی طرف بڑھا۔

چھت کی طرف ایک محراب تھی اور اندر کئی کمرے تھے۔ راہداری سے گذرتے ہوئے اُس کمرے کے سامنے رک گیا جہاں سے روشنی نکل رہی تھی۔

دروازہ اندر سے بھڑا ہوا تھا۔ فریدی نے ہلکے سے دھکا دیا اور اندر داخل ہو گیا۔

ایک بڑا وسیع کمرہ تھا جسے لیبارٹری کی شکل دی گئی تھی۔ فاسفورس کی تیز بو سے کمرہ بسا ہوا میں آرام کرسی پر ایک آدمی پڑا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ ایک ٹک چھت کی دیکھ رہا تھا۔

فریدی کے اندر داخل ہونے پر بھی اُس کے اندر کوئی حرکت نہ ہوئی۔ اُسی طرح اس کی چھت کی طرف تکتی رہی۔

فریدی نے اس کے قریب پہنچ کر ہاتھوں کو جھنجھوڑا۔

"یہ کیا کرتے ہو.... ارے...." پیچھے سے ایک آواز سنائی دی۔

فریدی نے گھوم کر دیکھا۔

"اوہ.... تم ہو۔" آنے والے نے کہا۔ "کیسے آئے۔"

فریدی کے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ پھیل گئی جیسے وہ بہت ڈر گیا ہو۔ آدمی اُسے اب تک رہا تھا۔

"کیا یہ مر گیا۔" فریدی کے منہ سے نکلا۔

"ہاں.... مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میرا بھی حشر ایسا ہی نہ ہو۔"

اس نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا۔

"بیٹھ جاؤ....!" اُس نے فریدی سے کہا۔

فریدی بیٹھ گیا۔

"دراصل میں تمہاری جرأت اور بہادری سے بہت خوش ہوں۔ ورنہ حشر تو تمہارا بھی یہی ہو سکتا تھا۔ اب دیکھو.... تم ادھر سے دیوار کے سہارے چڑھ کر آئے.... پھر چھت پر کھڑے ہے۔ تم سمجھ رہے تھے کہ تمہیں کوئی نہیں دیکھ رہا ہے۔ مگر بات ایسی نہیں تھی اور اگر میں چاہتا تو تمہیں اُسی وقت ختم کر دیتا مگر اس کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔"

"آخر اس طرح لوگوں کے لائے جانے کا مقصد کیا ہے؟ ہم واپس جانا چاہتے ہیں۔"

"کیا تمہیں کوئی تکلیف ہے۔" اُس آدمی کے لہجے میں نرمی آگئی۔

"نہیں تکلیف تو کوئی ایسی خاص نہیں.... لیکن....!"

"تم شائد بھول رہے ہو کہ یہاں سے جانے کے بعد تمہارا پھانسی پا جانا یقینی ہے۔ گڈھ میں فزار و میں ٹھہرے تھے؟"

"ہاں....!"

"تم نے فزار و کے منیجر کو اپنی ٹامی گن سے دھمکایا۔ جانتے ہو اس سے قتل عمد کا جرم بڑ

"ہاں....!"

"پھر.... تم پر مقدمہ چلے گا اور تمہیں پھانسی ہو جائے گی۔"

"ہوں....!" فریدی نے کہا۔

"کچھ پڑھے لکھے ہو۔"

"ہاں....!"

"کیا ہاں، ہوں کئے جا رہے ہو۔ کیا اسی لئے میرے پاس آئے تھے۔"

"ڈاکٹر سڈلر....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ان میں بھیانک سرخی جھلک اٹھی۔ "یہ آدمی کون تھا۔"

ڈاکٹر ایک لمحہ کے لئے بھونچکا رہ گیا.... وہ فریدی کو بڑی حیرت سے دیکھنے لگا۔

"تم.... تم کون ہو.... یہ نام تمہیں کس نے بتایا۔"

فریدی بے اختیار ہنسنے لگا۔ وہ اٹھ کر میز کے قریب آگیا۔

"تم ابھی تو مجھے بچوں کی طرح پڑھا رہے تھے اور اب یکا یک صرف اپنا نام سن کر گھبرا

"کون ہو تم؟" ڈاکٹر سڈلر گرجا۔ وہ فریدی کی طرف جھپٹا۔

"اوہ! ڈاکٹر! ذرا صبر سے کام لو۔ تمہیں کم از کم آج کی رات خون سے پرہیز کرنا؟ کی بو تمہارے تجربے اور سالہا سال کی محنت کو غارت کر دے گی۔"

ڈاکٹر سڈلر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تم جانتے ہو! تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔" ڈاکٹر نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"اب اگر بتا رہے ہو تو یہ میری معلومات میں ایک اضافہ ہوگا۔"

ڈاکٹر سڈلر بے بسی کے عالم میں کھڑا تھا۔ فریدی کے ہاتھ میں نہ تو پستول تھا اور نہ رائفل۔ مگر پھر بھی وہ اتنا مطمئن تھا جیسے ڈاکٹر بالکل بے بس ہو۔

باہر شور و غل کی آواز آرہی تھی۔ ڈاکٹر یک بیک چونکا۔

"پیارے! اس طرح نہ گھبراؤ.... باہر کوئی بھوت نہیں ہے۔" فریدی کے لہجے میں طنز جھلک رہا تھا۔ "میرے کچھ ساتھی ہیں۔ انہیں میں ہدایت دے آیا ہوں۔ وہ آرہے ہوں گے۔"

"تم.... کمینے.... وحشی۔" ڈاکٹر نے دانت پیستے ہوئے آگے بڑھنا چاہا۔

"دیکھو یہ بُری بات ہے۔ میں بالکل نہتا ہوں۔ تمہیں اس طرح آگے نہ بڑھنا چاہئے۔" فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر سڈلر غصہ سے بے قابو ہو رہا تھا۔ اُس نے شیشے کی ایک نلکی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"چچ چچ! یہ کیا کرتے ہو۔ کھڑے رہو۔ یہ تو تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو کہ میرے پاس کیا ہے؟ اس چھوٹی سی شیشی میں بھرے ہوئے مادے کے یہ ذرات جنہیں تم نے اتنی محنت سے بنایا ہے میری انگلیوں کی ذرا سی جنبش سے بکھر جائیں گے پھر اس کی تیاری میں تمہیں ایک مدت لگ جائے گی۔ تم مر کر بھی اسے تیار نہ کر پاؤ گے! اس لئے! میرے پیارے ڈاکٹر سڈلر! جہاں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہو۔ ورنہ میں اس شیشی کو توڑ ڈالوں گا۔"

فریدی پُرسکون لہجے میں کہتا رہا۔ باہر شور کی آوازیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ لوگ دروازہ توڑ رہے ہوں۔

"دیکھو! میرے ساتھی آگئے۔ ان میں ایک تو وہ ہے جس نے تمہارے دشمن قیطاری قبیلہ کے سردار کا سر توڑ ڈالا تھا۔ دوسرا میرا ساتھی ہے لیکن تمہیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ تمہارے اکثر وہ ساتھی بھی جو میرے ساتھ ہیں جنہیں تم اغواء کر لائے تھے اور پھر جن کو ذرا دھمکا کر پولیس کے خوف سے تم نے اپنے قابو میں کر رکھا تھا۔"

"آخر تم کون ہو؟ اور اس سب بکواس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"میں کون ہوں؟ تم نہیں جانتے؟ ڈاکٹر میرا نام سن کر تمہیں بخار آجائے گا۔ تم کانپنے لگو گے۔"

باہر شور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ حمید اور قاسم اور ان کے ساتھی پھاٹک توڑ کر شائد اندر داخل

ہو چکے تھے۔

اچانک ڈاکٹر سڈلر نے ایک زور کی چیخ ماری اور چکرا کر گر پڑا۔

فریدی اس وقت بہت کچھ سنبھالا لینے کے بعد بھی اپنے کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ اسے ہوا کہ شائد ڈاکٹر نے آخری وقت قریب دیکھ کر خود کشی کر لی ہے۔ فریدی اس کے ہاتھ سرنج دیکھ چکا تھا۔ اُس نے شیشی پر سے اپنے ہاتھ ہٹائے اور ڈاکٹر کی طرف بڑھا۔

ڈاکٹر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند نہیں۔

فریدی اُس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

قاسم کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ باہر گولیاں اب تک چل رہی تھیں۔ اتنے فریدی کو اپنے پیر میں کوئی چیز چبھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ بے خیالی میں وہ اچھلا اور دوسرے ڈاکٹر سڈلر کی مکمل گرفت میں تھا۔ ڈاکٹر نے اُسے کرسی سے باندھ دیا تھا درد کے مارے فر سارا جسم پھٹا جا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے سارے جسم میں سوئیاں تیر رہی ہوں۔

ڈاکٹر سڈلر اُس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کہو صاحب زادے۔" اُس نے قہقہہ لگایا۔ "اب خیریت کا خط لکھتے رہنا۔ ڈاکٹر سڈلر سے لڑنا آسان کام نہیں ہے۔"

"تم بھی نہ بچ سکو گے۔" فریدی پُرسکون لہجے میں بولا۔

"ابے جا مسخرے! تو نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟" ڈاکٹر سڈلر حقارت سے بولا۔ اچانک و اور میز پر ہاتھ رکھ کر اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے کوئی پروفیسر کلاس روم میں لڑکوں کے سا لیکچر دیتا ہے۔

"مسٹر! تم کیا کرنے آئے تھے یہاں۔ پتہ نہیں تمہاری ہمت کیسے پڑی۔ خیر! تم معمولی آ ہو۔ حماقت کر بیٹھے۔ اب نتیجہ بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ بلا وجہ تم نے اپنی موت کو دعوت ورنہ میرا تمہارا کیا مقابلہ؟" وہ پُرجوش لہجے میں بولا۔ "میری ایجاد پر دنیا کانپ اٹھے گی۔ دنیا ملک مجھے خریدنا چاہے گا اور جانتے ہو اس وقت میری قیمت کیا ہو گی؟ پانچ ملین ڈالر! کبھی ا ڈالروں کا نام خواب میں بھی سنا ہے؟ نہیں سنا ہو گا مجھے یقین ہے۔" وہ آپ ہی آپ پھر بڑبڑا لگا۔ "باہر یہ لوگ اتنا شور کیوں کر رہے ہیں یہ کمبخت راحیل بلاوجہ ساری میگزین خالی کئے جا

ہے۔ ارے آنے دو! دو منٹ سے زیادہ ان کو مرنے میں دیر نہیں لگے گی۔"

ایک چیخ فضا میں اُبھری۔

"اوہ! غضب ہو گیا۔ راحیل شائد زخمی ہو گیا۔ اُسی کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ اے مسٹر! و تھومت! مجھ سے سن لو تاکہ تمہیں حسرت نہ رہ جائے کہ مرنے سے پہلے کسی باوقار آدمی سے سابقہ نہیں پڑا۔ مگر ٹھہرو..... مجھے راحیل کے مرنے کا افسوس کرنے دو۔ بڑا وفادار آدمی تھا۔ مگر تھا بڑا ظالم..... میں نے اپنی آنکھوں سے اُسے گلا گھونٹتے دیکھا ہے۔ مجھے خون بہانے میں ذرا بھی مزہ نہیں آتا۔ مگر اس سور کو پتہ نہیں کون سی لت تھی۔ اب یہی دیکھو! میں اگر چاہوں تو مچھر کی طرح تمہیں مسل کر رکھ دوں..... مگر نہ..... مجھے جان لیتے ہوئے رحم آتا ہے۔ ایک یادو کو مارنے سے کیا۔ گلا گھونٹ دیا۔ گولی مار دی! چھرا بھونک دیا۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ میری ایجاد دیکھو! لوگوں نے بم بنائے جن کے پھٹنے سے درجہ حرارت بڑھ جائے گا اور میں جو ایجاد کر رہا ہوں اُس سے درجہ حرارت نقطہ انجماد پر پہنچ جائے گا۔ ہر چیز جم جائے گی۔ چلتے ہوئے آدمیوں کا خون بند ہو جائے گا۔ ان کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ مرنے میں صرف چند سیکنڈ لگیں گے۔

بس آج کی رات اور! میرا تجربہ قریب قریب مکمل ہو چکا ہے۔ میں دو روز بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ پھر یہ حسین وادی وحشی قبائلیوں کے قبضہ میں آ جائے گی۔ اس کا حسن بگڑ جائے گا۔ اُسے بڑی محنت سے میں نے تیار کیا تھا۔ مگر افسوس.....!"

ڈاکٹر سڈلر نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور فریدی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

"ہیلو! مسٹر..... مگر بھئی مکاری کی حد نہیں ہوتی۔ تم تو ایسا منہ بنا رہے ہو جیسے مرنے کا ارادہ کر رہے ہو؟ یہ کیا بدتمیزی ہے! میں نے تمہیں صرف نیم بیہوشی کا ہلکا سا انجکشن دیا تھا۔" ڈاکٹر سڈلر ہنستے ہوئے بولا۔

نیچے اب بھی شور ہو رہا تھا۔ وہ لوگ شائد ڈاکٹر کے آدمیوں کو ختم کر کے سیڑھیاں طے کر رہے تھے۔

اتنے میں وسل کی آواز سنائی دی۔

"پولیس.....!" ڈاکٹر سڈلر بڑبڑایا۔ "یہ کتے کہاں سے آ گئے۔ انہیں راستے کا پتہ کیسے چلا۔ ضرور کسی نے غداری کی..... مگر.....!" وہ آپ ہی آپ رک گیا۔

"کیا ان کے دل سے بھوت کا خوف نکل گیا۔ یہ تو بہت بُرا ہوا.... خیر دوستو آؤ! اب
اس کمرے میں دو لاشیں ملیں گی۔ ایک اُس نوجوان کی اور دوسرے میرے تجربے کے
ڈاکٹر سڈلر تو جاتا ہے۔ تم اب اُس کی گرد بھی نہ پا سکو گے۔" وہ مسکراتے ہوئے ایک کم
طرف بڑھا۔

"ماسٹر! دنیا کا ہر آدمی ہائیر سکول یا شدید قسم کی جنسی خواہشات کا شکار ہوتا ہے۔ یہ
میرے ساتھ بھی ہے۔ اب دیکھ لو کہ ایسے وقت میں بھی بغیر عورت کے نہیں بھاگ سکتا
ڈاکٹر سڈلر نے کہا۔ اُس نے دراز سے کچھ کاغذات نکالے اور انہیں جلانے لگا۔

"اب یہ فارمولا کسی کو نہ معلوم ہو سکے گا۔" اس نے پھر کہا اور شیشی اٹھا کر جیب میں ر

"کتنی عورتیں! اور کتنے مرد لایا! افسوس کہ اب سب مر جائیں گے۔ مریں مجھے کیا؟
ایک دن تو مرتے ہی! آج ہی مر جائیں۔ کیا فائدہ ان کے بچنے سے، انہیں تو میں نے اکٹھ
لئے کیا تھا۔ میں نہ مارتا تو قیطاری مار ڈالتے۔ پولیس پکڑ لیتی۔"

ڈاکٹر سڈلر بڑبڑاتے ہوئے دوسرے کمرے میں گیا اور ذرا ہی دیر بعد نکل آیا۔

فریدی خاموش کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے ہونٹ بھینچ رکھے تھے۔ رہ رہ کر
آنکھیں چمک اٹھتیں۔ وہ اس طرح ڈاکٹر سڈلر کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے کسی بات کا منتظر ہو

نیچے کا شور بھیانک ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر سڈلر نے اپنے خونخوار کتے چھوڑ دیئے تھے۔ یہ
لوگ فریدی کے اکسانے پر اس جہنم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے آخری جدوجہد
تھے۔ وہاں کتوں کو دیکھ کر گھبرا اٹھے۔ اُن کے قدم اُکھڑ رہے تھے۔ مگر ڈاکٹر کے ساتھی
تھوڑے رہ گئے تھے۔

ڈاکٹر سڈلر بہت جھلایا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ فریدی کی جگہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو شا
پہچان بھی نہ پاتا! سیتل گھاٹی میں جو بھوت دیکھے گئے تھے ان میں اور ڈاکٹر میں کوئی فرق
فریدی کو دیکھ کر اُس نے ایک قہقہہ لگایا۔

"تمہارے ساتھی بڑے بدتمیز معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں اتنا بھی خیال نہیں کہ ایک
دان سفر کی تیاری کر رہا ہے...." وہ ہنسا اور اچانک اُس کی آواز میں سختی پیدا ہو گئی۔ "ٹھیک
بھی کچھ گڑبڑ ہے۔ ابھی میں نے وائرلیس سے فزارو میں منیجر اور غرتاش سے بات کرنی

کوئی جواب نہیں آیا۔ شاید پولیس کے ہتھے چڑھ گئے۔"

نیچے ہنگامہ اور تیز ہو گیا تھا۔ لوہے کے جنگلے دار دروازوں پر پولیس زور آزمائی کر رہی تھی۔
چاروں طرف بوٹوں کی کھڑکھڑاہٹ اور سیٹیوں کی آواز گونج رہی تھی۔

"تم سمجھ رہے ہو گے کہ میں پاگل ہوں، جو اتنا وقت خراب کر رہا ہوں۔ مجھے انتظار ہے اور
انتظار کا وقت باتوں ہی میں کٹتا ہے۔"

بے چینی سے ٹہلتے ہوئے اُس نے گھڑی دیکھی۔

چھن کی آواز ہوئی اور کھڑکی کا ایک شیشہ ٹوٹ کر گر پڑا۔

"ارے غضب ہو گیا۔ یہ لوگ چھت پر آ گئے۔"

ڈاکٹر سڈلر کے منہ سے نکلا۔ اُس نے شیشے کی ایک پتلی سی نلکی اٹھائی اور اسے اسپرٹ لیمپ
کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"لو میاں! اب یہ بظاہر بیکار سی چیز کارآمد ہو جائے۔ پانچ منٹ بعد یہ پھٹے گی اور اس میں سے
ایک باریک دھوئیں کی دھار نکلے گی اور وہ تم سب لوگوں کے لئے کافی ہو گی۔"

لو تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ ڈاکٹر سڈلر اُسے اسپرٹ لیمپ کے قریب لے گیا۔

"سب تیار ہے۔" پیچھے سے کسی نے کہا۔

ڈاکٹر سڈلر نے گھوم کر دیکھا۔

"اچھا....!" ڈاکٹر کے لہجے میں خوشی جھلک رہی تھی۔

آنے والا جیسے ہی مڑا ویسے ہی ڈاکٹر کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔

تابڑتوڑ کئی گولیاں کھڑکیوں کے شیشے توڑتی ہوئی گذر گئیں۔

ہوا یہ کہ فریدی اب تک بڑی خاموشی سے ڈاکٹر سڈلر کی بات سن رہا تھا۔ اس سے پہلے جب
ڈاکٹر کی نظر بچی تھی وہ اپنی کرسی کھسکا کر میز کے قریب ہوتا گیا تھا۔ دوبارہ جب ڈاکٹر واپس آیا تو
وہ اس کے بالکل قریب تھا۔ جیسے ہی ڈاکٹر مڑا، فریدی کرسی سمیت اس پر گر پڑا۔

ڈاکٹر اس غیر متوقع حملہ کے لئے تیار نہیں تھا۔ سنبھلتے سنبھلتے وہ گر پڑا۔ اُس کے ہاتھ سے
شیشے کی نلکی گر پڑی تھی۔ اُس نے اٹھنا چاہا مگر اُس کے اٹھنے سے قبل ہی فریدی نے اپنے جسم سے
پھر اُس کو دھکا دیا۔

ڈاکٹر کا ساتھی، جو اُسے اطلاع دینے آیا تھا۔ یہ دیکھتے ہی پلٹ پڑا۔ بے تحاشہ اُس نے فریدی پر کرسی کھینچ ماری۔ فریدی غالباً اس کے لئے تیار تھا ذرا سا جیسے وہ ہٹا پوری کرسی ڈاکٹر سڈلر کے اوپر پڑی۔

جھنجھلا کر اُس نے لوہے کا ایک موٹا سا رول اٹھایا۔

اتنے میں دو آدمی کھڑکیوں کے راستے سے اندر کود آئے۔

"حمید بھائی.... دیکھتے ہو سالے کو۔" کہتے ہوئے قاسم ڈاکٹر کے ساتھی پر ٹوٹ پڑا۔

حمید نے جلدی جلدی فریدی کی رسیاں کھول دیں۔ اُس کی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا۔

ڈاکٹر سڈلر خاموش پڑا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ بازی ہار گیا ہے لیکن اب بھی امید تھی۔ حمید کو فریدی کی طرف متوجہ پا کر اور قاسم کو اپنے ساتھی سے لڑتا ہوا دیکھ کر ڈاکٹر سڈلر نے موقع کو غنیمت جانا۔ چپکے چپکے وہ سرکتا ہوا دروازے کے قریب آیا اور پھر جلدی سے اٹھ کر بھاگا۔

حمید نے دیکھ لیا بے اختیار اُس نے کئی گولیاں خالی کر دیں۔

اور پھر یکایک دہشت کے مارے اُس کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر گر پڑا۔ سینٹ گھاٹی والا بھوت اُس کے سامنے تھا۔ وہ گولیاں برسا رہا تھا اور گولیاں اس پر اثر نہیں کر رہی تھیں۔

فریدی چھوٹتے ہی ڈاکٹر کی سمت میں دوڑا۔ پہلے کمرے کو پار کرتے ہی اُسے شعلے دکھائی دیئے۔ ڈاکٹر نے بھاگتے ہوئے آگ لگا دی تھی۔

"حمید.... نیچے اتر جاؤ۔" فریدی وہیں سے چلایا۔

آگ بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی۔ لکڑی کے تختے ٹوٹ رہے تھے اور بڑے بڑے پتھروں کے ٹکڑے ہواؤں میں اڑ رہے تھے۔

حمید اور قاسم پولیس کے ہمراہ عمارت خالی کر چکے تھے۔ ڈاکٹر سڈلر کے سب ہی ساتھی یا تو مارے گئے یا گرفتار کئے جا چکے تھے۔ آگ بجھانے کا کام تیزی سے جاری تھا۔ مگر ایسا لگتا تھا جیسے ساری عمارت جلا کر ہی آگ دم لے گی۔

مگر اس ہنگامے میں فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید چاروں طرف اُسے ڈھونڈ رہا تھا۔ گھبرا گھبرا کر وہ میجر نصرت سے پوچھتا اور پھر ڈھونڈنے لگتا۔

اچانک آگ کے شعلوں میں فریدی اُسے دکھائی دیا۔ وہ جلتی ہوئی ایک شہتیر کے سہارے

آگے بڑھ رہا تھا۔

"فریدی صاحب! خدا کے لئے۔" حمید چلایا۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ وہ پاگلوں کی طرح دوڑا۔

"دیکھ رہے ہو.... خدا کی قسم.... یہ آدمی کا کام نہیں ہے.... فریدی صاحب۔" حمید پھر چلایا۔ "لوٹ آیئے...." وہ دوڑنے لگا۔

مگر فریدی نے کوئی دھیان نہیں دیا۔ وہ تیزی سے ایک طرف کود گیا۔ ڈاکٹر سڈلر بھاگ رہا تھا۔ اُس نے اپنے فرار کے راستے خود ہی مسدود کر دیئے تھے۔

فریدی اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ ایک کنگورے کے پاس آکر وہ رکا۔ چاروں طرف شعلے بھڑک رہے تھے۔ فریدی کو نہ پا کر اُس نے اطمینان کی سانس لی۔ پنجوں کے بل اُس نے اترنا چاہا۔

ایک آہنی ہاتھ اس کی گردن پر پڑا۔ ڈاکٹر تلملا کر مڑا۔

سامنے فریدی کھڑا تھا۔

"تمہیں اب بھی شبہ ہے کہ تم زندہ بچ سکو گے؟" دانت پیستے ہوئے وہ فریدی کی طرف بڑھا۔

"ڈاکٹر.... فریدی اپنے شکار کو زندہ پکڑنا بھی جانتا ہے۔"

"فریدی.... تم.... تم ہندوستانی کتے۔" ڈاکٹر پھٹی پھٹی نگاہوں سے گھورتا ہوا بولا اور پھر بے تحاشہ وہ فریدی پر ٹوٹ پڑا۔

فریدی ذرا سا ہٹا۔ پھر اُس نے تان کر ایک گھونسہ ڈاکٹر کی ناک پر جما دیا۔ پھر دوسرا پھر تیسرا، پھر چوتھا۔

ڈاکٹر سڈلر لڑکھڑایا اور پھر تیورا کر گر پڑا۔ اُس کا سارا منہ خون سے تر تھا۔

فریدی کئی جگہ سے بُری طرح جل گیا تھا۔ جا بجا خراشیں آ گئی تھیں۔ کنگورے پر کھڑے ہو کر وہ چلایا۔

نیچے لوگ آگ بجھانے کے سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ فریدی کی آواز سن کر وہ ٹھہر گئے۔ منٹوں میں رسیوں کے ذریعہ ڈاکٹر سڈلر اور فریدی نیچے اتار لئے گئے۔

فریدی کو دیکھ کر حمید کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ مگر وہ منہ پھلا کر بیٹھ گیا۔

"شکار کھیلنے تشریف لائے تھے! بڑے بالوں والی لومڑیوں کا شکار! ہونہہ!" حمید بڑبڑانے لگا۔

امن کا دشمن

دوسرے ہی دن سب لوگ ٹیکم گڈھ لوٹ آئے۔

غرتاش اور اُس کے دو ساتھی اور فزارو کا منیجر پہلے ہی حراست میں لے لیا گیا تھا۔ ڈاکٹر سڈ
تو پولیس کی حراست میں تھا ہی۔

تمام واقعات اس طرح اچانک اور ڈرامائی طور پر پیش آئے تھے کہ ہر شخص حیران تھ
خصوصاً ڈاکٹر سڈلر کی شخصیت اور اُس کے بھوت کا راز بھی لوگوں کیلئے ایک معمہ سے کم نہ تھا۔

میجر نصرت کے یہاں فریدی کی دعوت تھی۔ حمید اُس روز بہت چہک رہا تھا۔ بغل
قاسم دانتوں میں انگلیاں دبا کر شرما رہا تھا۔

"حمید بھائی.... وہ مجھے گھور رہی ہے۔"

"تم بھی گھورنا شروع کردو۔"

"سچ....!" قاسم نے کہا اور باقاعدہ طور پر آنکھیں نکال کر فرزانہ کو گھورنے لگا۔

"اُن کا وہ سامان تو آپ نے دیکھ ہی لیا ہوگا جس کے ذریعہ وہ بھوتوں کا بہروپ بھرتے تھے
سفید فر کا وہ لباس، جو رات کو برف کی طرح سفید نظر آتا تھا۔ ڈیڑھ فٹ لمبے مصنوعی پنجے جسے
جوتوں کی طرح پہنتے تھے اور لباس کے نیچے پہننے کے بلٹ پروف اور سب سے زیادہ حیرت ا
وہ مشین جس سے وہ برف کے ذرات منتشر کرتے تھے۔ اس کا ایک ربڑ کا پائپ برف میں ڈال
جاتا تھا اور دوسرا سرا مصنوعی بھوت کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ مشین چلتے ہی برف کے ذرات پا
میں کھنچنے لگتے تھے اور ہاتھ والا سرا انہیں بڑے فورس کے ساتھ منتشر کرتا رہتا تھا۔"

فریدی میجر نصرت کو سمجھا رہا تھا۔ حمید بھی آکر بیٹھ گیا تھا۔

"لیکن مقصد.... آخر اس سے انہیں فائدہ کیا ہوا۔"

"حمید صاحب! یہی تو اصل کہانی ہے۔ ڈاکٹر سڈلر پر جنگ کے بعد اس کی حکومت
غداری، بغاوت اور سازش کے الزام میں مقدمہ چلایا تھا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح وہ نکل بھاگنے
کامیاب ہوا۔ اس کے دو سال بعد اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ٹیکم گڈھ کے نزدیک ایک

دیکھا گیا تھا۔ میرے حافظہ میں یہ چیز محفوظ تھی۔ اسی زمانہ میں اغواء کی وارداتیں ہونے
جسے بدقسمتی سے یہ سمجھا گیا کہ لوگ دراصل برف باری اور شکار کی وجہ سے مر رہے ہیں
س نے اپنی سمجھ کے مطابق تاویل کی اور ڈاکٹر سڈلر کا مقصد بھی یہی تھا۔ اُس نے خوب فائدہ
اشوک اعظم کے زمانے کی گپھاؤں اور سرنگوں کے ذریعہ وہ پہاڑیوں کے اس پار پہنچ گیا
پر اُس نے اپنی لیبارٹری قائم کی۔ لیکن جلد ہی ایک خطرہ اُس کے سامنے آگیا۔ وہاں پر بسنے
لے قیطاری قبیلہ کے لوگ اُس کے دشمن ہوگئے اور اُس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ڈاکٹر نے اُس
قبیلہ کی عورتوں کو پکڑوا لیا تھا۔ اُسے اپنے زہریلے، مہلک اور تباہ کن آلات کے تجربے کے
مردوں کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ ان کی طرف سے خطرہ دیکھ کر اُس نے بلیک میلنگ
ع کی.... اُس نے ایسے لوگوں کو اپنے گرد اکٹھا کرنا شروع کیا، جو جرائم پیشہ تھے اور پھر انہیں
ذریعہ اُس نے اغواء کی وارداتیں شروع کردیں، جو مرد یہاں سے جاتے تھے اُن میں سے اکثر
کے تجربے کا شکار ہو جاتے تھے اور بیشتر قیطاریوں سے لڑنے کے لئے رکھے جاتے تھے۔

گرومی کی لڑکی غائب ہونے کے بعد لوگوں کا دھیان جب سیتل گھاٹی کی طرف گیا اور خود
دی بھی اس شکست پر جھنجھلا کر منتقمانہ کارروائیوں پر اتر آیا تو ڈاکٹر سڈلر نے بھوت کا ناٹک رچا
لوگوں کو توہمات میں پھنسا کر خوف زدہ کرنا چاہا۔

میں جب یہاں آیا ہوں اور میرے سامنے فرزانہ کی بیہوشی اور پاگل پن کا واقعہ گذرا ہے،
ب ہی سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس کے پیچھے کوئی بہت زبردست دماغ ہے وہ انجکشن اس قسم کا
ا کہ اس کے بارے میں اپنے یورپ کے قیام کے درمیان میں نے سنا تھا۔ معاً میرا ذہن ڈاکٹر
ڈلر کی طرف گیا۔ میں نے واقعات کی کڑیاں ملانی شروع کردیں۔ پرانے ریکارڈ دیکھے۔ واقعات
نوعیت پر غور کیا اور میرا شک یقین میں بدل گیا۔ یہاں تک کہ ایک رات مجھے بھی ایک عام
نکاری سمجھ کر پکڑا گیا۔ غرتاش اور فزارو کا منیجر ڈاکٹر سڈلر کے خفیہ ایجنٹ کا کام کررہے تھے۔
نہیں کے آدمیوں کے ذریعہ میں اور مجھ سے پہلے حمید اور قاسم ڈاکٹر سڈلر کی لیبارٹری تک پہنچے
جانے ایک چھوٹی موٹی سی ریاست قائم کررکھی تھی۔ اگرچہ سرنگ کے ذریعہ مجھے لے جایا
تھا اور اس بات کی پوری کوشش کی گئی تھی کہ راز داری سے کام لیا جاسکے پھر بھی میں اپنے
ذہن میں سمتوں کے ذریعے رستوں کے نقشے مرتب کرتا گیا۔ وہاں پہنچنے کے بعد مجھے کئی مجرم

ایسے دکھائی دیئے جنہیں میں جانتا تھا۔ خفیہ طور پر میں معلومات حاصل کرتا رہا۔ ڈا
ساتھیوں میں سے کئی ایسے تھے جو وہاں سے نکل بھاگنا چاہتے تھے۔ انہوں نے سارا راز ا
غوث نے اس سلسلے میں سب سے زیادہ مدد دی۔ اسی نے مجھے بتایا کہ سات دن بعد ڈاک
یہاں سے چلا جائے گا۔ وقت کم تھا۔ میں اُسی شام کو وہاں سے روانہ ہو گیا۔ قیطاریوں کے
یقین دلانے کے بعد کہ انہیں ڈاکٹر سڈلر کی چیرہ دستیوں سے نجات مل جائے گی۔ مجھے ا
بھی بڑی مدد ملی اور جو راستہ چھ دن میں طے ہونا تھا وہ صرف ڈھائی دن میں طے ہو گیا۔ ٹیا
پہنچ کر سب سے پہلے غرتاش اور فزارو کے منیجر کو حراست میں لیا گیا۔ پھر میجر نصرت کو
دے کر میں واپس لوٹ آیا۔ میں نے ایک ایک گھڑی کا حساب لگایا تھا۔ میجر نصرت کو کہ ا
چلے اور اُسی رات کو پہنچے جب انہیں پہنچنا چاہئے تھا۔ مگر پھر بھی انہیں ایک گھنٹہ کی دیر ہو
اتنی پریشانی اٹھانی پڑی۔" فریدی رک گیا اور اس نے ایک گہرا کش لیا۔

"مگر آپ نہتے کیوں گئے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"اُس کے کمرے میں پستول لے کر جانا بے کار تھا۔ پھر میرا مقصد اُسے زندہ گرفتار
اس لئے کہ وہ کوئی معمولی مجرم نہیں ہے۔ اس نے ساری دنیا کو تباہی کے غار میں دھکیلنے
بنایا تھا اور اگر وہ اپنی ایجاد میں کامیاب ہو گیا ہوتا تو کسی جنگ باز ملک کے ہاتھ اُسے فر
کر کے امن کے لئے ایک مستقل خطرہ بن جاتا۔" فریدی نے کہا۔

"فریدی صاحب! پھر وہ تگڑی تگڑی عورتوں کا لالچ اور اتنی خاطر کیوں کرتے تھے؟
نے معصومیت سے کہا۔

"یہ نہیں جانتے کہ قربانی کے بکروں کی قربانی سے پہلے خوب خاطر کی جاتی ہے۔"
نے کہا۔ سب لوگ ہنسنے لگے۔ قاسم پہلے تو پاگلوں کی طرح سب کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر آ
آپ ہنسنے لگا۔

واپسی پر قاسم راستے بھر چہکتا رہا۔

"آپ تو جانتے ہی ہیں فریدی صاحب۔" ایک دن اُس نے شرما کر کہا۔

"کیا جانتا ہوں۔"

"وہی.... یعنی کہ.... حمید بھائی نے جو ایک بار مجھ سے کہا تھا۔"

"کیا کہا تھا۔"

"یہی کہ تم وہ کرلو۔"

"کیا کرلو۔"

"یہی تو کہا تھا کہ اُن سے وہ کرلو.... تو وہ ہو گیا.... انہیں بھی اور مجھے بھی۔"

"کیا ہو گیا؟ کچھ تو بتاؤ۔" فریدی بھی تفریح کے موڈ میں تھا۔

"اجی وہی.... ہی ہی ہی۔" قاسم دانتوں تلے انگلی دباتے ہوئے نظریں جھکا کر آہستہ سے
"عشق۔"

"عشق....!" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "اتنا بڑا ڈیل ڈول لے کر عشق کرتے ہوئے
ں شرم نہ آئے گی۔"

"شرم تو آتی ہے۔" قاسم نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"اور میں نے سنا ہے کہ تمہاری شادی بھی ہو چکی ہے۔"

"ہو تو چکی ہے.... مگر....!"

"مگر کیا؟"

"وہ مجھ سے ڈرتی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی چیخ مار کر بیہوش ہو جاتی ہے۔ ارے لاحول.... چیخ مار کر۔"

"تم نے یقیناً کسی موقع پر اُسے ڈرا دیا ہو گا۔"

"اجی نہیں.... لاحول ولا.... میں تو اُس سے شروع ہی سے ہنسی مذاق کرتا رہا ہوں۔"

"اچھا.... ذرا بتانا تو.... میں بھی دیکھوں کہ تمہارے ہنسی مذاق کا کیا معیار ہے۔"

"میں کبھی کسی سے ہنسی مذاق نہیں کرتا۔ بہت سنجیدہ آدمی ہوں۔" قاسم نے کہا۔ "مگر
ے دوستوں نے مجھے سمجھا دیا تھا کہ پہلے ہنسی مذاق کرنا۔ تو جناب میں نے جاتے ہی مذاق ہی
ق میں مسہری کے دونوں پائے پکڑ کر.... اُسے مسہری سمیت سر سے اونچا اٹھا لیا۔ بس
حب وہ نہ جانے کیا سمجھی کہ چیخ مار کر بیہوش ہو گئی۔ اللہ قسم میں ہنس رہا تھا کوئی غصے میں تھوڑا ہی
ا کیا تھا۔"

فریدی ہنسنے لگا اور قاسم پھر بولا "میں نے اُسے تین طلاقیں زبانی دے دی ہیں اگر زیادہ تاؤ
ایا گیا تو لکھ کر بھی دے دوں گا۔ تو پھر آپ کیا کہتے ہیں۔"

"کس کے لئے۔"

"یہی کہ اگر وہ ہو جائے تو کیا حرج ہے۔"

"کیا ہو جائے....!"

"ہی ہی ہی.... شش.... شادی۔"

"فرزانہ سے۔" فریدی نے بگڑ کر پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"کیوں بکتے ہو.... اس کے بڑے بڑے الفاظ ہضم کر سکو گے۔"

"میں لغات کا مطالعہ شروع کر دوں گا۔ آپ وہ کرا دیجئے۔"

"وہ کرنل کی بیٹی ہے۔"

"تو میں کسی بھٹیارے کی اولاد نہیں ہوں۔" قاسم بگڑ کر بولا۔ "اگر کرنل صاحب انکار کر دیں گے تو میں سو بار انکار کر دوں گا۔ کیا سمجھتے ہیں وہ اپنے کو۔ میں کسی اور سے وہ کرلوں گا ہاں.... ایسے ایسے کرنل میری جیب میں رکھے رہتے ہیں.... ہاں۔"

قاسم بڑبڑاتا رہا اور سورج غروب ہو گیا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 34

پرہول سناٹا

(مکمل ناول)

پیش رس

"پر ہول سناٹا" میں ابن صفی نے ایک نیا تجربہ کیا ہے۔

مجرم ذہن کس طرح اپنے حالات پر پردہ ڈالتا ہے؟ وقت آنے پر کتنا بے رحم، سفاک اور درندہ صفت ثابت ہو سکتا ہے؟ اس کا اندازہ اس کہا کے دو بھیانک کرداروں سے ہو سکے گا۔ اس کہانی کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ لوگ جو سوسائٹی کے ایک اہم رکن سمجھے جاتے ہیں، جن کے عزت و وقار کی داستانیں زبان زد ہوتی ہیں وہ اگر جرائم پر اتر آئیں تو کتنے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔

"پر ہول سناٹا" ہمیں ابن صفی کے ان گذشتہ کارناموں کی بیساختہ یا دلاتا ہے جن میں "فریدی اور لیونارڈ"، "مصنوعی ناک"، "موت کی آندھی" اور "نیلی روشنی" خاصی شہرت رکھتے ہیں۔

"پر ہول سناٹا" پڑھ کر آپ یہ محسوس کریں گے کہ ابن صفی کا یہ شاہکار اپنے ان سابقہ کارناموں کو کہیں پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ اب تک انہوں نے جتنے بھی کارنامے پیش کیےہیں "پر ہول سناٹا" تحیر و استعجاب، اسرار، سراغرسانی رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات کے اعتبار سے سب سے بازی لے گیا ہے۔ فریدی نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں وہ اپنی جگہ پر اٹل ہیں لیکن حمید بھی اس بار بہت آگے رہا ہے۔

پبلشر

خبطی اجنبی

سرجنٹ حمید حقہ پی رہا تھا۔ عادتاً یا ضرورتاً نہیں بلکہ شرارتاً۔ مقصد فریدی کو تاؤ دلا کر بند رے سے باہر نکالنا تھا۔ حقہ ایک نوکر کا تھا جسے حمید نے فریدی کے بند دروازے کے قریب رکھ کش لگانے شروع کر دیئے تھے۔

فریدی کے کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا۔

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر آگے بڑھ کر اس نے اس کے دونوں کان پکڑ لئے، حمید ں کے باوجود بھی نہایت پُرسکون انداز میں حقہ پیتا رہا۔

بہر حال حقے کی نے اس وقت اس کے منہ سے نکلی جب فریدی نے فرشی پر ٹھوکر رسید ردی۔ حقہ پھسلتا ہوا صحن میں جاگرا۔

حمید ذرہ برابر پرواہ کئے بغیر فریدی کے کمرے میں جا گھسا اور پھر اس نے بچوں کی طرح لکاری لگا کر اپنا انگوٹھا چوسنا شروع کر دیا۔ فریدی بھی اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں گھسا تھا۔

"آپ بھی چوسیئے نا۔" حمید نے اپنے منہ سے انگوٹھا نکال کر کہا اور پھر چوسنے لگا اور ساتھ ی وہ شرارت آمیز نظروں سے سینما کی اس چھوٹی مشین کو دیکھ رہا تھا جو فریدی نے ایک اونچے اسٹول پر فٹ کر رکھی تھی۔

"ہم بھی چھینما دیکھیں گے۔" حمید نے بچوں کی طرح تتلا کر کہا۔ "پھلیدی چھاہپ.... ہم بھی چھینما دیکھیں گے۔"

"اچھا تو تم شائد یہ سمجھ رہے ہو کہ میں نے یہ اپنی دلچسپی کے لئے نکالی ہے۔" فریدی ایک خشک سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"نہیں حضور! میں سمجھتا ہوں کہ ابھی آپ بوڑھے نہیں ہوئے۔" حمید نے منہ سے انگوٹھا نکال کر کہا۔ "ویسے اس کام کے لئے کمرہ بند کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"بکومت۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "تم حقہ کیوں پی رہے تھے؟"

"ہاتھی کی دم تو نہیں چوس رہا تھا۔" حمید نے بھی اُسی انداز میں کہا۔

"ہزار بار سمجھا دیا کہ موقع محل دیکھا کرو۔"

"اوہو! تو کیا حقہ آپ کے موقع محل میں حارج ہو رہا تھا۔" حمید ہاتھ نچا کر بولا۔ "خوب! اب ہم حقہ بھی نہ پئیں۔ کبھی کبھار تھوڑی سی منہ کا مزہ بدلنے کے لئے پی لو تو مصیبت اور حقہ بھی نہ پینے دیا جائے گا۔ سنا آپ نے! کان کھول کر سنئے! حقہ پیا جائے گا۔ میرے باپ سب حقہ پیتے آئے ہیں۔ آپ شخصی آزادی پر حملہ کر رہے ہیں۔"

"گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گا۔"

"فکر نہیں۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "قاتل کا سراغ مجھے آسانی سے مل جائے گا۔"

"نکل جاؤ۔" فریدی نے اُسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

"ایک ریل دیکھ کر جاؤں گا۔" حمید بولا۔ "کہئے تو پاس پڑوس کے بچوں کو پھسلا کر لے آ
ان سے کم از کم دو دو پیسے تو وصول ہی ہو جائیں گے۔"

فریدی کوئی جواب دینے کی بجائے مشین پر فلم کی ریل چڑھانے لگا۔ پھر سامنے والی دیوا
اس نے عکس ڈال کر دیکھا اور مشین بند کر دی۔

حمید اوٹ پٹانگ باتیں کرتا رہا لیکن شائد فریدی نے کان نہ دھرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اس
اسے دھکے دے کر کمرے سے نکالا اور کمرے کو مقفل کرنے کے بعد اس کی گردن پکڑے ہو
لائبریری میں آیا۔

"سنو....!" وہ اُسے جھنجھوڑ کر بولا۔ "ابھی یہاں ایک نیم پاگل آدمی آئے گا اور تم اپنی زبا
کو قابو میں رکھو گے! سمجھے۔"

"تو گردن چھوڑیئے نا۔" حمید جھنجھلا کر اس کی گرفت سے نکل گیا۔ چند لمحے بُرا سا منہ بنا
اُسے گھورتا رہا پھر جھلا کر بولا۔ "کیا میں گدھا ہوں۔"

اس کے بعد وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن فریدی نے بڑے پُر خلوص انداز میں سر ہلا
اُس کے ادھورے جملے کی تائید کر دی۔

"آپ ریچھ نچائیے۔" حمید چیختا رہا۔ "ڈگڈگی بجائیے! مجھے کیا.... اور اگر آپ یہاں ک

نی یا خبطی کو مدعو کر رہے ہیں تو مجھ سے مطلب! میری زبان فالتو نہیں ہے، جو آپ کے گھٹیا
ان کے سلسلے میں تکلیف اٹھائے۔ آخر آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔"

"اُلو....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے جملہ پورا کرنے دیجئے۔" حمید گردن جھٹک کر بولا۔

بات کچھ اور بڑھتی لیکن ایک نوکر نے یہ سلسلہ ختم کر دیا۔ اسکے ہاتھ میں ایک ملاقاتی کارڈ تھا۔

"اوہ ٹھیک ہے۔" فریدی کارڈ پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر بولا۔ "انہیں بٹھاؤ۔"

فریدی اپنے کمرے میں چلا گیا اور حمید نے ڈرائنگ روم کی راہ لی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ملاقاتی
ان ہو سکتا ہے۔ وہ وزیٹنگ کارڈ پر اس کا نام بھی نہیں پڑھ پایا تھا۔

ڈرائنگ روم میں ایک پستہ قد لیکن بھاری بھرکم آدمی نظر آیا جس کی پشت دروازے کی
ف تھی اور وہ شائد دیوار سے لگی ہوئی ایک پینٹنگ دیکھ رہا تھا۔ حمید کی آہٹ سن کر اچانک
ڑا۔ آدمی معمر تھا لیکن خدوخال بچکانہ تھے۔ چہرہ بھرا ہوا اور ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا۔
رخساروں کی جلد کی ہلکی سی نیلاہٹ کہہ رہی تھی کہ وہ روزانہ شیو کرنے کا عادی ہے۔ آنکھوں
میں طفلانہ شوخی کی ہلکی سی جھلک تھی جو اس کی کشادہ پیشانی کے پُر وقار نشیب و فراز کی موجودگی
میں کسی شعر کی شتر گربگی کی طرح کھٹکتی تھی۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان میں رہی ہو گی۔ وہ
جاپانی سلک کی پتلون اور ہلکی نارنجی رنگ کی ریشمی قمیض میں ملبوس تھا۔

حمید کو دیکھ کر اس طرح چونک کر خوش آمدید کہنے والے انداز میں مسکرایا جیسے حمید اس کا
پرانا شناسا ہو۔ لیکن پھر سنبھل گیا اور اس کے چہرے پر فوری خجالت کے آثار نظر آنے لگے۔

"میرے ساتھ ایک صاحب اور تھے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "وہ چند لمحے کیلئے باہر گئے ہیں۔"

"تشریف رکھئے۔" حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

"میں یہ پینٹنگ دیکھ رہا تھا۔" اس نے خواب ناک آواز میں کہا۔ حمید وہ تصویر دیکھنے لگا جس
کی طرف اجنبی کا اشارہ تھا۔ یہ کسی استوائی خطے کی تصویر تھی جس میں ربر کے اونچے اونچے
درخت تھے اور پیش منظر میں کچھ سیاہ فام آدمی اپنے کاندھوں پر ربر اکٹھا کرنے کے برتن اٹھائے
چلتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

"پتہ نہیں۔" اجنبی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے ان آدمیوں

اور درختوں کو قریب سے دیکھا ہو۔ ٹھہریئے! مجھے سوچنے دیجئے۔"

دفعتاً حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کی طفلانہ شوخی یک بیک غائب ہو گئی ہو اور اس کی جگہ ایک ایسی سنجیدگی نے لے لی ہو جو عموماً ساٹھ یا ستر سال کے تجربات کا نتیجہ ہوتی ہے۔ کشادہ پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں اور چہرے پر بے چینی کے آثار پیدا ہو گئے۔ یہ کیفیت شائد ایک منٹ تک رہی پھر وہ گردن جھٹک کر بولا۔ "اونہہ! ہوگا کچھ! آخر میں کچھ یاد کرنے کی کوشش کیوں کر رہا ہوں۔"

اس نے یہ جملہ اس انداز میں کہا تھا جیسے خود کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہو۔ پھر اس نے حمید سے کہا۔ "ایسا بھی تو ہوتا ہے۔ کم از کم میرے ساتھ اکثر ایسا ہوا ہے۔ میں جو خواب بھی دیکھتا ہوں اس کے متعلق خواب ہی میں سوچنے لگتا ہوں کہ یہ خواب تو میں پہلے بھی کبھی دیکھ چکا ہوں۔ غالباً آپ بھی....!" اس کا جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ فریدی آ گیا۔

"اوہو.... انسپکٹر صاحب۔" اجنبی مصافحہ کرنے کے لئے فریدی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "آپ یہاں کہاں۔"

"میں یہیں رہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن ناصر میاں نے تو مجھ سے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ آپ کے یہاں آ رہے ہیں۔ وہ کہیں گئے ہیں ابھی آ جائیں گے۔"

"نہ بتایا ہوگا۔ ناصر میرے گہرے دوستوں میں سے ہیں۔"

"وہ تو میں جانتا ہوں۔" اجنبی نے کہا اور پھر اس تصویر کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اجنبی پر اچانک اتنی محویت طاری ہو گئی تھی جیسے اُسے وہاں اپنے علاوہ دوسرے آدمیوں کی موجودگی کا احساس نہ ہو۔

"کیا آپ کو کچھ یاد آ رہا ہے۔" فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

وہ چونک کر فریدی کی طرف مڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"مجھے کیا یاد آ رہا ہے؟" اُس نے آہستہ سے کہا پھر اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کیا یاد آ رہا ہے.... لیکن یہ درخت.... اور یہ سیاہ فام آدمی.... میں شائد انہیں جانتا ہوں۔ نہ جانے کیوں.... نہ جانے کیوں.... کیا آپ بتا سکیں گے کہ یہ کہاں کا منظر ہے۔"

"جنوبی امریکہ.... آمیزن بیسن۔" فریدی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

حمید ان دونوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اجنبی نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر اپنی جیبیں ٹٹولیں اور سگریٹ کا پیکٹ نکال کر بولا۔ "کبھی نہیں.... میں جنوبی امریکہ کبھی نہیں گیا.... پھر مجھے یہ سب کیوں محسوس ہوتا ہے؟"

"اکثر ہوتا ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"آپ بھی محسوس کرتے ہیں۔" اجنبی نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں سبھی محسوس کرتے ہیں۔ آیئے آپ کو اپنا گھر دکھاؤں۔"

"ضرور.... ضرور۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔

پھر فریدی اُسے پوری عمارت میں گھما کر اس کمرے میں لایا جہاں اُس نے سینما کی مشین فٹ کر رکھی تھی۔

"ناصر تو کہتے تھے کہ آپ انسپکٹر ہیں۔" اجنبی نے کہا۔ "لیکن آپ تو لارڈوں کی طرح رہتے ہیں۔ انگلینڈ میں میرا ایک دوست لارڈ جیروم ہے۔ اس کا مکان بھی اتنا شاندار نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کا عجائب خانہ ہی کم از کم چالیس ہزار پاؤنڈ کا ہوگا۔"

"ہو سکتا ہے.... یہ سرمایہ دراصل خاندانی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اور اس کے باوجود بھی آپ انسپکٹری کرتے ہیں۔" اجنبی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اب میں آپ کو کچھ دلچسپ فلمیں دکھاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ! ضرور ضرور.... کیا خود آپ کی فوٹو گرافی ہے۔"

"نہیں! لیکن میری پسندیدہ ریلیں ہیں۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر وہ کون ہے؟ کیا فریدی نے وہ مشین اسی کے لئے فٹ کی تھی۔ ناصر جس کا حوالہ اجنبی نے دیا تھا فریدی کے دوستوں میں سے تھا اور حمید بھی اُسے اچھی طرح جانتا تھا۔ لیکن ناصر اس وقت تھا کہاں؟ اجنبی کے بیان کے مطابق وہی اُسے یہاں تک لایا تھا۔ فریدی سے تو اُس کی توقع مضحکہ خیز تھی کہ وہ اپنے کسی مہمان کو اچھل کود والی فلمیں دکھا کر محظوظ کرے گا۔

"ذرا دروازہ بند کر دینا۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

پھر کمرے میں اندھیرا ہو جانے کے بعد فریدی نے مشین کا سوئچ آن کر دیا سامنے والی دیوار

پر تصویروں کا عکس پڑنے لگا۔

حمید کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے یہ دیکھا کہ مناظر ربر کے جنگلوں کے سیاہ فام آدمی درختوں کے تنوں سے ربر اکٹھا کرنے کے برتن لٹکا رہے تھے۔ کہیں تنوں سوراخ کئے جا رہے تھے کہیں بھرے ہوئے برتن اتارے جا رہے تھے۔ ریل چلتی رہی.... اجنبی چیخنے لگا۔

"یوروکاشی.... سومسٹ اِٹ راؤٹ.... زیمبو.... گیٹالی.... اِٹ رال بون۔"

وہ پھر خاموش ہو گیا۔ یہ زبان حمید کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ البتہ وہ دھندلی روشنی میں اج تمتماتا ہوا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی قسم کا جوش دبانے کی کوشش کر رہا ہو فریدی چپ چاپ مشین چلاتا رہا۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جس کا داہنا ہاتھ تو مشین سے الجھا ہوا تھا لیکن آنکھیں اجنبی کے چہرے پر تھیں۔

ریل ختم ہو گئی اور حمید نے کمرے میں روشنی کر دی۔ اجنبی چونک کر اس طرح اپنی آنکھیں ملنے لگا جیسے سوتے سوتے جاگا ہو۔ پھر اس نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے فریدی اور حمید کو دیکھنا شروع کر دیا۔

"انسپکٹر صاحب۔" اس نے فریدی کو مخاطب کیا۔ "یہ ریل بہت اچھی ہے۔ اتنی اچھی ہے.... مگر شاید میں پاگل ہو گیا ہوں۔"

"کیوں کیا بات ہے۔" فریدی نے اپنے چہرے پر تحیر کے آثار پیدا کر کے کہا۔

"میں آخر کیوں محسوس کرتا ہوں۔ آپ کہتے ہیں.... دیکھئے میں پھر بھول گیا۔" وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

فریدی چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔

"آپ کہتے ہیں کہ آپ جنوبی امریکہ نہیں گئے لیکن ابھی آپ آمیزن کے باشندوں کی زبان بول رہے تھے۔"

"میں....!" اجنبی کے لہجے میں حیرت تھی۔ "نہیں تو.... میں کیا جانوں آمیزن کی زبان۔"

"اوہ.... مجھے پورا جملہ یاد ہے۔" فریدی نے کہا۔ "یوروکاشی.... سومسٹ اِٹ راؤٹ....

گیٹالی اٹ رال بون.... جس کا مطلب یہ ہے کہ الگ ہٹو.... برتن ہٹاؤ.... یہ بالکل بیو... ہے... اور غالباً زیمبو اور گیٹالی آدمیوں کے نام ہیں۔"

اجنبی متحیرانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر یک بیک اس کی طفلانہ شوخی لوٹ آئی وہ مسکرا کر بولا۔ "آپ مذاق کر رہے ہیں۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں معلوم۔ نہ میں نے آج تک یہ زبان سنی ہے اور نہ جنوبی امریکہ میں رہا ہوں.... آپ یقین کیجئے۔"

حمید کو بڑی حیرت ہوئی کیونکہ اس نے بھی اسے کسی غیر ملکی زبان میں کچھ بڑبڑاتے صاف صاف سنا تھا اس کی بے چینی بڑھ گئی۔ وہ اس پُراسرار آدمی کی شخصیت سے بُری طرح متاثر ہو رہا تھا کمرے میں سناٹا چھا گیا تھا اور اب فریدی مشین پر کوئی دوسری ریل چڑھا رہا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے اس اجنبی سے یہ بات منوانے کی کوشش کیوں نہیں کی کہ ابھی ابھی اس کے منہ سے کسی غیر ملکی زبان کے الفاظ نکلے تھے۔ اس کے برعکس فریدی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے اس مسئلے سے کوئی دلچسپی ہی نہ ہو۔

کمرے میں پھر اندھیرا ہو گیا اور دوسری ریل چلنے لگی۔ اس کا موضوع شکار تھا۔ فریدی نے یکے بعد دیگرے چار ریلیں اور دکھائیں، جو مختلف موضوعات پر تھیں۔

اس دوران میں کوئی خاص بات رونما نہیں ہوئی۔ اجنبی پُرسکون انداز میں بیٹھا دیکھتا رہا۔ کبھی کبھی اس کے منہ سے تحسین یا حیرت کے جملے نکل جاتے تھے اور یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ اس کی جگہ کسی دوسرے کا بھی یہی رویہ ہو سکتا تھا۔ حمید کی اکتاہٹ بڑھنے لگی۔

فریدی نے آخری ریل چڑھائی تو حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ ریل میکسیکو کے چرواہوں کی زندگی سے متعلق تھا۔ ایک جگہ اچانک اجنبی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ جس منظر پر اس کی یہ کیفیت ہوئی وہ بھی کسی غیر معمولی بات کا حامل نہیں تھا۔

دو چرواہے آپس میں لڑ رہے تھے۔ لڑتے لڑتے وہ ایک چٹان پر پہنچ گئے جو زمین سے بہت زیادہ اونچی تھی۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کو چٹان سے دھکیل دیا اور وہ توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر اچھل کر نیچے چلا آیا۔

"راشد....!" اجنبی کی چیخ سے کمرہ جھنجھنا اٹھا۔ "راشد.... راشد!"

پھر اس نے دو تین جھکولے لئے اور منہ کے بل فرش پر گر پڑا۔

حمید نے بوکھلا کر کمرے میں روشنی کر دی اور اُسے اٹھانے کے لئے لپکا۔

"صوفے پر ڈال دو۔" فریدی نے اس طرح کہا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

اجنبی بیہوش ہو چکا تھا۔ سرجنٹ حمید نے اُسے بدقت تمام اٹھایا اور صوفے پر ڈال دیا۔ چونکہ آدمی وزن دار تھا اس لئے حمید کو دانتوں پسینہ آ گیا۔

اب وہ فریدی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے خود اُسی کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہو۔

"کیا بھٹیار خانہ پھیلا رکھا ہے آپ نے۔" حمید نے کہا۔

"تم نے سنا ہوگا۔" فریدی نے درویشانہ انداز میں انگلی اٹھا کر کہا۔ "کہ یاجوج ماجوج کا قرب قیامت کی دلیل ہوگا۔"

"کوئی کیس....!"

"ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی ہو جائے۔"

"بہر حال آپ مجھے زندہ نہ رہنے دیں گے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "اور اس یاجوج ماجوج۔

جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی ایک نوکر نے کسی دوسرے ملاقاتی کی اطلاع دی۔

"یہیں بلا لو۔" فریدی نے نوکر سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ایک ایسا آدمی کمرے میں داخل ہوا جسے حمید اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ فرید دوست میجر ناصر تھا۔ حمید کو یاد آ گیا کہ بیہوش ہو جانے والے نے بھی ناصر کا حوالہ دیا تھا۔

میجر ناصر نے متفکرانہ انداز میں بیہوش اجنبی کی طرف دیکھ کر آہستہ سے سر ہلایا اور فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا ان پر بیہوشی کے بھی دورے پڑتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا؟"

"بہرحال یہ بیہوش ہو گئے ہیں۔" فریدی نے کہا.... پھر وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "راشد کون ہے۔"

"اوہ.... تو کیا انہوں نے راشد کا نام لیا تھا۔" میجر ناصر نے حیرت سے کہا۔

فریدی اقرار میں سر ہلا کر جواب طلب نظروں سے ناصر کی طرف دیکھنے لگا۔

"راشد ان کا اکلوتا لڑکا ہے۔ وہ بھی انہیں کے ساتھ جنوبی امریکہ میں تھا لیکن اب انہ اس کے متعلق بھی کچھ یاد نہیں۔"

"تم نے یہ نہیں بتایا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"خیال نہیں رہا تھا۔"

"میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان کی یاد داشت واپس لائی جا سکتی ہے۔" فریدی نے کہا۔ ی تک جن ماہرین نے ان کا علاج کرنے کی کوشش کی ہے انہوں نے کوئی مناسب طریقہ ر نہیں کیا۔"

"تو یہ ہوش میں کس طرح آئیں گے۔" ناصر نے کہا۔

"اگر تمہارا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ اس سے قبل کبھی اس طرح بیہوش نہیں ہوئے تو ہوش میں ، پر ان کی یاد داشت واپس بھی آ سکتی ہے۔ ویسے ان کا خود بخود ہوش میں آنا ہی بہتر ہوگا۔"

"ہم سب ان کے لئے پریشان ہیں۔" ناصر نے کہا۔

حمید کی جھنجھلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن اُس نے تہیہ کر لیا کہ فریدی سے اس کے متعلق ہ پوچھے گا ظاہر ہے کہ وہ اس اجنبی سے پہلے ہی سے واقف رہا ہوگا۔ اگر واقف تھا تو اس نے ی اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا۔

حمید چپ چاپ کمرے سے نکل آیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس اجنبی کے متعلق کہاں سے مات فراہم کر سکے گا۔ ناصر کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ اجنبی سے اس کے قریبی تعلقات ۔ لہٰذا ایسے موقع پر میجر ناصر کی خوبصورت سالی زرینہ کا خیال آنا ضروری تھا اور ملاقات" یہ ایک اچھی خاصی "تقریب" ہاتھ آئی تھی۔

حمید نے کپڑے پہنے اور گھر سے نکل بھاگا۔ زرینہ ایک گورنمنٹ ہائی سکول میں مسٹرس تھی۔

حمید نے کار اسی راستے پر لگا دی۔ دونوں ایک دوسرے سے واقف ضرور تھے لیکن یہ واقفیت تکلفی کی حد تک نہیں تھی۔ حالانکہ حمید نے کئی بار محسوس کیا تھا کہ زرینہ اس سے بے تکلف چاہتی ہے لیکن بعض وجوہات کی بناء پر خود اس نے ہی اسے مناسب نہیں سمجھا۔ ان میں سے ے خاص وجہ یہ تھی کہ وہ فریدی کے ایک دوست کی سالی تھی۔ ویسے خود اس کا ایمان اس پر تھا کہ اگر دوستی کی چودھویں پشت میں بھی کسی سالی کا وجود ہو تو وہ سو فیصدی حلال ہے۔

ایک زخمی ایک لاش

حمید نے اسکول کے پھاٹک کے سامنے سڑک کے دوسرے کنارے پر کیڈیلاک ر
دی۔ غالباً اسکول میں چھٹی ہو گئی تھی اور طالبات باہر نکل رہی تھیں۔ وہ زرینہ کے انتظار
کیڈی ہی میں بیٹھا رہا۔

تقریباً بیس منٹ بعد زرینہ پھاٹک میں دکھائی دی۔ وہ تنہا تھی۔ شائد وہ سب کے بعد
ہوئی تھی۔ حمید کار اسٹارٹ کر کے اسے موڑنے ہی جا رہا تھا کہ اس نے قریب ہی کے ایک
اسٹال سے ایک آدمی کو نکل کر زرینہ کی طرف بڑھتے دیکھا یہ بات کچھ ایسی اہم نہ تھی لیکن
دوسرے واقعے نے حمید کو کار موڑنے سے روک دیا۔ بک اسٹال کے برابر والے چائے خانے
ایک چھوٹے قد کا چینی جھانک رہا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ اس کی توجہ کا مرکز وہ آدمی
بک اسٹال سے نکل کر زرینہ سے گفتگو کر رہا ہے۔ حمید نے کیڈی کا انجن بند کر کے اپنے فلٹ
کا گوشہ چہرے کی طرف جھکا لیا۔

وہ آدمی چند لمحے زرینہ سے کچھ کہتا رہا۔ حمید زرینہ کے چہرے پر تحیر کے آثار دیکھ رہا
پھر اس نے انہیں ٹیکسیوں کے اڈے کی طرف جاتے دیکھا۔ پستہ قد چینی ان کا تعاقب کر رہا تھا
زرینہ اور اس کا ساتھی ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور ٹیکسی گھوم کر حمید کے قریب ہی سے
گئی۔ پھر اس نے ایک دوسری ٹیکسی میں تعاقب کرنے والے چینی کو بھی دیکھا۔ اس کی
آگے والی ٹیکسی کا تعاقب کر رہی تھی۔

جب دوسری ٹیکسی تقریباً چار سو گز کے فاصلے پر نکل گئی تو حمید نے بھی اپنی گاڑی
طرف موڑ دی۔ تینوں کاریں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے چل رہی تھیں۔ چونکہ سڑک پر ٹر
کا طومار تھا۔ اس لئے اس قسم کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا کہ کوئی کسی کا تعاقب کر رہا
زرینہ اور اس کا ساتھی ہوٹل ڈی فرانس میں اتر گئے۔ چینی کی ٹیکسی بھی رک گئی تھی لیکن
اندر ہی بیٹھا رہا۔ شائد اسے ان کے داخلے کا انتظار تھا۔

وہ دونوں اندر چلے گئے اس کے بعد چینی بھی اپنی ٹیکسی سے اترا۔

حمید نے چینی کی ٹیکسی کے قریب سے گذرتے وقت محسوس کیا کہ وہ حقیقتاً ٹیکسی نہیں

ٹیکسیوں کے اڈے پر کھڑی ہونے والی ایک پرائیویٹ کار تھی۔ اس کا ڈرائیور بھی چینی ہی تھا۔

حمید نے کار کا نمبر نوٹ کر لیا۔

ہوٹل ڈی فرانس کے ڈائننگ ہال میں ابھی زیادہ بھیڑ نہیں ہوئی تھی۔

ہال کے وسط میں چھوٹی چھوٹی میزیں تھیں اور دونوں بازوؤں میں آمنے سامنے کیبنوں کے
لے تھے۔

حمید نے ایک کیبن میں زرینہ اور اس کے ساتھی کو دیکھا۔ دونوں بیٹھ چکے تھے اور اب اس کا
تھی دوبارہ اٹھ کر پردہ کھینچ رہا تھا۔ برابر والے کیبن میں چینی موجود تھا۔ بظاہر اس کے انداز سے
معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ یونہی بلا مقصد اس کیبن میں بیٹھ گیا ہو۔

حمید ان دونوں کیبنوں کے سامنے والے کیبن میں بیٹھ گیا۔ وہ قریب ہی بیٹھنے کی کوشش
تا لیکن خدشہ یہ تھا کہ کہیں زرینہ کی نظر اس پر نہ پڑ جائے۔

زرینہ کا اس اجنبی کے ساتھ ہونا اتنا تحیر آمیز نہیں تھا جتنا کہ ایک غیر ملکی کا ان دونوں کا
اقب کرنا۔ اگر حمید اس چینی کو نہ دیکھتا تو شائد یہ سوچنے کی بھی زحمت گوارا نہ کرتا کہ ان دونوں
اقب کیا جائے۔

ویٹر نے چینی کی میز پر چائے کی کشتی رکھ دی اور شائد اسی کی ہدایت کے مطابق اُس نے
بن کا پردہ بھی کھینچ دیا۔

حمید کی میز پر بھی کافی آگئی تھی اور وہ ہلکی ہلکی چسکیاں لیتا ہوا سوچ رہا تھا کہ آخر اس تعاقب
کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اگر وہ رومان بازی کا سلسلہ تھا۔ تب بھی اس میں کسی چینی کا دلچسپی لینا تحیر
ئیز نہیں تو جاذب توجہ ضرور ہو سکتا تھا۔

اور پھر یہ بات بھی ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ دونوں اُس چینی سے واقف نہیں تھے کیونکہ حمید
کے قیاس کے مطابق اس دوران میں انہوں نے اس چینی کو کئی بار دیکھا تھا اور اس سے اسی طرح
بے تعلق معلوم ہوئے تھے جیسے وہ ان کے لئے اجنبی ہو۔

حمید کی نظریں کیبنوں کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

تقریباً پانچ یا چھ منٹ بعد چینی اپنے کیبن سے نکلا اور سیدھا باہر چلا گیا۔

حمید شش و پنج میں پڑ گیا کہ اب کیا کرے۔ وہیں ٹھہرے یا اس کا تعاقب دوبارہ شروع

کر دے۔ بہر حال اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہیں ٹھہرے گا۔ اسے گھر پہنچنے سے قبل ہی اس
اجنبی کے متعلق معلومات فراہم کرنی تھیں۔ اس کا مقصد محض اتنا تھا کہ وہ بھی فریدی پر اپ
دانی کا رعب ڈال سکے۔ چند لمحے کے بعد اس کا ذہن اصل موضوع سے بہک گیا اور وہ زرین
حسن کے متعلق سوچنے لگا۔ پھر شائد وہ چاہِ زنخداں پر کسی استاد کا شعر یاد کرنے کی کوشش
رہا تھا کہ اچانک ہال میں ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ حمید نے ایک تیز قسم کی روشنی کا جھماکا م
کیا۔ ساتھ ہی دو چیخیں سنائی دیں اور زرینہ والے کیبن کے پردے میں آگ لگ گئی۔ کسی
نکلنا چاہا لیکن جلتا ہوا پردہ اس سے الجھ گیا۔ اور وہ پردہ سمیت باہر فرش پر گرا۔ اس بار چیخ ز
تھی۔ کئی کرسیاں الٹ گئیں۔ کچھ میزیں گریں اور پورا ہال آگ آگ کے شور سے گونج اٹھا
زرینہ کی طرف جھپٹا۔ زرینہ ہوش میں تھی اور خود کو آگ سے بچانے کی کوشش کر رہی
حمید نے جلتا ہوا پردہ کھینچ کر الگ کر دیا۔ ساری کے آنچل میں آگ لگ گئی تھی۔

"باہر نکلو.... باہر نکلو۔" کوئی چیخ رہا تھا۔ داہنے بازو کے سہارے کیبنوں کو آگ نے
لپیٹ میں لے لیا تھا۔ حمید نے بدقت تمام ہاتھوں سے پیٹ پیٹ کر زرینہ کے آنچل کی آگ
اور اسے کھینچتا ہوا ہجوم سے باہر نکال لے گیا۔ پورے ہوٹل میں ابتری پھیل گئی تھی۔ لوگ
کمپاؤنڈ میں کھڑے شور مچا رہے تھے۔ اس میں سے کسی کو شائد اس کا بھی ہوش نہیں تھا کہ
کیبن میں دھماکہ ہوا وہاں سے ایک عورت نکلی تھی جس کے کپڑے میں آگ لگی ہوئی تھی۔

حمید اُسے باہر کمپاؤنڈ میں نکال لایا۔

"میں چل نہیں سکتی۔" زرینہ لڑکھڑا کر کراہی۔ "میرے پیر میں جلتی ہوئی چھریاں گھس گئی ہ

کچھ لوگ دوڑتے ہوئے ان کے پاس سے گذر گئے۔

حمید اُسے پارک میں لے آیا۔

"مجھے زمین پر ڈال دیجئے۔" زرینہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولی۔

شور بڑھتا جا رہا تھا۔ شائد آگ پھیل رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہوٹل کا کمپاؤنڈ آدمیوں
بھر گیا۔ ان میں کچھ باوردی کانسٹیبل بھی تھے۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ زرینہ پر غشی طاری ہو رہی ہے اور وہ اب اپنے پیروں پر کھڑی
ہو سکتی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

"آپ کا ساتھی کہاں ہے۔" حمید نے زرینہ سے پوچھا۔

"اوہ.... میں گری.... سنبھالئے.... ساتھی؟.... میں نہیں جانتی۔"

حمید نے اُسے گھاس پر لٹا دیا۔

اب پارک میں بھی آدمی اکٹھا ہوتے جا رہے تھے اور انہوں نے حمید اور زرینہ کے گرد بھیڑ
تھی۔ اگر زرینہ زمین پر نہ پڑی ہوئی ہوتی تو کوئی اس کی طرف دھیان بھی نہ دیتا۔

دفعتاً حمید کی نظر ایک ایسے کانسٹیبل پر پڑ گئی، جو اُسے اچھی طرح جانتا تھا۔ حمید نے اسے بلا کر
، تو ان لوگوں کو وہاں سے ہٹوایا جو اس کے گرد اکٹھا ہو رہے تھے پھر اسی کی مدد سے وہ زرینہ کو
تک لایا۔

تھوڑی دیر بعد زرینہ پچھلی سیٹ پر بیہوش پڑی تھی اور کار سول ہسپتال کی طرف جا رہی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد زرینہ کو ہوش آیا۔ وہ سول ہسپتال کے ایک بستر پر پڑی کراہ رہی
ا اور ڈاکٹر اس کی زخمی پنڈلیوں کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں پنڈلیوں سے جا بجا خون رس رہا تھا۔

"اندر شیشے کی کرچیں معلوم ہوتی ہیں۔" ڈاکٹر نے حمید سے کہا۔ "آپریشن کے بغیر ان کا
نا مشکل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بم تھا۔"

حمید نے فریدی کو فون کیا اور اُسے جلد از جلد سول ہسپتال پہنچ جانے کی تاکید کی۔ زرینہ
ش میں ضرور تھی لیکن اس پر ایک ہذیانی کیفیت سی طاری تھی۔ درد سے کراہتے وقت وہ بے
بط سے جملے دہرانے لگتی تھی۔

فریدی نے ہسپتال پہنچنے میں دیر نہ کی.... وہ سمجھا تھا کہ شائد حمید ہی کو کوئی حادثہ پیش آیا
ہے۔ لیکن زرینہ کو اس حال میں دیکھ کر بھی اسے کچھ کم حیرت نہ ہوئی، استفسار پر حمید نے
تعات دہرا دیئے۔

"ٹھیک ہے تو پھر وہ اس کا ساتھی ہی رہا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"کون؟"

"تمہارے فون سے پہلے مجھے اطلاع ملی تھی کہ ہوٹل ڈی فرانس میں آگ لگ جانے سے
یک آدمی جل کر مر گیا۔ آگ کی وجہ ایک پُراسرار دھماکہ تھا۔" فریدی نے کہا۔ کچھ دیر خاموشی
ہی پھر فریدی ہی بولا۔ "تمہیں یقین ہے کہ وہ دھماکہ اسی کیبن میں ہوا تھا جسمیں یہ دونوں تھے۔"

حمید نے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس دوران میں زرینہ پر غنودگی طاری ہو گئی تھی۔ اچانک اُسے پھر ہوش آ گیا اور فر
دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔

"لیٹی رہو....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"فریدی.... بھائی۔" زرینہ رو پڑی۔

فریدی اور حمید خاموش رہے، جب زرینہ چپ ہوئی تو فریدی نے پوچھا۔

"وہ کون تھا....؟"

"میں نہیں جانتی۔"

"تو پھر تم اس کے ساتھ کیوں چلی گئی تھیں۔"

"وہ سلمان چچا کے متعلق کچھ بتانا چاہتا تھا۔"

"کیا....؟" فریدی چونک کر بولا۔

"وہ....اُن کے پاگل پن کی وجہ بتانا چاہتا تھا۔"

"کیا بتایا....؟" فریدی کے لہجے میں بے چینی تھی۔

"وہ صرف اتنا بتا پایا تھا کہ وہ بھی سلمان چچا کے ساتھ جنوبی امریکہ میں تھا۔ بس وہ
میرے پیروں میں چھریاں سی لگیں....اور پھر مجھے کچھ ٹھیک یاد نہیں۔"

"کیا وہ تمہیں پہلی بار ملا تھا۔"

"جی ہاں....اور جب اس نے اچانک یہ کہا کہ وہ مجھے سلمان چچا کے متعلق کچھ بتانا چا
تو میں اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اکیلا ان کے پاگ
کے راز سے واقف ہے اور اس نے استدعا کی تھی کہ وہ جو کچھ بتائے اس کے سلسلے میں اس کا
کہیں نہ دیا جائے اور فریدی بھائی....وہ کچھ ڈرا ڈرا سا تھا۔"

"تو وہ ان کے متعلق کچھ نہیں بتا پایا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں....کچھ بھی نہیں۔"

"اچھا اب تم آرام کرو۔" فریدی نے کہا۔ "پولیس کو بیان دیتے وقت اس بات کا خیال
کہ کوئی بات غلط نہ کہہ جاؤ۔ پورا واقعہ من و عن بیان کر دینا۔ میں ناصر کو فون کرتا ہوں۔"

ریدی اور حمید باہر آئے۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ فریدی کسی خیال میں الجھا ہوا ہے۔

"میں نے اس چینی کی کار کا نمبر نوٹ کر لیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"تمہارا اتنا ہی بتا دینا کافی ہے کہ اس کے دہانے کے بائیں گوشے پر ایک ابھرا ہوا سرخ رنگ
ہے۔"

"تو کیا آپ اُسے جانتے ہیں۔"

"اچھی طرح....اس کا نام وانگ لی ہے اور وہ دوسرا جو کار چلا رہا تھا غالباً تیہ چن رہا ہوگا۔"

"تو آپ دونوں سے واقف ہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"وانگ کرنل داراب کا پرائیویٹ سیکریٹری ہے اور تیہ چن موٹر ڈرائیور۔"

"کرنل داراب....!" حمید چونک کر بولا۔ "وہی....جو ہر ماہ شہر کے اعلیٰ حکام کی دعوتیں
ہے۔"

"تم ٹھیک سمجھے....آؤ....!" فریدی نے کہا اور برآمدے سے اتر کر کیڈی کی طرف روانہ
یا۔

"کہاں....؟" حمید نے پوچھا۔

"چلو....آج تفریح کا موڈ ہے۔"

کیڈی روانہ ہو گئی۔ حمید زرینہ کے سلمان چچا میں الجھا ہوا تھا اور غالباً یہ بات تو اس کے ذہن
صاف ہی ہو گئی تھی کہ زرینہ کا "سلمان چچا" اس اجنبی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا جسے
فریدی نے فلمیں دکھائی تھیں۔

"یہ سلمان کا کیا واقعہ ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"بہت دلچسپ....اور اب تو اور زیادہ دلچسپ ہو گیا ہے۔"

"اور دنیا کی ساری دلچسپیاں آپ نے اپنے لئے وقف کرا لی ہیں" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"غالباً تم اسی کے متعلق معلوم کرنے کے لئے زرینہ کے پیچھے لگے تھے۔" فریدی نے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ فریدی سے اس کے بارے میں کچھ نہ پوچھے گا۔ لیکن
وقت شائد فریدی ہی زیادہ باتیں کرنے کے موڈ میں تھا۔

"ڈاکٹر سلمان اپنی یاد داشت کھو بیٹھا ہے۔ لیکن اس کا کیس اس حیثیت سے عجیب ہے کہ وہ

صرف اپنی جنوبی امریکہ کی رہائش کے متعلق سب کچھ بھول گیا ہے اور دوسرے معاملات
قطعی صحیح الدماغ ہے۔ حتیٰ کہ اُسے اپنے بچپن کی باتیں تک یاد ہیں۔"

"وہ یہاں کب سے مقیم ہے۔"

"پچھلے ایک ماہ سے۔ ناصر اس کا سگا بھتیجا ہے۔ سلمان کا ایک بیٹا راشد بھی تھا۔ وہ اُ
بھول گیا ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ آج فلم دیکھتے وقت اس نے راشد کا نام لیا تھا۔ ویسے ناصر
ہے کہ راشد کے متعلق پوچھنے پر اس نے حیرت ظاہر کی تھی۔ پھر اس سے یہ کہا گیا کہ راش
کے بیٹے کا بھی تو نام تھا اس پر اس نے ناصر اور اُس کے گھر والوں کا مضحکہ اڑایا اور پھر سنجید
یہ بات کہی کہ اگر وہ لاولد نہ ہوتا تو لوگ اس کا مذاق کیوں اڑاتے۔"

"وہ وہاں کرتا کیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"ربر اکٹھا کرنے والی ایک فرم کا منیجر تھا۔"

"تب تو اس کے متعلق وہیں سے معلومات فراہم کی جاسکتی ہیں۔"

"جتنی معلومات اب تک فراہم ہو چکی ہیں ان کے علاوہ امکان نہیں۔" فریدی نے
"فرم کے کارکنوں کا بیان ہے کہ ڈاکٹر سلمان تین سال تک ماناؤز کے پاگل خانے میں رہ
اور پھر جب اس کے بعد اس کی حالت کچھ سنبھل گئی تو اُسے واپس بھیج دیا گیا۔ اس کے
راشد کی اچانک گمشدگی کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔ تین سال قبل وہ ڈاکٹر سلمان کے
ساتھ رہتا تھا....!"

اچانک حمید کو کچھ یاد آگیا اور اس نے فریدی کو جملہ پورا نہ کرنے دیا۔

"آپ نے کہا تھا کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد ٹھیک بھی ہوسکتا تھا۔"

"ہاں لیکن ایسا نہیں ہوسکا۔ ہوش میں آنے کے بعد بھی اس میں کوئی ذہنی تغیر نہیں
ہوا۔ بہر حال مجھے توقع ہے کہ میں اس کی یادداشت واپس لانے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔"

"لیکن یہ نیا معاملہ....!" حمید بولا۔

"ٹھیک ہے اور اب اسی لئے میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوگیا ہوں کہ وہ یادداشت کھو بیٹھنا کس
معمولی حادثے کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔ آخر وہ جل کر مرنے والا اس کے متعلق کیا بتانا چاہتا تھا۔"

"آپ کہتے ہیں کہ وہ دونوں چینی! کرنل داراب کے آدمی ہیں؟ میں کس طرح

وں۔"

"یقین نہ کرنے کی وجہ۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔

"ارے کرنل داراب.... اتنا معزز آدمی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنے نوکروں کے کردار پر
حرف آنا پسند نہ کرے گا اور پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہاں نیچے سے اوپر تک سارے
م کسی نہ کسی طرح اس کے احسان مند ضرور ہیں۔"

"اوہ.... فریدی کو اس کی پرواہ نہیں۔ میں تو عرصہ سے اس کے خلاف کسی بہانے کی تلاش
تھا۔"

"آخر کیوں؟"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس نے اتنی دولت جائز وسائل سے پیدا کی ہے۔"

"اوہ! اس طرح تو آپ کو شہر کے سارے سرمایہ داروں کی گردنیں اتارنی پڑیں گی۔"

"وہ صورت دوسری ہے.... داراب تو قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک رہا ہے۔"

"آخر کیا کرتا ہے!"

"سن کر ہنسو گے۔"

"پھر بھی۔"

"وہ یورپ اور امریکہ کے باشندوں کو چرسی بنا رہا ہے۔"

"چرسی! میں نہیں سمجھا۔"

"تم چرسی نہیں سمجھتے۔"

"تو کیا وہ یورپ اور امریکہ کے لئے چرس برآمد کرتا ہے۔"

"جناب....!" فریدی نے کہا۔

"میں پہلی بار سن رہا ہوں۔ تو آپ اب تک کیوں سوتے رہے۔"

"میرے پاس اس کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا اور نہ اب ہے۔ ویسے اس پر یقین ضرور ہے
کہ اس گروہ کا تعلق صرف داراب سے ہے جس کے ذریعے یہ کام ہوتا ہے۔ بہر حال مجھے یہ سن
کر حیرت ہو رہی ہے کہ انگریز یا امریکن چرسی بھی ہوسکتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی کبھی مجھے
خود آپ پر بھی شبہہ ہونے لگے۔ آپ اونگھ تو نہیں رہے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

پھر ان کی کار پولیس ہسپتال کے سامنے رک گئی۔

یہاں انہوں نے اس آدمی کی لاش دیکھی جو ہوٹل ڈی فرانس کی آگ کا شکار ہو گیا تھا
کا چہرہ اس طرح بگڑ گیا تھا کہ شناخت مشکل تھی۔ انسپکٹر جگدیش نے فریدی کو یہ اطلاع
مرنے والے کے ساتھ کوئی عورت بھی لاپتہ ہے۔

"وہ عورت.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تمہیں سول ہسپتال میں مل جائے گی۔"

"تو کیا وہ..... وہی عورت ہے۔" جگدیش کے لہجے میں حیرت تھی۔ "وہاں کے انچا
فون ہوٹل ڈی فرانس کی زخمی عورت کے لئے آیا تھا۔"

"ہاں وہ وہی عورت ہے اور اس کا بیان خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا بیان من و ع
جائے۔ معاملات کو دوسری شکل دینے کی کوشش نہ کی جائے۔"

"مگر..... کوتوال صاحب۔" انسپکٹر جگدیش کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

"اگر اس کے خلاف ہوا تو سمجھ لو کہ زلزلہ آجائے گا۔" فریدی نے کہا اور حمید کو باہر
اشارہ کر کے خود بھی نکل آیا۔

نئی بات

کار کے قریب پہنچ کر حمید شائد پائپ سلگانے کے لئے رک گیا۔

"چلو جلدی کرو۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔

"کیوں کیا آفت آگئی۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"زرینہ خطرے میں ہے۔" فریدی نے کیڈی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی باتیں.....!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"بھلا بتاؤ کہ اس وقت یہاں تیہ چن کا کیا کام۔"

"کہاں.....؟"

"یہیں ہسپتال میں۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے اُسے ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہ

یکھا تھا۔ غالباً وہ اپنے شکار کا انجام دیکھنے آیا ہے۔ زرینہ زندہ ہے ممکن ہے وہ یہ سمجھیں کہ ڈاکٹر
لمان کا راز معلوم ہو گیا ہے جو لوگ ہوٹل میں ٹائم بم رکھ سکتے ہیں ان کے لئے کسی ہسپتال میں
ئی واردات کر بیٹھنا مشکل نہ ہوگا۔"

حمید ہنسنے لگا..... فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

"بعض اوقات آپ کی حالت کسی ایسی بیوہ کی سی ہو جاتی ہے جو اپنے اکلوتے لڑکے کے لئے
یشان ہو۔ آخر آپ جگدیش سے کیوں الجھ پڑے تھے۔ آخر وہ زرینہ کا بیان غلط کیوں لکھنے لگا۔"

"تمہیں شائد اس کا علم نہیں کہ آج کل نیا ڈی۔ ایس۔ پی سٹی ریکارڈ اچھا رکھنے کے لئے
ے گھپلے کر رہا ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔

"آپ یہاں کیوں آئے تھے۔"

"جس لئے آیا تھا وہ نہ ہو سکا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لاش کی شناخت مشکل ہے لیکن
ہچینی تیہ چن۔"

"دوسرے کا کیا نام بتایا تھا۔"

"وانگ لی..... سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ڈاکٹر سلمان سے ان لوگوں کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ پھر بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے ہوا اور وہ سول ہسپتال پہنچ گئے۔ یہاں
بھی تک پولیس نہیں آئی تھی۔ حالانکہ ہسپتال کے انچارج نے زرینہ کے متعلق کوتوالی فون
کر دیا تھا۔

ناصر اور اس کے گھر والے ڈاکٹر سلمان سمیت ہسپتال میں موجود تھے۔ فریدی کو دیکھ کر ناصر
اس کی طرف بڑھا۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے کہا۔ "غالباً آپ لوگ زرینہ سے مل چکے ہوں گے۔"

"ہاں ہم سب بُری طرح پریشان ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ آدمی چچا صاحب کے متعلق
ہم لوگوں کو کیا بتانا چاہتا تھا۔"

"مناسب تو یہی ہوگا کہ اب تم اپنے چچا کو کڑی نگرانی میں رکھو۔ میں یہاں پر ان کی موجودگی

پسند نہیں کرتا۔ انہیں گھر لے جاؤ۔ زرینہ کی دیکھ بھال ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔

"کیا کوئی خاص بات۔" ناصر نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ وہ جو سلمان صاحب کے متعلق کچھ بتانا چاہتا تھا جل بھ
زرینہ اس حال میں پڑی ہے۔ میں تم سے پھر باتیں کروں گا۔ بس سلمان صاحب اکیلے گھ
نکلنے پائیں.... سمجھے۔"

"ابھی زرینہ کا بیان نہیں ہوا۔"

"اوہ.... ہو جائیگا.... اگر تم یہیں ٹھہرنا چاہتے ہو تو.... ان لوگوں کو گھر پہنچا کر واپس آ

"کیا زرینہ کے لئے پرائیویٹ وارڈ میں انتظام نہیں ہو سکتا۔"

"ہو سکتا ہے.... لیکن میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔"

ناصر اپنے گھر والوں کو لے کر واپس گیا۔

فریدی اور حمید جنرل وارڈ میں آئے۔ زرینہ جاگ رہی تھی اور ہوش میں تھی۔ ڈا
انہیں بتایا کہ "جب تک پولیس بیان نہ لکھ لے گی آپریشن نہیں ہوگا۔"

فریدی نے فون کا ریسیور اٹھایا اور جب وہ کوتوالی فون کرنے لگا تو حمید نے اس کے ل
جھلاہٹ محسوس کی۔

"ہیلو.... یس انسپکٹر فریدی اسپیکنگ.... کون ڈی۔ ایس۔ پی صاحب.... جی ہاں می
ہسپتال سے بول رہا ہوں۔ ہوٹل ڈی فرانس کے حادثے میں مرنے والے کی ساتھی یہاں
ہے۔ اس کے پیروں میں زخم ہیں۔ ابھی تک اس کا بیان قلمبند نہیں ہوا۔ اس سے پہلے
آپریشن کے لئے تیار نہیں۔"

پھر حمید نے فریدی کو دانت پیستے دیکھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

شائد دوسری طرف سے کچھ کہا گیا تھا جس کے جواب میں فریدی نے کہا۔

"جی ہاں.... میرے اس مخصوص اختیار کا تعلق وزارت داخلہ سے براہِ راست ہے۔
معاملے میں مناسب سمجھوں ہر وقت دخل انداز ہو سکتا ہوں۔"

پھر فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ دیا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں شائد اس کا ستارہ بھی گردش میں ہے۔ کہتا ہے کہ تم مداخلت کرنے والے کون ہو! شائد وہ اب خود ہی بیان لینے کے لئے آئے۔"

"کون؟ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی۔" حمید نے پوچھا۔

فریدی سگار سلگانے لگا۔ اس کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار ابھی تک باقی تھے۔

بیس منٹ کے اندر ہی اندر ڈی۔ ایس۔ پی سٹی! دو انسپکٹروں اور ایک محرر کے ساتھ سول ہسپتال پہنچ گیا۔

فریدی اور حمید قطعی بے تعلقانہ انداز میں کھڑے رہے اور فریدی کے رویئے سے تو ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے ڈی۔ ایس۔ پی سٹی اس کا ماتحت ہو۔

"آپ ہمیشہ غلط طریقہ اختیار کرتے ہیں۔" اس نے فریدی سے کہا۔

"اتنا غلط بھی نہیں کہ قتل کے کیسوں کو خودکشی میں تبدیل کر کے ریکارڈ بناؤں۔" فریدی بڑی خوش اخلاقی سے بولا۔

لیکن ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پتہ نہیں یہ غصہ تھا یا خجالت تھی۔

اگر سول ہسپتال کا انچارج وہاں نہ آجاتا تو شائد بات بڑھ جاتی۔

ڈی۔ ایس۔ پی بڑا تلخ مزاج آدمی تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں ہاتھا پائی کی نوبت نہ آجائے۔ شہر کی کوتوالی کی تاریخ میں وہ پہلا بدتمیز کوتوال تھا جو اپنے ماتحتوں کو ماں بہن کی گالیاں دینے سے بھی گریز نہ کرتا تھا۔ چند ہی روز قبل وہ ایک سب انسپکٹر پر ہنٹر لے کر جھپٹا تھا۔

بہر حال ہسپتال کے انچارج کے آجانے پر معاملہ جہاں کا تہاں رہ گیا۔

کوتوال اپنے آدمیوں سمیت ڈاکٹر کے ساتھ جنرل وارڈ کی طرف چلا گیا۔

"کیوں آپ نہ چلئے گا۔" حمید نے فریدی سے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سگار کے لمبے لمبے کش لے رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے کسی سرکش جذبے کو دبانے کی کوشش کر رہا ہو۔

یہ دونوں برآمدے میں کھڑے تھے۔

"کہیں بیان میں گڑبڑ نہ پیدا کر دی جائے۔" حمید پھر بولا۔

"دیکھا جائے گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"تو پھر یہاں کھڑے رہ کر جھک مارنے سے کیا فائدہ۔"

"میں وانگ لی کو دیکھ رہا ہوں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"وانگ لی....!" حمید نے چونک کر کہا۔ "کہاں ہے؟"

"میری جیب میں۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

حمید اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"حمید خدا کے لئے سنجیدہ ہو جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"میں کیوں ہو جاؤں رنجیدہ! ابھی میں یتیم نہیں ہوا۔"

"بکو مت! آؤ.... اب ہم جنرل وارڈ میں مسٹر وانگ لی سے ملاقات کریں گے۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فریدی کیا بک رہا ہے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اُ
حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے یہ دیکھا کہ وانگ لی (وہی چینی جس کا اس نے تعاقب کیا
زرینہ کے بستر کے قریب موجود ہے۔ وہ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی سے کچھ کہہ رہا تھا اور ڈی۔ ایس۔
سٹی کے ہونٹوں پر ایک بڑی انکسار آمیز قسم کی مسکراہٹ تھی۔ محرر زرینہ کا بیان قلم بند کر رہا تھ

فریدی حمید کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ "غالباً وہ کرنل داراب کی طر
سے کسی نئی دعوت کی خوشخبری لایا ہے۔"

فریدی اور حمید اُن سے کافی فاصلے پر کھڑے تھے۔ فریدی کی آنکھوں سے ایسا ظاہر ہو ر
جیسے وہ سچ مچ اونگھ رہا ہو۔ لیکن حمید جانتا تھا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔
اس پر ایسی کیفیت اُسی وقت طاری ہوتی تھی جب وہ اپنا کوئی ارادہ تبدیل کر رہا ہوتا تھا۔ لیـ
اس موقع پر اُس میں یہ تغیر دیکھ کر حمید کو حیرت ضرور ہوئی۔

بیان ختم ہو جانے کے بعد زرینہ کے بستر کے قریب ٹرالی لائی گئی اور اُسے اس پر ڈال
آپریشن تھیٹر کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

ڈی۔ ایس۔ پی واپس جانے کے لئے مڑا تو اس کی نظر ان دونوں پر پڑی۔

"کسے یقین آئے گا اس پر۔" اس نے فریدی کو مخاطب کر کے کہا۔

"کس بات پر۔" فریدی نے انگریزی میں پوچھا اور حمید کو پھر حیرت ہوئی۔ فریدی بلاو
کبھی کسی غیر ملکی زبان میں گفتگو نہیں کرتا تھا۔

"اس لڑکی کے بیان پر۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"وہ تو واقعی مضحکہ خیز ہے۔" فریدی نے پھر انگریزی ہی میں کہا۔ "لیکن مجھے اس سے بحث
ہیں۔ میں تو یہ جانتا تھا کہ اس کے آپریشن میں جلدی کی جائے۔"

"اس دلچسپی کی وجہ۔"

"اوہ....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بہت معمولی سی۔ زرینہ میرے ایک دوست کی عزیز
ہے۔ سارجنٹ حمید کو زخمی حالت میں ہوٹل ڈی فرانس میں ملی اور وہ اُسے یہاں لے آئے۔"

"وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔ مجھے اس کے بیان سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

اس گفتگو کے دوران میں حمید وانگ لی کو گھور رہا تھا۔

"کیا آپ یہیں ٹھہریں گے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"آپریشن ہو جانے تک۔" فریدی بولا۔

ڈی۔ ایس۔ پی چلا گیا۔ وانگ لی اس کے ساتھ تھا۔

حمید تھوڑی دیر تک فریدی کو طنز آمیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر جلے بھنے لہجے میں بولا۔

"ظاہر ہے کہ وہ ڈی۔ ایس۔ پی ہے آپ کو ہر حال میں دبنا پڑے گا۔"

"ہوں.... تو تم یہ چاہتے تھے کہ میں اُس سے کشتی لڑتا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن اتنا دبنا بھی نہ چاہئے تھا۔"

"سنو برخوردار.... میں سراغ رساں ہوں نارزن نہیں۔"

"لیکن کچھ دیر قبل تو آپ اس طرح تاؤ کھا رہے تھے جیسے اس سے کشتی لڑیں گے۔"

"میں تو بڑی دیر سے بے تکی باتیں کر رہا ہوں۔" فریدی اس کا ہاتھ پکڑ کر کیڈی کی طرف
گھسیٹتا ہوا بولا۔ "چلو معاملہ صاف ہو گیا۔ اب وہ لوگ شائد زرینہ کے پیچھے نہ پڑیں۔ وانگ لی پر یہ
بات ظاہر ہو گئی ہے کہ مرنے والے نے زرینہ کو کوئی خاص بات نہیں بتائی ہے اور پولیس کو اس
کے بیان پر یقین نہیں ہے۔ انہیں مطمئن کر دینے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔"

"اوہ تو کیا اسی لئے آپ اچانک بھیڑ بن گئے تھے۔"

"بس سمجھنے کی کوشش کیا کرو۔ ویسے ابھی تمہارے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے۔"

"میں نے شام کو آئس کریم کھائی تھی۔" حمید نے بڑی معصومیت سے کہا۔

کیڈی پھر چل پڑی۔

"اب تو نیند آرہی ہے۔" حمید جماہی لے کر گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"ساڑھے گیارہ بج رہے ہیں۔"

"آج تو رات بھر تفریح کی ٹھہری ہے۔" فریدی نے کہا۔

"رات بھر تفریح۔" حمید اچھل کر بولا۔ "ہائیں.... یہ آپ فرما رہے ہیں قبلہ پتھر صاحب

"شور مت مچاؤ۔" فریدی نے کہا۔ "تم نے کبھی کرنل داراب کی لڑکی کو بھی دیکھا ہے

"اتفاق نہیں ہوا.... میں نے تو خود کرنل داراب کو بھی آج تک نہیں دیکھا۔ صرف ہے اور اس کا نام مجھے قطعی پسند نہیں۔ بعض والدین نام کے معاملے میں بڑے پھوہڑ ثابت ہیں۔ بھلا بتائیے داراب.... دھر داب.... لاحول ولا قوۃ۔"

"اس کی لڑکی بڑی حسین ہے۔"

"آپ کے اسٹینڈرڈ کے مطابق ہوگی اور آپ جانتے ہیں کہ مجھے تیس سے اوپر کی ع سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"کیا خیال ہے.... اس بار اس کی دعوت قبول کرلی جائے۔"

"کیوں کیا.... وہ آپ کو بھی مدعو کرتا ہے۔"

"نہ صرف مجھے بلکہ تمہیں بھی۔ لیکن میں نے اس کا دعوت نامہ تم تک کبھی پہنچنے ہی نہیں

"کیوں؟"

"میں جانتا تھا کہ ایک دن مجھے اُس سے الجھنا ہی پڑے گا۔"

"آپ خواہ مخواہ لٹھ لے کر اُس کے پیچھے پڑگئے ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ داراب ہی سیکریٹری کی حرکتوں سے تعلق رکھتا ہو۔"

"ضروری تو نہیں لیکن امکانات ہیں۔"

"امکانات کی وجہ۔"

"وجہ نہیں بتائی جائے گی۔" فریدی نے کہا۔ "تمہیں شائد یہ نہیں معلوم کہ بہت دنو ایک گہری نیند سے چونکا ہوں۔"

"اوہ....!" حمید نے بہت زیادہ سنجیدگی سے کہا۔ "کیا افیون سے شوق فرمانے لگے تھے۔"

"نہیں! میری دو شخصیتیں ہیں۔ ایک معمولی فریدی ہے اور دوسرا غیر معمولی فریدی۔"

"میری تین شخصیتیں ہیں۔" حمید نے اتنی ہی سنجیدگی سے جواباً کہا۔ "ایک اُلو حمید.... دسرا اُلو کا پٹھا حمید تیسرا اُلو کے پٹھے کا پٹھا حمید۔"

"اور ہمیشہ یہی رہو گے۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ لئے اور دفعتاً اُس نے کیڈی روک دی۔

حمید نے چاروں طرف دیکھا وہ شہر کے ایک پُر رونق حصے میں تھے اور فریدی بائیں طرف کی عمارتوں کے سلسلے میں ایک سائن بورڈ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

یہ ایک چھوٹا سا چینی ریستوران تھا جس کے متعلق حمید نے سن رکھا تھا کہ یہاں مینڈکوں کا قورمہ نہایت نفاست کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے اور ٹوسٹ کے مکھن پر گندی نالیوں کے زندہ دمدار کیڑے چپکائے جاتے ہیں۔

فریدی انجن بند کرکے نیچے اُترا اور حمید کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرکے ریستوران میں گھس گیا۔

سامنے کاؤنٹر پر ایک فربہ اندام چینی کھڑا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی بے اختیار چونک کر مسکرانے کی کوشش کرنے لگا۔

"آج رات خوشگوار ہے مسٹر چیانگ۔" فریدی نے اپنا فلٹ ہیٹ اتار کر کہا۔

"یس یور آنر۔" چینی نے اس قدر جھک کر کہا کہ اس کی پیشانی کاؤنٹر سے لگ گئی۔

حمید متحیر رہ گیا۔ اُسے خواب میں بھی گمان نہیں تھا کہ فریدی کے مراسم چینیوں سے بھی ہوسکتے ہیں۔

"تم کافی موٹے ہوگئے ہو۔" فریدی نے کہا اور چینی نے دانت نکال دیئے لیکن اس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

"حضور والا تشریف رکھیں۔" چینی جھک کر اپنے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "اور میں جلد سے جلد اس عزت افزائی کی وجہ جاننا چاہوں گا ویسے میں آج کل باعزت طور پر زندگی بسر کر رہا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "ضروری نہیں کہ میری آمد ہمیشہ تمہارے لئے پریشانی ہی کا باعث ہو۔"

چینی کچھ نہ بولا۔ چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ "کچھ پیش کروں۔"

"نہیں شکریہ۔ ادھر سے گذر رہا تھا سوچا تم سے بھی ملتا چلوں اور میرا یہ سوچنا بلاوجہ نہیں

چینی کے چہرے پر پھر گھبراہٹ کے آثار پیدا ہو گئے۔ فریدی نے تھوڑی توقف کے بعد کہا۔ "تم جنوبی امریکہ میں رہ چکے ہونا۔"

"جی ہاں.... جی ہاں جناب۔"

"میں نے سوچا تم سے وہاں کے متعلق معلومات بہم پہنچاؤں۔ میں عنقریب جنوبی ا
جانے والا ہوں۔"

"ضرور ضرور.... میرے لائق جو خدمت ہو.... فرمایئے۔"

"ماناؤز ہی میں تھے تم شائد۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں وہیں تھا جناب۔"

"بھئی! چلو مجھے وہیں کے متعلق کچھ بتاؤ۔ ویسے میں ایک دوسرے آدمی سے بھی پوچھ
تھا مگر اتفاق سے وہ پاگل ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر سلمان.... وہ ماناؤز کی جیفرسن ربر سپلائی کمپنی کا منیج
بڑا اچھا آدمی ہے، بیچارا پاگل ہو گیا۔"

"ڈاکٹر سلمان.... جیفرسن ربر سپلائی کمپنی....!" چینی اس طرح بڑبڑایا جیسے حافظے
دے رہا ہو۔

"ہاں بیچارا ڈاکٹر سلمان! جو پچھلے تین سال تک ماناؤز کے پاگل خانے میں رہا۔ بڑے
آدمی تھا۔ وہاں اس کی موجودگی میں مجھے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ لیکن وہ تین سال سے پاگل ہے۔

"ڈاکٹر سلمان! وہی بچوں کی سی شکل والا پستہ قد بوڑھا تو نہیں؟" چینی نے پوچھا۔

"وہی وہی.... کیا تم اُسے جانتے ہو؟"

"جی ہاں جناب۔ لیکن مجھے یہ سن کر حیرت ہو رہی ہے کہ وہ پچھلے تین سال پاگل خانے رہا۔

"کیوں؟"

"میری یادداشت بھی بُری نہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک سال قبل ہم دونوں ما
کی ایک دعوت میں شریک ہوئے تھے اور وہ بالکل صحیح الدماغ تھا۔ اس کے بعد بھی ہم دونوں
ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے۔"

"ہوگا.... مجھے یہی اطلاع ملی تھی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "ہاں تو تم مجھے یہ بتاؤ کہ
مجھے ماناؤز کے کس حصے میں زیادہ آرام ملے گا۔"

چینی نے اُسے ماناؤز کے جغرافیائی حالات بتانے شروع کر دیئے۔ بہر حال حمید کا تحیر لحظہ بہ
لحظہ بڑھتا ہی گیا کیونکہ ڈاکٹر سلمان کے متعلق ایک نئی بات معلوم ہو جانے کے بعد بھی فریدی
نے اس کا تذکرہ نہیں چھیڑا۔

میزبان غائب

سرجنٹ حمید تین دن سے اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ فریدی کسی طرح اُسے کچھ بتا دے،
لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ ویسے اُسے یقین تھا کہ فریدی بہت کچھ جانتا ہے....
خصوصاً ڈاکٹر سلمان کی شخصیت تو اُس کے لئے ایک قسم کا عذاب بن کر رہ گئی تھی۔ وہ ہر وقت اسی
کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔ ڈاکٹر سلمان ایک معمہ تھا جو اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ ناصر
وغیرہ کا بیان تھا کہ وہ تین سال تک پاگل خانے میں رہ چکا ہے لیکن اس چینی نے اس کی تردید
کر دی تھی اور فریدی کے انداز سے صاف ظاہر ہوتا تھا جیسے اُسے چینی کے بیان پر یقین آگیا ہو۔

ادھر ہوٹل ڈی فرانس والے حادثے کے بعد سے ڈاکٹر سلمان پولیس اور مقامی اخبارات کی
طبع آزمائی کے لئے ایک اچھا خاصا موضوع بن کر رہ گیا تھا۔ پولیس حقیقتاً چکر میں پڑ گئی تھی۔ ڈاکٹر
سلمان کا پاسپورٹ کہتا تھا کہ وہ جنوبی امریکہ سے آیا ہے اور ڈاکٹر سلمان کا یہ عالم تھا کہ وہ جنوبی
امریکہ کے نام پر لوگوں کو مارنے دوڑتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ لوگوں نے اُس کی چڑھ نکال لی ہے۔

اسے پولیس کے لئے ایک مستقل دردِ سر ہی کہنا چاہئے۔ اگر ہوٹل ڈی فرانس والا حادثہ نہ
ہوتا تو خیر کوئی بات نہ تھی! کیونکہ آمیزن کے خطے سے اُسے سرکاری طور پر واپس کیا گیا تھا۔
وہاں کی حکومت نے یہاں کی حکومت کو صاف طور پر مطلع کر دیا تھا کہ وہ ڈاکٹر سلمان کو اپنے یہاں
کے شہری حقوق عطا کرنے سے معذور ہے۔ ڈاکٹر سلمان نے شائد پاگل ہونے سے قبل وہاں کی
حکومت سے اس کے شہری حقوق حاصل کرنے کی درخواست کی تھی۔ وہاں کے کاغذات کے
مطابق ڈاکٹر وہاں دس سال سے مقیم تھا اور وہاں کا قانون اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ کسی

غیر ملکی پاگل کو وہاں رکھا جائے۔ کاغذات سے یہ بھی ثابت ہوتا تھا کہ اُس نے پاگل خانے م
تین سال گذارے تھے۔

یہ ساری باتیں حمید کے پیش نظر تھیں اور اس چینی کا بیان بھی اُسے نہ جانے کیوں غلط نہ
معلوم ہوتا تھا.... ہوسکتا ہے کہ اس پر یقین کر لینے کی خواہش غیر شعوری طور پر اس کے متعا
فریدی کے رویئے کی پابند رہی ہو۔

دوسری طرف ڈاکٹر سلمان بھی بنا ہوا پاگل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اگر اُسے پاگل ہی
تھا تو وہ مکمل طور پر پاگل بنا ہوتا۔ دوسروں کو مستقل طور پر شبہے میں نہ رکھتا اور پھر سب سے بڑ
بات تو یہ کہ اگر وہ پاگل بنا ہی تھا تو اُس کا مقصد کیا ہوسکتا تھا۔

ہوٹل ڈی فرانس والے حادثے کے متعلق پولیس تفتیش کر رہی تھی لیکن ابھی تک مجر
مجرموں کا سراغ نہیں ملا تھا۔ فریدی نے حمید کو سختی سے تاکید کردی تھی کہ وہ اس کیس
متعلق کسی سے کوئی گفتگو نہ کرے۔

حمید کو اس بات پر بھی حیرت تھی کہ فریدی نے ناصر سے اپنی اور ریستوران والے چینی
گفتگو کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ ناصر کے گھر والے تو خاص طور پر اس مسئلے میں الجھے ہوئے تھے
آخر وہ پُر اسرار آدمی ڈاکٹر سلمان کے متعلق زرینہ کو کیا بتانا چاہتا تھا اور اُس نے اس کے
زرینہ ہی کا انتخاب کیوں کیا تھا؟

بہر حال حمید کو اس کیس میں ہر ہر قدم پر الجھاوے ہی الجھاوے نظر آرہے تھے۔ اُسے
فیصدی یقین تھا کہ ہوٹل ڈی فرانس کے حادثے کا ذمہ دار وانگ لی ہی تھا اور یہ بات فریدی
بھی تسلیم کرلی تھی لیکن اُس کے باوجود بھی ابھی تک اس کے خلاف کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا
تھا۔ حمید کی دانست میں فریدی نہ تو خود ہی کچھ کر رہا تھا اور نہ پولیس ہی کو اس بات سے آ
کردینے پر آمادہ نظر آتا تھا۔

لیکن وہ اس کیس سے بے تعلق بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کیونکہ اس نے اس بار کرنل دارا
کی دعوت قبول کرلی تھی اور اپنے ساتھ حمید کو بھی لے جا رہا تھا۔

بلاوا ساڑھے تین بجے شام کے لئے تھا اور پروگرام میں شام کی چائے اور رات کا کھانا
شامل تھا۔

11

وہ دونوں ٹھیک ساڑھے تین بجے گلزار پیلس کے سامنے پہنچ گئے۔ یہی داراب کی رہائش گاہ
عمارت بڑی شاندار تھی اور اس کا نام "گلزار محل" قطعی نامناسب نہیں تھا۔

وہ ایک عظیم الشان پھاٹک سے گذر کر خاص عمارت میں داخل ہوئے۔ ایک ویٹر ان کی
ئی کر رہا تھا۔ پھر وہ ایک کافی وسیع کمرے کے سامنے پہنچے۔

یہاں ایک دوسرے ویٹر نے ان کے وزیٹنگ کارڈ پڑھ کر ان کے ناموں کا اعلان کیا۔ کمرے
ریباً بیس افراد موجود تھے لیکن نشستوں کی زیادتی کہہ رہی تھی کہ ابھی بہت سے مہمان باقی ہیں۔

حمید نے ایک قوی ہیکل بوڑھے کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ اس کا قد سات فٹ سے کسی
کم نہ رہا ہوگا۔ جسم گٹھا ہوا اور مضبوط تھا۔ چہرے پر گھنی سفید مونچھیں تھیں۔ شائد ان میں
ایک بھی سیاہ بال نہیں تھا۔ سر کے بال بھی برف کی طرح سفید تھے اور ان کی سفیدی کہہ
تھی کہ وہ اسی سال سے کم نہیں۔ لیکن جسم کی بناوٹ کا تقاضا تھا کہ اُسے چالیس سال سے
سمجھنا مبالغہ آرائی ہوگی۔

"زہے قسمت....!" وہ فریدی سے ہاتھ ملاتا ہوا مسکرا کر بولا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ شائد
لوگ مجھے پسند نہیں کرتے۔"

اس نے حمید سے ہاتھ ملاتے وقت بھی اسی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔ پھر وہ انہیں ایک میز پر
جہاں ایک خوبصورت عورت پہلے ہی سے بیٹھی تھی۔

"نادرہ ان سے ملو۔ آپ انسپکٹر فریدی ہیں اور آپ سرجنٹ حمید اور یہ میری لڑکی نادرہ ہے۔"

"آپ انسپکٹر فریدی۔" نادرہ نے حیرت سے کہا اور ان دونوں سے مصافحہ کرکے بیٹھتی ہوئی
"اگر آپ ہی انسپکٹر فریدی ہیں تو.... آپ کے سارے کارنامے یقیناً معجزے تھے۔"

کرنل داراب بھی اُسی میز کے قریب بیٹھ گیا۔

فریدی نے عورت کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"میں اکثر افسوس کرتا تھا کہ آپ مجھے اس لائق نہیں سمجھتے تھے۔" کرنل داراب نے کہا۔

"مجھے شرمندگی ہے۔" فریدی بولا۔ "اب میں آپ سے کیا عرض کروں کہ کتنا مشغول رہتا ہوں۔"

"مشغولیت میں تو سبھی مبتلا رہتے ہیں۔" عورت نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن آدمی کا آدمی پر
ھی تو کچھ حق ہوتا ہے۔"

"بہر حال آپ میری نیت پر شبہ نہیں کر سکتیں۔" فریدی کی مسکراہٹ بڑی لچکیا
"آج مجھے فرصت تھی اس لئے حاضر ہو گیا۔"

سچ مچ فریدی کی مسکراہٹ اتنی دلآویز تھی کہ حمید ہزار جان سے عاشق ہوتے ہو
دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرنے لگا کہ فریدی بالکل ہی بنجر نہیں ہے اور حسین چیزیں اثر
اثرانداز ہو سکتی ہیں۔

کرنل داراب کی لڑکی نادرہ بڑی حسین تھی۔ حمید نے اس کی عمر کا اندازہ چوبیس پچ
لگ بھگ لگایا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی نکھری ہوئی رنگت کو برسات کی چاندنی سے
دے یا جاڑوں کی چاندنی سے۔

"مجھے معاف کیجئے گا.... میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔" کرنل داراب اٹھتا ہوا بولا۔

"اوہ.... کوئی بات نہیں.... اکیلے ہم ہی تو نہیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

حمید کنکھیوں سے اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ کرنل داراب ایک ایسی میز کے قریب جا بیٹھا
ضلع کا کلکٹر کچھ دوسرے افسروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ ہی انسپکٹر فریدی ہیں۔" نادرہ نے کہا۔

"کیوں؟" فریدی نے حیرت سے پوچھا۔

"میں سمجھتی تھی کہ آپ کم از کم ڈیڈی ہی کی طرح معمر ہوں گے.... اور انتہائی خوفناک
ہر وقت تیوریوں پر بل پڑے رہتے ہوں گے.... لیکن نہ آپ معمر ہیں اور نہ خوفناک۔
چڑے بھی نہیں معلوم ہوتے۔"

پھر وہ حمید کی طرف دیکھنے لگی۔ نہ جانے کیوں حمید کا دل دھڑک رہا تھا اور اس کی س
نہیں آرہا تھا کہ وہ اتنی پرکشش کیوں ہے؟ لیکن پھر خود اُسے ہی اپنے اس حماقت انگیز خیال
آگئی۔ وہ کوئی فلسفی یا سائینٹسٹ تو تھا نہیں کہ کشش کے اسباب و علل پر غور کرتا۔ وہ تو
مداح تھا! آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکنے کا ماہر تھا اور یہ جانے بغیر اُن گہرائیوں میں اترتا
کہ آنکھ کے پہلے پردے کو "اسکلے روٹک" دوسرے کو "کورائیڈ" اور تیسرے کو "ریٹینا" کہتے

"اور آپ کو بھی میں کافی بھاری بھر کم سمجھتی تھی۔" اُس نے حمید سے کہا۔

"ارے نہیں صاحب! میں بھی یونہی ہوں۔" حمید نے شرما کر کہا۔

"میں آپ لوگوں سے ملنے کے لئے بُری طرح بیتاب تھی۔ لیکن میرے ذہن میں آپ
نوں کی جو تصویریں تھیں، ان سے میں خائف بھی رہتی تھی۔"

"خدا کرے اب آپ کا خوف رفع ہو گیا ہو۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"میں اب بالکل خائف نہیں.... آپ دونوں.... بہت.... اچھے ہیں۔"

"شکریہ۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ویٹر چائے سرو کرنے لگے۔ نادرہ اُسی میز پر بیٹھی رہی۔

دروازے کے قریب کھڑے ہوئے ویٹر نے پھر دو ناموں کا اعلان کیا اور حمید بے اختیار
وم پڑا۔ یہ نام میجر ناصر اور ڈاکٹر سلمان کے تھے۔

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا لیکن اس کی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا۔

"ڈاکٹر سلمان" نادرہ آہستہ سے بڑبڑائی اور ان دونوں نئے آنے والوں کو گھورنے لگی۔ پھر
س نے معنی خیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا۔

"یہ وہی ڈاکٹر سلمان تو نہیں ہے جس کے متعلق اخبارات میں آرہا ہے۔" اس نے کہا۔

"جی ہاں.... وہی ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"تو کیا ڈیڈی اسے جانتے ہیں۔" وہ اس طرح بڑبڑائی گویا خود سے مخاطب ہو۔

فریدی اور حمید خاموش رہے۔

کرنل داراب نے ناصر اور سلمان کا خیر مقدم بھی پُر جوش انداز میں کیا۔

"ان کا کیس تو بڑا دلچسپ ہے۔" نادرہ بولی۔

"لیکن مجھے اس میں کہیں بھی دلچسپی نظر نہیں آتی۔" فریدی نے کہا۔

کیوں....؟ کیا آپ ہوٹل ڈی فرانس کا حادثہ بھول گئے۔"

"یاد ہے لیکن میری نظروں میں اس کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔ ایسے عشق و رقابت کے کھیل
دن ہوتے رہتے ہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ لڑکی نے صحیح بیان نہیں دیا۔ حالانکہ وہ میرے ایک عزیز دوست
کی عزیزہ ہے لیکن حقیقت ہر حال میں حقیقت ہی رہتی ہے۔"

"حقیقت....!"

"جی ہاں.... حقیقت یہ ہے کہ ہوٹل ڈی فرانس میں جل مرنے والا اس کا کوئی عاشق نہ
وہ دراصل اس کے کسی دوسرے عاشق کی حرکت تھی۔ لڑکی نے بدنامی کے خیال سے ڈاکٹر سل
والا افسانہ تراش لیا۔"

"نہیں....!" نادرہ نے حیرت سے کہا۔

"یقین کیجئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر مرنے والا زندہ ہوتا تو حقیقت سامنے آجاتی۔"

"تو پھر پولیس کیوں جھک مار رہی ہے۔"

"اس کی مرضی.... میں نے اپنے خیال سے سب کو آگاہ کر دیا ہے۔"

"عجیب بات ہے۔"

"قطعی نہیں! حالات نے اسے عجیب بنا دیا ہے۔"

"کیسے حالات۔"

"ڈاکٹر سلمان کا پاگل پن اور اس نامعلوم آدمی کی موت۔"

"میں پھر نہیں سمجھی۔"

"چھوڑیئے بھی" حمید اکتا کر بولا۔ "خوش مذاق عورتوں کو ایسی فضول باتوں میں نہ پڑنا چاہئے"

"اگر آپ کہتے ہیں تو میں چھوڑے دیتی ہوں۔" نادرہ نے مسکرا کر کہا۔

فریدی بھی ہنسنے لگا۔ حمید کو پھر حیرت ہوئی کہ فریدی کو ہنسی کیسے آئی۔ کیونکہ نادرہ نے
جملہ بڑے بھونڈے پن سے کہا تھا۔ لہجے میں بھی مزاح کا انداز نہیں تھا۔

"سلمان صاحب آپ کے دوست ہیں۔" نادرہ نے فریدی سے پوچھا۔

"جی نہیں.... میجر ناصر ہیں اور زرینہ ان کی بیوی کی بہن ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "
سلمان یہاں پہلی بار آیا ہے۔"

"جی ہاں.... میں نے تو پہلی ہی بار دیکھا ہے۔"

"اور ناصر....!"

"وہ اکثر آتے ہیں.... ڈیڈی انہیں جانتے ہیں۔"

"اس کیس کے متعلق آپ کے ڈیڈی کا کیا خیال ہے۔"

"نہیں ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ تو صرف شطرنج کے ماہر ہیں۔ دن رات کسی نہ
ی کو پکڑے بساط بچھائے رہتے ہیں۔ ابھی دیکھئے گا چائے کے بعد وہ شطرنج ضرور نکالیں گے اور
ہر کھانے کے وقت تک کھیلتے رہیں گے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اور اسی دوران میں وانگ لی بھی کمرے میں دکھائی دیا۔

"آپ کے ڈیڈی کی چینیوں سے بھی دوستی ہے۔" فریدی نے نادرہ سے پوچھا۔

"نہیں تو.... اوہ.... وہ.... وہ تو اپنا وانگ ہے۔ ڈیڈی کا پرائیویٹ سیکریٹری۔"

"اوہ... اچھا...." فریدی مسکرا کر بولا۔ "کرنل صاحب بڑے باذوق آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیوں!"

"چینی لوگ بڑے اچھے پرائیویٹ سیکریٹری ثابت ہوتے ہیں۔"

"مگر وانگ لی تو پکا حرامزادہ ہے۔" نادرہ ہنسنے لگی۔

"کیوں؟"

"وہ مجھ میں اور ڈیڈی میں اکثر لڑائی کرا دیتا ہے۔"

"وہ کس طرح۔"

"بہتیرے طریقے ہیں۔"

"آپ نے کبھی دو چینیوں کو آپس میں گفتگو کرتے سنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"روز ہی سنتی ہوں۔ ہمارا ڈرائیور بھی چینی ہے۔ تیہ چن....!" وہ ہنس کر بولی۔ "بتایئے تیہ
چن کے کیا معنی ہوتے ہیں۔"

"دوسرا پکا حرامزادہ۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور نادرہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

"کبھی چار پانچ چینیوں کو اکٹھا دیکھئے۔" فریدی نے کہا۔ "اس طرح چیاؤں چیاؤں کرتے ہیں
کہ کتے کے پلے یاد آجاتے ہیں۔ ان دونوں کے دوست تو آئے ہی رہتے ہوں گے۔"

"جی نہیں! یہاں تو کوئی نہیں آتا۔" نادرہ نے کہا۔

"کبھی انہیں ایک جگہ دیکھئے۔ بڑا لطف آئے گا۔"

حمید نے کرنل داراب کو پھر اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ خالی کرسی پر بیٹھ کر ڈاکٹر سلمان کی
طرف دیکھتا ہوا فریدی سے بولا۔

"یہ حضرت مجھے پاگل تو نہیں معلوم ہوتے۔"

"نہیں! بالکل پاگل نہیں ہے۔ صرف یادداشت کھو بیٹھا ہے۔"

"مگر وہ تو ابھی انگلینڈ اور فرانس کی باتیں کر رہا تھا۔" کرنل داراب نے کہا۔ "اگر یادد
کھو بیٹھا ہوتا تو اسے اپنی پچھلی زندگی کے متعلق کچھ بھی نہ یاد ہوتا۔"

"ایسا بھی ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ صرف اپنی جنوبی امریکہ کی رہائش کے
بھول گیا ہے۔"

"ممکن ہے! اس قسم کے کیس بھی ذہنی امراض کے سلسلے میں ملتے ہیں۔ ہو سکتا ہے
کسی ایسے حادثے کا شکار ہوا ہو جو بھلا ہی دینے کے قابل رہا ہو۔ جس حادثے کے بعد اس
سوچا ہو کہ کاش وہ جنوبی امریکہ میں نہ ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حادثہ اس کے اکلوتے بیٹے کی گمُ
ہو۔ ناصر میرا دوست ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ اس کا ایک بیٹا بھی تھا۔ لیکن خود سلمان اس
انکار کرتا ہے۔ مگر اسکے لڑکے کی پیدائش یہیں ہوئی تھی اور دوسروں کو وہ اچھی طرح یاد ہے۔

"اگر یہ بات ہے تو واقعی بیچارہ قابل رحم ہے۔"

چائے ختم ہوگئی اور مہمان مختلف قسم کے تفریحات میں مشغول ہوگئے۔ کچھ بلیرڈ روم
بلیرڈ کھیل رہے تھے۔ بعض برج کھیلنے میں مصروف ہوگئے۔ کچھ صرف باتیں کر رہے تھے۔ ا
گوشے میں ایک شاعر اپنا کلام سنا رہا تھا اور ایک صاحب نے لڑکیوں کے ہاتھ دیکھ کر ان کی قسمت
کا حال بتانا شروع کر دیا تھا۔

کرنل داراب فریدی وغیرہ کے پاس سے اٹھ کر کہیں اور چلا گیا تھا لیکن نادرہ اب تک
کے ساتھ تھی۔ اکثر لوگوں نے اُسے اپنے کھیلوں میں شریک کرنا چاہا لیکن اسے ان کھیلوں
زیادہ حمید کے چٹکلوں میں مزہ آرہا تھا اور حمید نے بھی نہ جانے کیوں یہ طے کر لیا تھا کہ وہ آج
اپنے لطیفوں کا ذخیرہ ختم کر دے گا۔

انہیں تفریحات میں آٹھ بج گئے اور پھر کھانے کا گانگ بجا۔

ڈائننگ روم میں بھی بڑا اچھا انتظام تھا۔ جب لوگ اپنی نشستوں پر بیٹھ چکے تو انہیں خیال
کہ ایک کرسی خالی ہے اور یہ خالی کرسی خود صاحب خانہ یعنی کرنل داراب کی تھی۔

تین چار منٹ انتظار کرنے کے بعد پھر گانگ بجایا گیا۔ لیکن کرنل داراب نہ آیا۔

نادرہ وانگ لی کے ساتھ اٹھ گئی۔ دو ایک ایسے لوگ بھی اٹھ گئے جو شائد گھر والوں سے بہت
یادہ بے تکلف تھے۔

دو منٹ گذر گئے۔ لیکن وہ لوگ واپس نہ آئے۔ مہمانوں میں سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔ دفعتاً
یک آدمی چیختا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"کسی نے کرنل کو چھری مار دی۔" اس نے چیخ کر کہا اور پھر الٹے پاؤں کمرے سے نکل گیا۔
ل اٹھ اٹھ کر اُس کے پیچھے دوڑنے لگے۔ فریدی اور حمید بھی اٹھے۔

کرنل داراب ایک کمرے میں اوندھا پڑا تھا اور اُس کے داہنے کاندھے میں ایک خنجر پیوست
تا۔ اسی کے قریب نادرہ بھی پڑی ہوئی تھی۔ شاید وہ اُسے اس حال میں دیکھ کر بیہوش ہوگئی تھی۔

فریدی آگے بڑھ کر کرنل پر جھک گیا۔

عجیب لڑکی

وانگ لی بھوکے شیر کی طرح غرا رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی زبان سے کچھ کہتا بھی جا رہا
تھا اور آخر کار اس نے انگریزی میں ایک بہت بڑی قسم کھائی وہ اپنے مالک پر حملہ کرنے والے کو
ندہ نہ چھوڑے گا۔

پھر اس نے بیہوش نادرہ کو اٹھا کر ایک صوفے پر ڈال دیا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے سر اٹھا کر کہا۔ "زخم گہرا نہیں ہے۔"

پولیس ہسپتال کا ڈاکٹر آگے بڑھا اور فریدی ایک طرف ہٹ گیا۔

ڈاکٹر نے جیسے ہی خنجر اُس کے شانے سے نکالا۔ کرنل داراب کو ہوش آگیا۔ اس کے منہ
ے ایک ہلکی سی کراہ نکلی اور اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

"کوٹ اتار لیجئے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

کرنل داراب نے کوٹ اتار کر اپنا بایاں شانہ کھول دیا۔ خون بہہ رہا تھا۔

"فرسٹ ایڈ کا بکس۔" کرنل داراب نے وانگ لی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کون تھا.... یہ کیا ہوا۔" کلکٹر نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ارے!" کرنل داراب کی نظریں بیہوش نادرہ کی طرف اٹھ گئیں۔ "اسے کیا ہوا؟"
تابانہ انداز میں اٹھ کر اُس کی طرف جھپٹا۔

"اوہو....!" کچھ نہیں ڈاکٹر اسے پکڑتا ہوا بولا۔ "بیہوش ہو گئی ہیں۔ ٹھیک ہو جا
آپ بیٹھیے۔ حرکت کرنے سے خون زیادہ نکل جائے گا۔"

"پہلے اُسے ہوش میں لایئے.... میں ٹھیک ہوں۔"

وانگ فرسٹ ایڈ کا بکس لے آیا۔ پولیس ہسپتال کا ڈاکٹر مرہم پٹی کرنے لگا۔

"کون تھا؟" کلکٹر نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" کرنل بولا۔ "میں اسے دیکھ نہیں سکا۔ اس نے پیچھے سے حملہ کیا تھا۔"

"آپ اس کمرے میں کس وقت آئے تھے۔"

کرنل اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھنے لگا۔

"شائد بیس منٹ پہلے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کسی پر شبہ ہے۔"

"نہیں میرے نوکروں میں سے کوئی ایسا نہیں ہو سکتا۔"

حمید نے معنی خیز انداز میں فریدی کی طرف دیکھا، جس کے ہونٹوں پر ایک خ
مسکراہٹ تھی۔ وہ سامنے والی میز کے نیچے کچھ دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی نظریں د
ہٹالیں۔ حمید نے بھی ادھر دیکھا لیکن اُسے میز کے نیچے کوئی خاص چیز دکھائی نہ دی۔

"خنجر کے دستے پر نشانات ہوں گے۔" ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب کی انگلیوں کے۔" فریدی نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔

"جی....!" ڈاکٹر چونک کر اُس کی طرف مڑا۔

"اوہو! میرا مطلب یہ نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ اگ
نشانات رہے بھی ہوں گے تو اب انہیں آپ کی انگلیوں نے ناقابل شناخت بنادیا ہوگا۔"

"تو آپ ہاتھ لگانے سے قبل خاموش کیوں رہے تھے۔" ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے بگڑ کر

"بھلا میں آپ کے سامنے کیا زبان کھولتا۔" فریدی نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔

"آپ اپنا لہجہ ٹھیک کیجئے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ اس وقت وردی میں نہیں ہیں اور نہ میں ڈیوٹی پر ہوں۔"

"بیکار کی بحث....!" کلکٹر نے دخل اندازی کی۔

دونوں خاموش ہو گئے۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی اسے کھا جانے والے انداز میں گھور رہا تھا اور
ریدی کے ہونٹوں پر وہی جھنجھلاہٹ پیدا کر دینے والی مسکراہٹ تھی جس کی موجودگی میں اس
ے بعض آفیسروں کو احساس کمتری ہونے لگتا تھا۔

"فریدی صاحب۔" کرنل نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ "یہ دوسرا حملہ ہے۔ آج سے
ندرہ دن قبل کسی نے مجھ پر پائیں باغ میں گولی چلائی تھی۔"

"اوہ....!" فریدی حیرت سے بولا۔ "اور آپ نے پولیس کو مطلع نہیں کیا۔"

"جی نہیں.... میں خود اس بات کا پتہ لگانا چاہتا تھا کہ حملہ آور کون تھا اور اس نے ایسی
حرکت کیوں کی تھی۔"

"اس رازداری کی کوئی خاص وجہ تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... اگر میں رپورٹ بھی کرتا تو آپ لوگ یہی پوچھتے کہ کسی پر شبہ تو نہیں۔ میں کیا
بتاتا۔ نادرہ.... نادرہ کہاں ہے۔"

"وانگ انہیں ان کے بیڈ روم میں لے گیا ہے۔" ایک نوکر نے کہا۔

"ہوش آیا۔"

"جی ہاں.... اب وانگ نے انہیں سلادیا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے۔" کرنل نے ڈریسنگ ہو جانے کے بعد کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔ "چلئے اب
کھانے میں دیر نہ ہونی چاہیئے۔"

"میرے خیال سے آپ آرام کیجئے۔" کسی نے کہا۔

"مجھے کوئی خاص تکلیف نہیں ہے۔" کرنل نے لاپروائی سے کہا۔

اس دوران میں ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کمرے میں رکھی ہوئی چیزوں کا اس طرح جائزہ لیتا پھر رہا
تھا جیسے اُسے ان میں سے کسی پر شبہ ہو۔

حمید کو اس بات پر حیرت تھی کہ آخر فریدی کیوں خاموش ہے۔

"یہاں سوائے کشت و خون کے اور کچھ نہیں۔" ڈاکٹر سلمان بڑبڑا رہا تھا۔ "ہمارے یہاں

سے انسانیت کا جنازہ نکل چکا ہے۔ اب بھی اگر لوگ ہوش میں آجائیں تو بہتر ہے۔ یہ ناممکن
تو پھر خون پانی کی طرح بہتا رہے گا۔" ڈاکٹر سلمان بولا۔ "دنیا سرائے فانی ہے۔ چار دن کی زن
میں ہٹ دھرمیاں اپنے ہی ہاتھوں اپنا گلا گھونٹتی ہیں۔"

"اونہہ سب چلتا ہے۔" کرنل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں

"ایک مصور شیطان کو بناتا ہے۔" ڈاکٹر سلمان بولا۔ "دوسرے اُسے دیکھ کر ڈرتے ہ
لیکن! مصور نہیں ڈرتا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" کرنل نے اُسے گھور کر کہا۔

"اگر باتیں سمجھ میں آجائیں تو پھر وہ باتیں نہیں رہتیں۔" ڈاکٹر سلمان نے احمقوں کی طر
ہنس کر کہا اور پھر وہ کسی شریر بچے کی طرح اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر مسکرانے لگا۔

مقامی حکام اسے گھور رہے تھے۔

سب لوگ ڈائننگ روم کی طرف چل پڑے۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے کرنل کو روک لیا
فریدی اور حمید ان کے پیچھے تھے۔

"آپ نے اس پاگل کو کیوں مدعو کیا ہے۔" اس نے کرنل سے پوچھا۔

"یونہی تفریحاً! میں اُسے دیکھنا چاہتا تھا۔ میجر ناصر سے میری جان پہچان ہے۔"

"لوگ کہتے ہیں کہ وہ صرف جنوبی امریکہ کے معاملے میں پاگل ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی۔
کہا۔ "لیکن وہ ابھی ہوشمندی کی باتیں کر رہا تھا۔"

فریدی اور حمید کچھ بولے بغیر کمرے سے باہر نکل آئے۔ انکے بعد کرنل اور ڈی۔ ایس۔ پ
بھی نکلے۔

کھانے کی میز پر لوگ ان کا انتظار کر رہے تھے۔

کھانے کی ٹرالی آئی۔ لوگ اپنی پلیٹیں سیدھی کرنے لگے۔ دفعتاً ڈاکٹر سلمان کی پلیٹ پر ایک
بلی کودی اور پلیٹ کے کئی ٹکڑے ہوگئے۔

لوگ پہلے چونکے پھر ہنسنے لگے۔ حمید نے محسوس کیا کہ فریدی ایک روشندان کی طرف دیکھ
رہا ہے۔ پھر اس کی نظریں ٹوٹی ہوئی پلیٹ سے گذرتی ہوئی سلمان کے چہرے پر جم گئیں۔

بلی جو شائد پالتو تھی اس کے بعد میز پر بیٹھی "میاؤں میاؤں" کرتی رہی۔

"مردود کم بخت۔" کرنل نے گردن سے پکڑ کر بلی کو ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر
ب کے لئے دوسری پلیٹ لگاؤ۔"

"آپ کے چوٹ تو نہیں آئی۔" فریدی نے میز پر ہاتھ ٹیک کر سلمان کی طرف جھکتے
ے کہا۔

"جی نہیں.... شکریہ۔"

فریدی پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ ایک نوکر نے ڈاکٹر سلمان کے سامنے سے ٹوٹی ہوئی پلیٹ
ٹکڑے ہٹا دیئے۔

ڈاکٹر سلمان نے مسکرا کر کرنل داراب کی طرف دیکھا۔

"اس بلی نے کس کا راستہ کاٹا۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"اوہ چچا جان۔" میجر ناصر نے جلدی سے اُسے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ "کرنل صاحب
ں کے بہت شائق ہیں۔"

"مجھے بھی بلیوں سے دلچسپی ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا۔

پھر لوگ کھانے میں مشغول ہوگئے۔ حمید کے سامنے ایک لڑکی تھی جس نے سنہری فریم کی
ی عینک لگا رکھی تھی اور جب وہ عینک سے اُسے دیکھتی تو اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس
ل کی بینائی بڑھ رہی ہو۔ لیکن وہ ڈاکٹر سلمان اور کرنل داراب کی بے تکی گفتگو کے متعلق
سوچ رہا تھا۔ کیا وہ گفتگو بامعنی تھی۔ آخر کرنل داراب پر حملہ کس نے کیا تھا.... کیا؟ ڈاکٹر
ن؟ مگر وہ تو اُن ہی لوگوں کے پاس موجود تھا۔

حمید نے کرنل داراب کی طرف دیکھا۔ وہ اتنے اطمینان سے کھانا کھا رہا تھا جیسے کچھ دیر قبل
بات ہی نہ ہوئی ہو۔

حمید اس لڑکی کے متعلق بھی سوچ رہا تھا جسے وانگ نے سلا دیا تھا اور اس کا اس طرح چپ
سوجانا حمید کو بڑا غیر فطری سا معلوم ہو رہا تھا۔ اُسے نوکر کی بات اچھی طرح یاد تھی۔ اس
کہا تو کہا تھا کہ نادرہ ہوش میں آگئی تھی لیکن وانگ نے اُسے سلا دیا ہے۔

حمید فریدی کی آواز سن کر چونکا۔ وہ کرنل داراب سے کہہ رہا تھا۔

"نادرہ صاحبہ نہیں آئیں۔"

"اوہ....!" کرنل داراب نے وانگ کی طرف گھور کر دیکھا۔

"میں نے انہیں سلا دیا۔" وانگ نے کہا۔ "میں جانتا تھا کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد پھر روتی رہیں گی۔ اس لئے میں نے اسے مارفیا کا انجکشن دے دیا۔"

"تم نے اچھا کیا؟" کرنل داراب اپنی پلیٹ کیطرف متوجہ ہوتا ہوا بولا۔ "نادرہ بہت روتی

"مگر مارفیا تو ان کے سسٹم پر بہت بُرا اثر ڈالے گا۔" فریدی نے کہا۔

"جانتا ہوں! مگر کیا کروں۔ وہ رونا شروع کرتی ہے تو کسی چھ ماہ کے بچے کی طرح روتی جاتی ہے۔" کرنل نے کہا۔

"اور نتیجہ غشی ہوتا ہے۔" وانگ نے ٹکڑا لگایا۔

فریدی بھی کھانے میں مشغول ہو گیا۔

حمید کو حیرت تھی کہ کرنل اس دوران میں نہ تو ایک بار بھی کراہا اور نہ اس کے چہ سے تکلیف کے آثار ظاہر ہوئے۔ شائد دوسرے لوگ بھی اس پر متحیر تھے، لہٰذا کسی نے کہ

"کرنل صاحب کی مضبوطی کی داد دینی پڑتی ہے۔ میں تو کم از کم چار دن پلنگ سے نہ اٹھ

"میرا پورا جسم گولیوں سے چھلنی ہے۔" کرنل نے مسکرا کر کہا۔

اس پر ڈاکٹر سلمان نے جھوم کر شعر پڑھا۔

"سنگ و آہن بے نیاز غم نہیں
دیکھ ہر دیوار و در سے سر نہ مار"

لوگ اسے گھورنے لگے۔ ناصر نے کچھ کہنا چاہا لیکن ڈاکٹر سلمان نے اُسے ہاتھ کے سے روک کر سنجیدگی سے کہا۔ "کیا لوگوں کو یہ شعر پسند نہیں آیا۔"

"لیکن یہ کون سا موقع تھا۔" ڈی۔ ایس۔ پی جھنجھلا کر بولا۔

"ہر اچھا شعر موقع محل سے بے نیاز ہوتا ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

پتہ نہیں کدھر سے آواز آئی، حمید محسوس نہ کر سکا کیونکہ اس آواز کا فوری ردِ دینے والا تھا۔ اس لئے اس کا ذہن اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ہوا یہ کہ کسی نے دبی زبان سے جنوبی امریکہ کا نام لے لیا۔ اچانک ڈاکٹر سلمان نے ماری اور اپنی پلیٹ میز پر پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔

"جاہل ہو، کمینے ہو۔" وہ مجمع کو گھورتا ہوا پھر چیخا۔ "تم نے میری چڑھ نکال لی ہے۔"

پھر وہ اس طرح پیچھے ہٹا کہ اس کی کرسی الٹ گئی، لیکن وہ خود نہیں گرا۔

حیرت زدہ مہمان اسے کمرے سے باہر جاتے دیکھ رہے تھے۔ شائد پندرہ بیس منٹ تک اموشی رہی پھر ناصر گلا صاف کر کے اٹھتا ہوا بولا۔ "میں انہیں.... نہیں لانا چاہتا تھا.... مگر رنل صاحب نے۔"

"مجھے افسوس ہے۔" کرنل نے آہستہ سے کہا۔ "جنوبی امریکہ کا نام ناحق لیا گیا۔"

ناصر بھی کھانا چھوڑ کر ڈاکٹر سلمان کے پیچھے چلا گیا۔

ناصر کے جانے کے بعد کمرے میں مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ گونجنے لگی۔ کرنل کے چہرے پر لہرے تفکر اور خجالت کے آثار تھے۔ جوں توں کھانا ختم ہوا اور وہ لوگ کافی پینے کے لئے برآمدے میں آ بیٹھے۔

"بڑے افسوس کی بات ہے۔" کلکٹر نے ڈی۔ ایس۔ پی سے کہا۔ "ہماری موجودگی میں اس قسم کی کوئی واردات ہو جائے۔"

"اوہ.... جانے بھی دیجئے۔" کرنل نے کہا۔ "مجھے آج کی دعوت برباد ہونے کا افسوس ہے۔ ڈاکٹر سلمان ناراض ہو کر چلے گئے۔"

"یہ شخص میرے لئے کم از کم معمہ بن کر رہ گیا ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"اسے پاگل کون کہے گا۔" کلکٹر نے کہا۔

"کیا ممکن نہیں کہ ہم میں ہی سے کسی نے کرنل صاحب پر حملہ کیا ہو۔" فریدی کی آواز سنائی دی اور یک بیک سناٹا چھا گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس نے سب کو کوئی گندی سی گالی دے دی ہو۔

"غالباً آپ نے یہ جملہ کہنے سے پہلے یہ بھی سوچ لیا ہو گا کہ یہاں کون کون موجود ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے جھنجھلا کر کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

یہ آفیسر بُری طرح بھنا گیا۔ یہ اسسٹنٹ اکسائز کمشنر تھا۔ اس نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"کیا میں محکمہ سراغ رسانی کے لائق انسپکٹر سے یہ پوچھ سکوں گا کہ ہم میں سے کوئی کرنل پر کیوں حملہ کرے گا۔"

"اوہو! آپ لوگ خواہ مخواہ ناراض ہو رہے ہیں۔ میں نے تو محض ایک امکانی با
تھی۔" فریدی بولا۔

"مسٹر فریدی۔" کرنل ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ ایک بیکار بحث ہے۔ کمشنر صاحب ٹھ
رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس بات کو یہیں ختم کر دیا جائے۔"

"کیا آپ حملہ آور سے واقف ہیں۔" فریدی نے اچانک پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"تب تو پھر واقعی آپ کی انسانیت اس قابل ہے کہ پوجی جائے۔ آپ یہ بھی نہیں چا
حملہ آور کا پتہ لگا کر اسے سزا دی جائے۔"

حمید کے کان کھڑے ہو گئے اور ساتھ ہی کان کھڑے ہو جانے کا محاورہ بھی اُس کے
میں گونجا۔ لیکن بات ایسی چھڑ گئی تھی کہ وہ اس مضحکہ خیز محاورے کے کمزور پہلوؤں
جمناسٹک نہ کر سکا۔ کرنل خاموش ہو گیا اور فریدی کہہ رہا تھا۔ "یا پھر یہ بات ہے کہ آپ حم
سے واقف ہیں اور اسے بچانا چاہتے ہیں۔ انداز سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ اس واقعے کی
رپورٹ بھی نہ درج کرائیں گے۔"

"رپورٹ.... اوہ.... ہاں۔" کرنل اس طرح بولا جیسے یک بیک نیند سے چونا
"رپورٹ ضرور درج کرائی جائے گی.... میں تو یہ کہہ رہا تھا۔ فی الحال اس مسئلے کو بھو
چاہئے۔ آج کی ساری تفریح ویسے ہی برباد ہو چکی ہے۔"

"یہ دوسری صورت ہے۔" کرنل فریدی نے کہا۔ "اچھا اب میں اجازت چاہوں گا۔"

"ارے! ابھی سے۔" کرنل نے کہا۔

"جی ہاں.... پھر کبھی حاضر ہوں گا۔"

"ضرور ضرور.... میں عرصہ سے آپ کی صحبت کا متمنی ہوں۔"

سرجنٹ حمید بھی کھڑا ہو گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ابھی اٹھنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ عینک
لڑکی بڑے دلآویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

وہ دونوں پھاٹک کے قریب آئے لیکن فریدی باہر نکلنے کی بجائے داہنی طرف م
مہندی کی قد آدم باڑھ ان کے لئے ایک اچھی خاصی دیوار تھی۔ وہ برآمدے میں بیٹھے ہو

مہمانوں کے قہقہے صاف سن رہے تھے لیکن اس طرف اندھیرا ہونے کی وجہ سے فریدی دیکھ لئے جانے کے خوف سے بے پرواہ ہو کر آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ جلد ہی عمارت کے داہنے بازو کی پشت پر پہنچ گئے۔ حمید خاموشی سے فریدی کا ساتھ دے رہا تھا لیکن اسے الجھن ہو رہی تھی کہ اچانک ایک بے نام سا خوف اس کے ذہن پر مسلط ہو گیا تھا۔

اب فریدی دیوار سے لگ کر چل رہا تھا اور حمید سوچ رہا تھا کہ اگر کسی خوش اخلاق کتے سے ملاقات ہو گئی تو مزا ہی آ جائے گا۔ وہ ایک ایسی کھڑکی کے قریب رک گیا جس کے شیشوں میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ یہاں حمید نے کسی عورت کے دبے دبے سے قہقہے کی آواز سنی۔

فریدی کھڑکی کے قریب سے ہٹ آیا۔ غالباً یہ حمید کے لئے اشارہ تھا۔ حمید نے جھانک کر دیکھا۔

نادرہ ایک مسہری پر بیٹھی بُری طرح ہنس رہی تھی اور کرنل داراب کا ڈرائیور تیہ چن آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

فریدی واپس جانے کے لئے مڑا۔ مڑنے کے انداز میں ایسی بیساختگی تھی کہ حمید کو ہنسی آ گئی اسے ایسا معلوم ہوا جیسے فریدی نے اپنی بیوی کو کسی غیر سے محو اختلاط دیکھ لیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈی سومرسٹ اسٹریٹ کی طرف واپس ہو رہی تھی۔

"آخر آپ بُرا کیوں مان گئے۔" حمید نے کہا۔

"اسے وانگ نے مورفیا کا انجکشن دے کر سلا دیا تھا نا۔" فریدی نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"آخر معاملہ کیا تھا۔ کرنل داراب نے اس حملے کو کوئی اہمیت کیوں نہیں دی۔"

"مائی ڈیئر حمید! بلکہ حمید میرے عزیز! کیا تم نادرہ سے عشق نہ کرو گے۔"

"آپ کے کہنے سے تو کبھی نہ کروں گا! کیا معاملہ ہے؟"

"معاملہ نہیں بلکہ معاملات ہیں۔ ان میں ایک معاملہ گھر پہنچ کر پیش کروں گا اور تم چونی والے تماشائیوں کی طرح تالیاں بجاؤ گے۔"

"کیا.... ؟ کوئی خاص بات۔"

"تم خود ہی اندازہ لگا لو گے۔ بہت ممکن ہے کہ میرے کیبل کا بھی جواب آ گیا ہو۔"

"کیبل! کیوں.... کیا کوئی خاص بات۔"

"تم شائد اونگھ رہے ہو! اگر اب تم نے تیسری بار کسی خاص بات کا مطالبہ کیا تو چانٹا مار دونگا۔"

"جہنم میں گئی خاص بات۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "میں یہ سوچ رہا ہوں کہ نادرہ مورفیا کے انجکشن کے باوجود بھی کیوں جاگ رہی تھی۔ اس کے باپ کو کسی نے چھرا مار دیا تھا اور وہ اطمینان سے قہقہے لگا رہی تھی جیسے وہ محض مذاق رہا ہو۔ وہ اُسے دیکھنے کے لئے بھی نہیں آئی تھی اور آپ کے کیبل کا جواب.... !وہ گیا جہنم میں۔ کیونکہ اس کے متعلق مجھے حشر تک کچھ نہ معلوم ہو سکے گا اور میں نے نادرہ سے عشق کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔"

حیرت انگیز انکشاف

حمید راستے بھر اوٹ پٹانگ باتیں بکتا رہا۔ فریدی خاموش رہا۔ گھر پہنچ کر فریدی نے کہا "ریفریجریٹر سے دودھ کی ایک بوتل نکال لاؤ۔"

"ہائیں دودھ پئیں گے آپ۔"

فریدی نے نوکر کو آواز دی، جو غالباً خواب گاہ میں اس کا بستر درست کر رہا تھا۔

"دیکھو! دو پیالے! ایک دودھ کی بوتل لاؤ اور شکور سے کہو کہ کتے خانے سے دو پلے اٹھا لائے۔"

حمید نے آنکھیں پھاڑ کر فریدی کو دیکھا اور اپنی گدی سہلانے لگا۔ نوکر چلا گیا اور فریدی کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

"اب آپ مجھ سے شتر مرغ کی بولی بولنے کے لئے تو نہ کہیں گے۔" حمید نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"تمہیں ابھی گدھے کی طرح چیخنا پڑے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"بہتر ہے! شب بخیر۔" حمید اپنے کمرے کی جانب مڑ کر بولا۔ "مجھے کتے کے پلوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"ٹھہرو فرزند! ابھی شائد ہمیں پھر ایک معمولی سا سفر کرنا پڑے۔"

"میں جھک مارنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ ابھی مجھے نقشہ عشق ترتیب دینا ہے۔"

"نقشہ عشق! میں نہیں سمجھا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"فضول ہے۔" حمید فریدی کے لہجے کی نقل اتارتا ہوا بولا۔ "میں وقت سے پہلے کچھ نہیں تا۔"

"خوب....!" فریدی جواباً مسکرایا۔

حمید کچھ اور کہنے جا رہا تھا کہ نوکر مطلوبہ چیزیں لے کر آگیا۔

"اندر رکھو۔" فریدی نے خواب گاہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ "ہاں تو صاحب پلوں کے آتے ہی کھیل شروع ہو جائے گا۔"

"اور اس کے بعد آپ کتوں کو کاٹنے دوڑیں گے۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

راہداری میں پلوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ فریدی کمرے میں چلا گیا۔ حمید باہر ہی کھڑا رہا۔ ی سمجھ میں نہیں آیا کہ فریدی کیا کرنے جا رہا ہے۔ وہ اس سے قبل بھی فریدی کو جانوروں پر قسم کے تجربات کرتے دیکھ چکا تھا۔ مگر اس وقت کی بات ہی الگ تھی۔ آخر اچانک اس اُسے کسی قسم کے تجربات کا خیال کیوں آیا۔

کتے کے پلے فریدی کے پاس پہنچا دیئے گئے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے حمید کو آواز دی۔

حمید نے اندر پہنچ کر پلوں کو دودھ پیتے دیکھا۔ دونوں الگ الگ اپنے سامنے رکھے ہوئے ل پر ٹوٹے پڑ رہے تھے اور فریدی بڑے انہماک سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہ کسی آنجہانی قسم کے کتے کی یاد ہیں۔"

حمید جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ ایک پلا خود بخود اچھل کر دور جا گرا اور پھر کسی ذبح کئے ہوئے غ کی طرح تڑپنے لگا۔ دوسرا پلا بدستور دودھ پیتا رہا۔

گر کر تڑپنے والا پلا اپنے پیالے کا آدھا دودھ بھی نہیں پی سکا تھا۔ وہ شائد آدھے منٹ تک ارا پھر ساکت ہو گیا۔

فریدی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آگیا۔ پھر اس نے اُسے دو تین بار جھنجھوڑا لیکن اس جنبش بھی نہ کی۔

"ختم ہو گیا۔" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا۔

"دوسرا پلا پہلے ہی جیسے انہماک کے ساتھ دودھ پی رہا تھا۔

حمید کو حیرت ضرور ہوئی لیکن وہ اس وقت نہ جانے کیوں فریدی کو غصہ دلانا چاہتا تھا۔

"اب آپ دوسرے پلے کو اس کی موت پر رونے کے لئے مجبور کریں گے۔" اس

"نہیں تمہاری عقل پر۔" فریدی کا لہجہ خشک تھا۔

اُس نے ختم ہو جانے والے پلے کے پیالے سے کوئی سفید سی چیز نکال کر فرش پر ڈا

"یہ کیا؟" حمید چونک کر بولا۔

"اس پلیٹ کا ٹکڑا جس پر بلی کودی تھی۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں فرزند....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اسی پلیٹ کا ٹکڑا جو ڈاکٹر سلمان کے آ
ہوئی تھی۔"

"مگر وہ تو خالی تھی۔"

"تو اس سے کیا ہوا۔ بعض زہر ایسے بھی ہیں جن کا محلول خشک ہو جانے کے بعد بھ
رہتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اس پلیٹ میں کسی زہر کا محلول لگا کر خشک کر لیا گیا تھا۔ اگر ڈاکٹر سلمان اس پلیٹ می
تو ہمیں اس تجربے کا موقع نہ ملتا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ کوئی کرنل اور ڈاکٹر دونوں کا خاتمہ کر دینے کی کوشش میں لگا ہوا

"چلو! تم نے بھی یہی سوچا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "جب تمہارا بھی یہی خیال ہے
عام آدمی تو نہایت آسانی سے دھوکا کھا سکتا تھا۔ اب ذرا یہ سوچو کہ ڈاکٹر سلمان کھانا کھا
مر جاتا تو کیا ہوتا۔"

"ہمیں اور زیادہ تیز رفتاری سے جھک مارنا پڑتی۔" حمید نے جل کر کہا۔ وہ دراصل یہ
کہ فریدی اسے سب کچھ بتادے۔

"ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "تمہاری جھک سچ مچ ماری جاتی کیونکہ تم ڈاکٹر سلما
قریب بیٹھے تھے۔"

"کیوں؟ اس سے کیا ہوا؟"

"بہت کچھ ہوا حمید صاحب۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔ "جب وہ اس طر

ے مر جاتا تو اس کی پلیٹ میں پڑے ہوئے کھانے کا تجزیہ کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ پلیٹ خالی تھی
لئے پورے کھانے کا زہر آلود ہونا ثابت ہوتا۔ لیکن وہی کھانا تو دوسرے بھی کھا رہے
ے۔ اس لئے یہ بات ثابت ہو جاتی کہ زہر صرف اسی کی پلیٹ میں ملایا گیا تھا۔ پھر اس کی دو
نیں ہوتیں یا تو وہ زہر خود ڈاکٹر سلمان ہی نے ملایا ہوتا یا پھر اس کے قریب کے کسی دوسرے
ی نے۔

حمید حیرت سے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔ فریدی چند لمحے سگار کے کش لیتا رہا پھر بولا۔

"ہاں تو جناب! اگر ڈاکٹر سلمان اس طرح مر جاتا تو لوگ اس وقت ہرگز یہ نہ سمجھتے کہ وہ زہر
ر سلمان ہی کے لئے تھا۔"

"کیوں؟ یہ کیوں نہ سمجھتے۔" حمید نے بے چینی سے پوچھا۔ وہ اب بھی بار بار مردہ پلے کی
ف دیکھنے لگتا تھا۔

"سیدھی سی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "کھانے سے قبل کرنل داراب پر حملہ ہو چکا تھا۔
ل یہی سمجھتے کہ وہ زہر کرنل ہی کے لئے تھا لیکن دھوکے میں ڈاکٹر سلمان پر تان ٹوٹ گئی۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی، پھر حمید نے پوچھا۔ "پلیٹ کا ٹکڑا آپ کے ہاتھ کیسے لگا۔ میرا
ال ہے کہ سارے ٹکڑے ایک نوکر سمیٹ لے گیا تھا۔"

"لیکن تمہیں یہ یاد نہیں کہ میں اس سے قبل ہی ڈاکٹر کی خیریت دریافت کرنے کے لئے
ں کی طرف جھکا تھا۔"

"اوہ.... تو آپ کو پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا۔"

"جناب۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"شبہے کی وجہ۔"

"وہ! خیر وجہ بھی سن لو۔ وہ بلی خود نہیں کودی تھی بلکہ روشندان سے پھینکی گئی تھی۔ میں
یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ میں نے دو ہاتھوں کی ہلکی سی جھلک دیکھی تھی جنہوں نے بلی کو
سنبھال رکھا تھا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ زہر آلود پلیٹ رکھنے والے کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ جب
اس نے یہ دیکھا کہ کوئی دوسرا آدمی اس کا شکار ہونے جا رہا ہے تو اس نے خود ہی پلیٹ توڑ دی۔"

"ابھی ہم مطلب نہیں اخذ کر رہے ہیں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"تو پھر کیا بات ہو سکتی ہے۔"

"یہی دیکھنا ہے! ویسے اب تم ڈاکٹر سلمان کا وہ بے تکا جواب یاد کرو، جو اس نے پلیٹ کے بعد کرنل کو مخاطب کر کے کہا تھا۔"

"مجھے یاد نہیں۔"

"اس نے کہا تھا کہ اس بلی نے کس کا راستہ کاٹا۔"

"ہاں! کہا تو تھا۔" حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہوٹل ڈی۔ فرانس والے معاملے میں وانگ کا ہاتھ تھا اور یہ بھی یاد ہو گا کہ اس حادثے کا شکار ہونے والا زرینہ کو ڈاکٹر سلمان کے متعلق کچھ بتانا چاہتا تھا"

حمید فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے چند لمحے بعد کہا۔

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر سلمان ہوٹل ڈی فرانس والے حادثے کے متعلق کچھ جانتا ہے۔"

"ابھی میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔" فریدی نے کہا اور دوسرا سگار سلگانے لگا۔

پھر اس نے نوکر کو آواز دی اور اس سے کمرے سے ساری چیزیں ہٹانے کو کہا۔

نوکر کو کتے کے پلے کی لاش دیکھ کر حیرت نہیں ہوئی کیونکہ وہ آئے دن اس قسم تجربات سے دوچار ہوتا تھا۔ تجربوں ہی کے لئے فریدی نے سانپ تک پال رکھے تھے دوسرے حیوانات کا ذخیرہ بھی قریب قریب اسی مقصد کے لئے تھا۔

"اب تو مجھے کرنل سے زیادہ ڈاکٹر سلمان میں دلچسپی لینی پڑے گی۔" فریدی نے تھوڑا بعد کہا۔ "تمہیں چیانگ کا بیان تو یاد ہی ہو گا۔"

"یاد ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن اس کی کوئی سند نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ وانگ اور کرنل ساتھیوں میں سے ہو۔"

"نہیں۔" فریدی نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔ "چیانگ کا تعلق ان لوگوں سے نہیں بھی منشیات کی ناجائز تجارت کرتا ہے لیکن کسی گروہ سے منسلک نہیں۔ اس معاملے میں وہ سے چالاک رہا ہے۔ وہ مجرم جو کسی پر کبھی بھروسہ نہیں کرتا بڑی مشکل سے قانون کی گرفت

ہے۔ چیانگ بھی اسی قسم کا ایک مجرم ہے۔ وہ خود ہی چانڈو بناتا ہے اور اُسے اپنے مخصوص کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اس کی تجارت کا کوئی حصہ دار نہیں! حتیٰ کہ اس کے ملازموں اس بات کا علم نہیں کہ وہ منشیات کی ناجائز تجارت کرتا ہے۔"

"پھر آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" حمید نے اکتا کر کہا۔

"میں کہنا چاہتا ہوں کہ چیانگ کے بیان پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔"

"اور آپ ماناأوز کے حکام کے بیان پر بھی یقین کرتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"جب تک میرے کیبل کا جواب نہ آجائے یقین کرنا ہی پڑے گا۔"

"کہاں سے جواب آئے گا۔"

"ماناأوز سے۔" فریدی نے کہا۔ "فی الحال اس تذکرے کو یہیں چھوڑو۔"

"میں ہر تذکرے کو یہیں چھوڑ دینے پر تیار ہوں لیکن خواہ مخواہ بور نہ کیجئے۔"

"آپ جا سکتے ہیں۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"سلمان اور کرنل میں کیا تعلق ہے۔"

"جو تم میں اور ایک گدھے میں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "اچھا۔ زاویۂ منفرجہ اور صنعتِ حسن تعلیل میں کیا ہے۔"

"چانٹا مار دوں گا۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"چانٹے کو فنی اصطلاح میں کیا کہتے ہیں۔"

"تمہارا سر! بھاگ جاؤ.....ورنہ.....!"

ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ فریدی نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ریسیور اٹھا لیا۔

حمید نے محسوس کیا کہ فون پر گفتگو کرتے وقت فریدی کے چہرے پر کبھی تحیر کے آثار پیدا جاتے اور کبھی تفکر کے! گفتگو طویل تھی۔ آخرکار فریدی نے ریسیور رکھ کر ایک طویل سانس اور اب اس کے چہرے سے شدید قسم کی بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔

"چیانگ کو کسی نے قتل کر دیا۔" اس نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"چیانگ کو۔" حمید حیرت سے بولا۔ "کب۔"

"کچھ دیر قبل! رمیش کا فون ہے۔ اُسے میں نے چیانگ کی نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔"

تھوڑی دیر بعد حمید اور فریدی پھر باہر آرہے تھے۔ راستے بھر دونوں خاموش رہے۔ سڑکوں کی رونق قریب قریب ختم ہوگئی تھی۔ کیونکہ ساڑھے بارہ کا عمل ہو چکا تھا۔ لیکن ... کے چینی ریستوران کے سامنے اب بھی کافی بھیڑ تھی اور اس بھیڑ میں سرخ پگڑیاں بھی آرہی تھیں۔

فریدی اور حمید کو ریستوران میں داخل ہونے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ کوتوالی انچا... انسپکٹر جگدیش اندر تھا۔ اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے اور حمید پر بھی کچھ کم بدحوا... طاری ہوئی۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ چیانگ کے برابر ہی ایک پولیس کانسٹیبل کی بھی لاش ... ہوئی ہے۔ جگدیش اور اس کے ساتھیوں کی ہیئت کذائی بھی قابل دید تھی۔ انہوں نے کرسیاں ... میزیں الٹ کر انکی آڑ لے رکھی تھی اور ان کے ریوالور ایک بند دروازے کی طرف اٹھے ہوئے ...

"ادھر آجایئے۔" جگدیش فریدی کو دیکھ کر چیخا۔ "وہ اندر موجود ہے۔ ہمارا ایک آدمی ... شکار ہوگیا۔"

فریدی نہایت اطمینان سے چلتا ہوا اس الٹی ہوئی میز کے قریب پہنچا جس کے پیچھے جگد... اور اس کے دو ساتھی تھے۔

"اِدھر آجایئے۔" جگدیش مضطربانہ انداز میں بولا۔

"وہ دوسری طرف سے نکل گیا ہوگا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ادھر کوئی راستہ نہیں۔" جگدیش نے کہا۔ "ادھر آجایئے۔"

"اونہہ!" فریدی ہونٹ سکوڑ کر میز کی اوٹ پر بیٹھ گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

"وہ چیانگ کا پرائیویٹ کمرہ ہے۔" جگدیش نے کہا اور پھر اپنے ساتھیوں سے بولا۔ "اُدھر خیال رکھنا ایک راؤنڈ اور چلاؤ۔"

بیک وقت پانچ چھ فائر ہوئے اور شیشے کے کچھ برتن ٹوٹ کر فرش پر آرہے۔

"وہاں چیانگ کے علاوہ اور کوئی نہیں جاتا تھا۔" جگدیش بولا۔ "یہ اس کے نوکروں نے ... ہے۔ ایک گھنٹہ قبل کی بات ہے کہ چیانگ نے اندر جانے کے لئے دروازہ کھولا! بس ایک فائر ... اور گولی اس کی پیشانی پر پڑی اور وہ الٹ کر ادھر آگرا۔ اس کی اطلاع ہمیں آپ ہی کے ایک آدمی

ملی تھی۔ بہرحال ہم جب یہاں پہنچے تو اندر سناٹا تھا اور باہر بھیڑ تھی۔ پھر جیسے ہی ہمارے ایک ... نے دروازہ کھولا اس کے بھی گولی لگی۔ اس بیچارے کی لاش بھی چیانگ کے برابر ہی پڑی ہے۔ پھر کسی نے دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں کی۔

پھر کچھ دیر خاموشی کے بعد فریدی نے کہا۔ "لیکن یہ طریقہ تو فضول ہے کب تک اس طرح جھک مارتے رہو گے۔"

"تو پھر آپ ہی بتایئے۔" ایک سب انسپکٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بتاؤ بھئی۔" فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔ "تم یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ مرحوم ...بل اور چیانگ کے قد ایک سے ہیں۔ شائد ایک آدھ انچ کا فرق ہو تو ہو.... اور حمید صاحب یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ دونوں کی پیشانیوں ہی پر گولیاں لگی ہیں۔ میرے خیال سے تو ورزش ...بیالیس ہی مناسب رہے گی۔"

"ورزش نمبر بیالیس۔" حمید نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اوہ ٹھیک ہے.... اچھا.... ...ئی صاحب اپنا ریوالور عنایت کریں گے۔"

"میرے خیال سے اس کی ضرورت ہی نہ پیش آئے گی۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

حمید نے ایک میز الٹ دی اور جگدیش کا ریوالور ہاتھ میں لے کر میز کو آگے کی طرف ...ہوا دروازے کی سمت بڑھنے لگا۔

"بے فکری سے بڑھتے رہو۔" فریدی نے کہا۔ "دروازہ اندر سے بند نہیں ہوگا۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" جگدیش نے کہا۔

"بس دیکھتے رہو۔" فریدی لاپروائی سے بولا اور سگار سلگانے لگا۔ ریستوران کے باہر لوگوں ...تعداد بڑھتی جارہی تھی۔ لیکن دروازے پر کھڑے ہوئے کانسٹیبل کسی کو اندر نہیں آنے دیتے ...البتہ سامنے کی بھیڑ ہٹانے سے وہ قاصر رہے تھے۔

حمید کھسکتا ہوا بند دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ پھر اس نے میز کے پائے دروازے سے اڑا دیئے۔ دروازہ کھلا اور ایک فائر ہوا۔

گولی سامنے کی دیوار سے ٹکرائی اور حمید اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ اسپرنگ دار دروازہ پھر بند ہوگیا۔

"ڈرو نہیں۔" فریدی نے آواز دی۔ "ذرا یہ دروازہ پھر کھولنا۔"

حمید نے میز آگے کی طرف کھسکائی۔ دروازہ پھر کھل گیا۔ پھر فائر ہوا اور گولی دیوار
اسی جگہ لگی جہاں پہلے لگی تھی۔

"بس ٹھیک ہے ہٹ آؤ" فریدی نے کہا۔

حمید لوٹ آیا۔ لیکن وہ ٹٹولنے والی نظروں سے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔

"ہاں تو جگدیش صاحب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تمہیں مایوسی تو نہیں ہوئی۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" جگدیش نے بے بسی سے کہا۔

"خیر مطلب بھی سمجھائے دیتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر دروازے کے قریب
اس نے آڑ کے لئے کسی میز یا کسی چیز کا سہارا نہیں لیا تھا۔ دروازے کے سامنے کھڑے
جگدیش کی طرف مڑا۔

"جگدیش صاحب۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "اندر والا گونگا تو نہیں لیکن بہرا ضرور
نے اب بھی دروازہ اندر سے بند نہیں کیا ہے۔"

جگدیش نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اور اس کے ساتھی حیرت سے منہ کھولے فریدی
رہے تھے۔ فریدی نے جھک کر دروازہ کھولا۔ تیسرا فائر ہوا اور گولی اس کے سر سے تق
فٹ کی اونچائی سے گذر گئی اور ٹھیک اسی جگہ لگی جہاں پچھلی دو گولیاں لگی تھیں۔ فریدی
دروازہ بند ہو گیا۔

بھیانک رات

دوسرا لمحہ حد درجہ سنسنی خیز تھا۔ فریدی کے عقب میں دروازہ بند ہو چکا تھا اور اندر
قسم کی آواز نہیں آرہی تھی۔ ادھر جگدیش اور اس کے ساتھیوں کو سکتہ سا ہو گیا۔ ان کی
دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور پھر گولی چلی لیکن کوئی سامنے دکھائی نہ دیا۔

"جگدیش اور حمید اندر آجاؤ۔" فریدی کی آواز سنائی دی لیکن لہجہ قطعی پر سکون تھا۔

جگدیش نے حمید کی طرف دیکھا۔

"آؤ....!" حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں اندر داخل ہو گئے لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ دونوں بوکھلا کر دروازہ کی
طرف پلٹے۔ دروازہ بند ہو چکا تھا اور فریدی سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"تمہارا مجرم!" اس نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔ پھر دھوئیں کے مرغولے چھوڑتا ہوا بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم اسے کوئی سزا نہ دے سکو گے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں اپنے ہی منہ پر تھپڑ
مارنے پڑیں۔"

"مجھے الجھن میں نہ ڈالئے۔" جگدیش نے بے بسی سے کہا۔

"چلو ادھر دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔" فریدی نے دونوں سے کہا۔

پھر وہ تینوں دروازے کے قریب دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔

"اب اُدھر بائیں طرف والی دیوار پر دیکھو جہاں تین کھونٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ بیچ والی کھونٹی پر
نظر رکھنا۔"

فریدی کے دروازہ کھولتے ہی فائر ہوا۔ بیچ والی کھونٹی سے دھوئیں کی پتلی سی لکیر نکل کر بل
کھا رہی تھی۔

"میرے خدا۔" جگدیش تھوک نگل کر منہ چلانے لگا۔

اس بار فریدی نے دروازے میں اسٹاپر لگا دیا اور وہ کھلا ہی رہا۔

"آؤ....!" فریدی مسکرا کر طنزیہ لہجے میں بولا۔ "یہی وقت کارگذاری کا ہے۔"

"وافر مقدار میں ناجائز منشیات ملیں گی۔ چانڈو۔ افیون۔ کوکین اور چرس وغیرہ۔"

"کیا چیانگ اس سے ناواقف تھا۔" جگدیش نے کھونٹی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ تو کسی طرح ممکن ہی نہیں۔" فریدی بولا۔ "یہ کوئی ایک دو گھنٹے یا ایک دو دن کا کام تو ہو
نہیں سکتا کہ چیانگ کی لاعلمی میں ہو گیا ہو۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ اس نے خودکشی کی۔" حمید بولا۔

"یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "اس کمرے میں تقریباً ایک پاؤنڈ اسٹرائچنین[1]
بھی موجود ہے۔ اگر اسے خودکشی ہی کرنا ہوتی تو وہ اسے استعمال کرتا۔ چینی فطرتاً سکون پسند
ہوتے ہیں۔ خودکشی کے لئے شاذ و نادر ہی آتشیں اسلحے استعمال کرتے ہیں۔"

---

[1] ایک مہلک زہر

"تو پھر اسے کیا کہا جائے۔" حمید اکتا کر بولا۔

"اتنی جلدی کیوں ہے۔" فریدی نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ دونوں بھی با
آگئے۔ باہر مجمع شور مچا رہا تھا۔

"اس بھیڑ کو یہاں سے ہٹاؤ۔" فریدی نے جگدیش سے کہا۔

کانسٹیبل کی موت کی وجہ سے بڑی سنسنی پھیل گئی تھی۔ لیکن جب بقیہ لوگوں کو خود بخو
چلنے والی گولیوں کا حال معلوم ہوا تو ان کے چہرے لٹک گئے۔

ریستوران کے سامنے سے بھیڑ ہٹا دی گئی تھی۔ لیکن لوگ منتشر نہیں ہوئے تھے۔ تھوڑی
دور ہٹ کر وہ پھر ایک جگہ اکٹھا ہو گئے تھے۔

اس وقت فریدی اور حمید تنہا ایک گوشے میں کھڑے تھے اور جگدیش چیانگ اور مقتول
کانسٹیبل کی لاش اٹھوانے میں مشغول تھا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں ابھری
ہوئی تھیں۔ اچانک وہ حمید کو مخاطب کر کے بولا۔

"یہ انتظام بہت پرانا معلوم ہوتا ہے۔ شاید چیانگ ہی نے اسے بنایا ہو.... لیکن آج ہی اُسے
کسی دوسرے نے چیانگ کی ناواقفیت میں استعمال کیا ہے۔"

"لیکن مقصد کیا ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"اگر ڈاکٹر سلمان والے واقعے کو اس سے منسلک کر دو تو مطلب صاف ہے۔" فریدی نے
کہا۔ "اس نے ڈاکٹر سلمان کے متعلق ایک ایسی اطلاع بہم پہنچائی تھی جو عام اطلاعات سے مختلف
تھی.... اور وہ آدمی جو ہوٹل ڈی فرانس میں جل مرا تھا وہ بھی ڈاکٹر سلمان ہی کے متعلق کوئی
خاص بات بتانا چاہتا تھا۔"

"آخر اتنا اودھم مچانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ لوگ ڈاکٹر سلمان کا بھی خاتمہ کر سکتے ہیں۔"
حمید نے کہا۔

"ابھی کچھ دیر قبل اسی کی کوشش کی گئی تھی۔" فریدی بولا۔ "لیکن اس بلی نے.... خیر
ٹھہرو! ہمیں چیانگ کے ملازموں سے ضرور گفتگو کرنی چاہیئے۔"

ریستوران میں کام کرنے والے پانچ آدمی باہر موجود تھے اور یہ سب مقامی باشندے تھے۔
فریدی نے کافی دیر تک ان سے گفتگو کی اور نتیجے کے طور پر اُسے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ پہلی تو

یہ کہ چیانگ اس کمرے کو خواب گاہ کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ چیانگ کے
لاوہ اس کمرے میں کوئی نہیں جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ان نوکروں میں سے بھی کسی نے آج تک اس
رے کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ چیانگ اپنے ملاقاتیوں کو بھی وہاں نہیں لے جاتا تھا۔ آخری بات
ب سے زیادہ اہم تھی۔ انہوں نے بتایا کہ آج دوپہر کو ایک لمبا اور دبلا پتلا انگریز چیانگ کے پاس
یا تھا اور انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ چیانگ اُسے اپنے سونے کے کمرے میں لے گیا حالانکہ وہ
پنے ملاقاتی کو وہاں نہیں لے جاتا تھا۔ اور وہ انگریز نوکروں کے لئے بالکل اجنبی تھا۔ انہوں نے
ے وہاں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

جگدیش نے ایک ایک کر کے ملازموں کے بیانات قلمبند کرنے شروع کر دیئے تھے۔ واپسی
ے قبل ایک بار پھر فریدی نے چیانگ کے کمرے کا گہرا جائزہ لیا۔ لیکن وہ حمید یا جگدیش کے کسی
ال کا جواب نہیں دے رہا تھا۔ ان دونوں نے بھی تھک ہار کر خاموشی اختیار کر لی۔

بہر حال حمید کے لئے یہ ایک ناکام ترین سفر تھا۔ واپسی پر اس نے فریدی سے کچھ نہیں
چھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کا ذہن نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوتا جا رہا تھا۔

سڑکیں بالکل سنسان ہو گئی تھیں اور ابھی ابھی اطراف کے کسی کلاک ٹاور نے دو بجائے
ے۔ فریدی کی کیڈی لاک کرنل وارب کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ حمید اونگھ رہا تھا اور
یدی کے ماتھے پر گہری سلوٹیں تھیں۔

"کیا سو گئے ہو۔" فریدی نے اُسے ایک ہاتھ سے جھنجھوڑا۔

"نہیں مر گیا۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "بیٹھے بیٹھے بھی نہیں سونے دیتے۔"

"بیٹھے بیٹھے تمہیں دفن کر دوں گا۔"

"دھمکی دیتے ہیں!" حمید پھر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔"

"یہاں تو اپنی شرافت بھی بیہودگی ہو جاتی ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "میں آپ سے ہرگز
پوچھوں گا کہ آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں۔"

"میں ہرگز نہ بتاؤں گا کہ فی الحال ہم ایک بار پھر کرنل کی کوٹھی کی طرف جائیں گے۔"
یدی کہا۔ "ویسے یہ بات بھی تم پر ظاہر کر دوں کہ تم حقیقتاً مر گئے ہو اور اب تم [illegible] باتیں بنانے

کی بھی سکت نہیں رہ گئی۔ یہ اور بات ہے کہ اب بھی عادتاً دوسروں کو ہنسانے کی کوشش کرتے
لیکن ایک اکتائے ہوئے بھانڈ کی طرح۔"

"اور میں بھی آپ سے عرض کروں فریدی صاحب کہ آپ بالکل بجھ کر رہ گئے ہیں۔ اب
اگر آپ اردو میں عشقیہ شاعری شروع کردیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔"

"تم کام چور اور نکمے ہوگئے ہو میرے محکمے کو اب تمہاری ضرورت نہیں اگر تم خود
شرافت سے استعفا نہیں دے دوگے تو میں تمہیں نکلوادوں گا۔"

فریدی نے یہ بات سنجیدگی سے غصیلے لہجے میں کہی تھی۔ حمید نے ایک بار اُسے آنکھیں پھاڑ
کر دیکھا اور اس کی نیند رفع ہوگئی۔ اُسے فریدی کے اس جملے پر سچ مچ غصہ آگیا تھا۔

"جہنم میں گیا آپکا محکمہ! سو بار لعنت ہے ایسی زندگی پر میں ابھی اور اسی وقت استعفے دوں گا۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔" فریدی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"میں بھی جھک نہیں مار رہا ہوں۔" حمید نے بھی اسی لہجے میں کہا۔

"گاڑی سے اُتر جاؤ۔"

"ہزار بار لعنت ہے اس گاڑی پر۔" حمید غصے کی وجہ سے آگے نہ کہہ سکا۔

اچانک فریدی نے قہقہہ لگایا اور اس کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔ "نیند کہاں گئی فرزند"

حمید بُری طرح جھینپ گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے منہ پر تھپڑ لگائے۔ اب یہ بات اس
کی سمجھ میں آئی کہ فریدی نے اس کی غنودگی ختم کرنے کے لئے اُسے غصہ دلایا تھا۔

"میں خواب میں بڑبڑا رہا تھا۔" اُس نے بڑی ڈھٹائی سے کہا اور فریدی ہنسنے لگا۔

وہ کرنل داراب کی کوٹھی کے قریب پہنچ رہے تھے۔ فریدی نے کیڈی روک دی اور
دونوں اُتر کر پیدل کوٹھی کی طرف چل پڑے۔

"یہ بھی بڑی اچھی بات ہے کہ کرنل کو کتے پالنے کا شوق نہیں۔" حمید نے کہا۔

"ایسا کبھی مت سوچنا۔" فریدی بولا۔ "اس کے پاس چار خونخوار کتے ہیں۔"

"لیکن ادھر آنے کا مقصد کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کوٹھی میں گھسیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"اور آپ چار عدد خونخوار کتوں کے وجود کے بھی قائل ہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

کوٹھی کا پھاٹک تقریباً سو گز کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ اچانک ایک کار ان کے قریب سے
گزری اور ٹھیک پھاٹک کے سامنے رک گئی۔ فریدی اور حمید جہاں تھے وہیں ٹھہر گئے۔

کار سے ایک طویل القامت آدمی اترا۔ تاروں کی چھاؤں میں وہ صاف نظر آرہا تھا لیکن اتنی
روشنی نہیں تھی کہ اس کا چہرہ دیکھا جاسکتا۔ پھاٹک کے قریب جا کر اس نے کوئی چیز کمپاؤنڈ کے
اندر پھینکی اور کتے بھونکنے لگے۔ پھر وہ تیز رفتاری سے کار کی طرف واپس آیا اور پائیدان پر ایک پیر
رکھ سگریٹ سلگانے کے لئے جھکا۔ جیسے ہی اس کے چہرے پر دیا سلائی کی روشنی پڑی۔ حمید چونک
پڑا۔ یہ کوئی انگریز تھا لیکن اس کا چہرہ کسی زندہ آدمی کا چہرہ نہیں معلوم ہو رہا تھا۔ گالوں کی ہڈیاں بد
نما ہونے کی حد تک ابھری ہوئی تھیں اور گال بیٹھے ہوئے تھے۔

سگریٹ سلگا کر وہ کار میں بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔ اب فریدی اور حمید اپنی کار کی طرف
بھاگ رہے تھے۔ انہوں نے کرپ سول جوتے پہن رکھے تھے ورنہ ان کے قدموں کی آوازیں
دور دور تک پھیلتیں۔

انہوں نے اپنی گاڑی کے قریب پہنچنے میں دیر نہ کی۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا آگے جانے والی
کار کی ٹیل لائٹ کسی ڈوبتے ہوئے ستارے کی طرح دھندلی ہوتی جارہی تھی۔ فریدی کی کیڈی
لاک اس کے تعاقب میں تیز رفتاری سے آگے بڑھنے لگی۔

"اس کا حلیہ۔" حمید بولا۔ "چیانگ کے نوکروں کے بتائے ہوئے حلئے سے مختلف نہیں
معلوم ہوتا۔"

"ہوں!" فریدی کا مختصر ترین جواب تھا۔ وہ کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"یہ بات نوکر بھی نہیں بتاسکے کہ چیانگ اس اجنبی کے چلے جانے کے بعد بھی ایک آدھ بار
اس کمرے میں گیا تھا یا نہیں۔"

"کیوں! اس سے کیا۔"

"عقل کے ناخن لو صاحبزادے۔ یہ ایک اہم ترین نکتہ ہے۔ ظاہر ہے کہ چیانگ نے اس
کمرے میں وہ سب کچھ اپنی موت کے لئے انہیں بنایا تھا۔ اس کا مقصد دراصل یہ تھا کہ اگر کوئی اس
کی نادانستگی میں وہاں داخل ہونے کی کوشش کرے تو اس کا خاتمہ ہو جائے لہٰذا وہ جب چاہتا رہا
ہوگا اس میکنزم کو کارآمد بنالیتا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ خود ہی دھوکے میں اس کا شکار ہو گیا ہو۔ اس

انگریز کے متعلق یہی تو سوچا جاسکتا ہے کہ اس نے چیانگ کی نادانستگی میں اُس کی مشین کا سوئچ کردیا ہوگا لیکن اگر چیانگ اس کے چلے جانے کے بعد بھی رات سے قبل ایک آدھ مرتبہ کمرے میں گیا ہوگا تو یہ خیال غلط ہو جاتا ہے۔"

آگے والی کار تار جام کی سڑک پر مڑ گئی۔ فریدی نے کیڈی کی ہیڈ لائیٹس بجھادی تھیں آگے والی کار کی ٹیل لائٹ کے سہارے چل رہا تھا۔ سڑک ویسے ہی سنسان پڑی تھی اس لئے لائیٹس بجھا دینے کے بعد کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی۔

حمید اونگھتا رہا اور کیڈی رینگتی رہی۔ بات یہ تھی کہ تار جام والی سڑک پر مڑتے ہی اگلی کار رفتار کم ہوگئی تھی لہٰذا فریدی کو بھی کیڈی کی رفتار کم کردینی پڑی۔ پچھلے پہر کی ملگجے اندھیرے میں دونوں کاریں آگے بڑھ رہی تھیں اور چاروں طرف اتھاہ سناٹا تھا۔ اچانک اگلی کار کی رفتار زیادہ تیز ہوگئی۔ فریدی بھی گیئر بدلنے ہی جارہا تھا کہ اس نے قریب ہی ایک نسوانی چیخ سنی۔ عورت متواتر چیخ رہی تھی۔ "بچاؤ.... بچاؤ.... بچاؤ"

حمید بھی بوکھلا کر سیدھا ہوگیا۔

"روکئے نا۔" حمید نے ڈیش بورڈ پر ہاتھ ڈال دیا۔ چیخیں بدستور جاری تھیں۔

فریدی نے کیڈی روک دی۔ آگے والی کار کی ٹیل لائٹ اندھیرے میں غائب ہوچکی تھی وہ دونوں کیڈی سے اُتر گئے۔ سامنے کمتالی کا طویل و عریض میدان اندھیرے میں ڈوبا ہوا پڑا تھا کچھ دور پر کسی عورت کی دھندلی پرچھائیں اچھل کود رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ چیخیں بھی ہو رہی تھیں۔

فریدی نے ٹارچ نکالی۔ دوسرا لمحہ انتہائی متحیر کن تھا۔ روشنی کے دائرے کی زد میں ا جوان العمر عورت اچھل اچھل کر اس طرح چیخ رہی تھی جیسے اسے ذبح کیا جارہا ہو۔ آس پاس دور دور تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔ چاروں طرف تاریکی اور سناٹے کا راج تھا اور چیخیں بھی تاریکی سناٹے کا ایک جزو معلوم ہو رہی تھیں۔

حمید کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سناٹے ہی کی چیخیں ہوں۔ نہ جانے کیوں! اس وقت کمتالی کے میدان کا سناٹا اُسے بڑا پُر ہول معلوم ہو رہا تھا۔

"کیا معاملہ ہے۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر زور سے چیخا۔ "ارے تو چیختی کیوں ہو بھاگ آ

"خاموش رہو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی پتہ نہیں کس مصیبت میں بیچاری مبتلا ہے۔" حمید نے کہا اور کچھ بوجھے بغیر عورت کی طرف دوڑ پڑا۔ فریدی اسے آوازیں ہی دیتا رہ گیا۔

لیکن حمید!.... جیسے ہی وہ عورت کے قریب پہنچا پہلے تو وہ زمین سے تین فٹ کی بلندی پر ہوگیا پھر دھم سے زمین پر گر پڑا۔ اس کے بعد وہ بھی اسی عورت کی طرح اچھل کود رہا تھا اس کے منہ سے چیخیں تو نہیں نکل رہی تھیں لیکن وہ بڑے سہمے ہوئے لہجے میں "ارے!" کر رہا تھا۔

"حمید....!" فریدی نے اُسے آواز دی۔

"اِدھر.... ارے.... اَبے.... ہش.... ہش.... ادھر مت آیئے۔" حمید اچھلتا ہوا چیخا۔

فریدی خود بھی کچھ بوکھلا سا گیا تھا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے آواز دی۔

"بات.... ارے تیری کی.... ارے ارے.... پتہ نہیں.... ہونہہ.... ہونہہ۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے اپنی فلٹ ہیٹ اتار کر اس طرف اچھال دی۔ وہ اُن دونوں کے قریب جاکر گری.... اور اس وقت تو فریدی کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے یہ دیکھا کہ اس کی ہیٹ بھی ان ہی دونوں کی طرح اچھلنے لگی ہے۔

عورت اب صرف اچھل رہی تھی اور اس کی چیخیں بند ہوگئی تھیں۔ حمید تو "ارے ارے" کرتا رہ گیا تھا۔ ویسے فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اب وہ بھی سست پڑتا جارہا ہے۔

اگر فریدی کی ہیٹ نہ اچھل رہی ہوتی تو شاید وہ اُسے مذاق سے زیادہ اہمیت نہ دیتا اور اس عالم کمتالی کے میدان کا پُر ہول سناٹا۔ خود فریدی کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی۔ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا اگلا قدم کیا ہونا چاہئے۔ اس وقت اس کے ذہن میں لاتعداد ایک دوسرے سے الجھ کر رہ گئی تھیں، دفعتاً پیچھے سے اس کے سر پر کوئی وزنی چیز گری۔

"جھائیں.... جھائیں۔" گرنے سے قبل ہی دوسری چوٹ.... اور پھر کمتالی کے میدان کا اندھیرا قبر کی تاریکی میں تبدیل ہوگیا۔

فریدی نہ جانے کب تک بیہوش رہا اور پھر جب اُسے ہوش آیا تو اُجالا پھیل چکا تھا اور وہ اپنی

کار کی پچھلی سیٹ پر پڑا تھا۔ حمید اگلی سیٹ پر نہ جانے بیہوش پڑا تھا یا سو رہا تھا۔ فریدی اس پر جھ
ہی رہا تھا کہ اسکی نظر ڈیش بورڈ کے آئینے پر پڑی اور وہ چونک پڑا۔ اسکے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھ

"حمید....!" اس نے حمید کو جھنجھوڑا.... اور حمید "ارے ارے" کرتا ہوا بوکھلا کر اٹھ بیٹھا

"ہائیں....!" اس نے چاروں طرف دیکھا اور آنکھیں ملنے لگا۔

"چلو ادھر ہٹو۔" فریدی نے اُسے اسٹیئرنگ کے سامنے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ اس کی نظر
اس کاغذ کے ٹکڑے پر جمی ہوئی تھیں، جو اسٹیئرنگ سے چپکا ہوا تھا۔

"میرے بچو۔" اس نے کاغذ کی تحریر بلند آواز میں پڑھی۔ "کچھ راز ایسے بھی ہیں جن کا ر
ہی رہنا بہتر ہے۔"

حمید بھی جھک کر اُسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے احمقوں کی طرح فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔

"بڑی سچی بات ہے.... خدا کی قسم مجھے حیرت ہے کہ میں زندہ کیسے ہوں۔"

"بکو مت....!" فریدی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

وہ کیڈی سے باہر آ گیا۔ اب غالباً وہ اس جگہ کا اندازہ لگا رہا تھا جہاں اس نے حمید اور ا
نامعلوم عورت کی اچھل کود دیکھی تھی۔

اور وہ خط

حمید فریدی کے سر پر بندھی ہوئی پٹی کو دیکھ رہا تھا۔ یکایک پچھلی رات کی یادوں کے دھ
کے نقوش اس کے ذہن کی سطح پر اُبھرنے لگے۔ اُسے یاد آ رہا تھا کہ اس نے اس وقت فریدی کی
غصیلی آواز سنی تھی۔ جب خود اس کا ذہن آہستہ آہستہ بیہوشی کی دلدل میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ اُ
فریدی کے ساتھ رہتے ہوئے کئی سال ہو چکے تھے اور وہ اس کے عادات و اطوار سے بخوبی واقف
تھا۔ اس لئے اس کی مخصوص قسم کی غصیلی آواز سنتے ہی اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ شائد فریدی پ
کسی نے حملہ کیا ہے۔

"دیکھئے! اُدھر کہاں جا رہے ہیں۔" حمید چیخا۔ فریدی اسی مقام کی طرف جا رہا تھا جہاں پچھلی
رات اُسے ایک حیرت انگیز تجربہ ہوا تھا۔

فریدی رک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ابھی سر نیچے ہو گا اور ٹانگیں اوپر....!" حمید اُسے روکنے کے لئے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"وہ طلسم سامری غالباً اب ختم ہو چکا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

اور حمید نے دیکھا کہ فریدی ٹھیک اسی جگہ پر کھڑا ہے جہاں وہ "اچھل کود" میں مبتلا ہو گیا
تھا۔ حمید نے بھی ڈرتے ڈرتے قدم بڑھائے اور فریدی کے پاس پہنچ گیا۔

"اب تو معاملہ ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔" حمید بولا۔

فریدی جھک کر زمین پر کچھ دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر سیدھا ہو گیا۔ اس کی متجسس
نگاہیں گرد و پیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دفعتاً کسی خاص چیز نے اس کی توجہ اپنی جانب سے مبذول
کرالی۔ وہ تین چار قدم آگے بڑھ کر جھکا۔ حمید نے اُسے کچھ اٹھاتے دیکھا۔

یہ ایک طلائی ہیئر کلپ تھا جس کے درمیان میں پھول کی شکل میں تین ہیرے جگمگا رہے
تھے۔ فریدی اُسے اپنے چہرے کے قریب لے کر بغور دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس کے منہ سے ایک
ہلکی سی آواز نکلی اور وہ معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا وہ! کرنل کی لڑکی نادرہ تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"کون.... اوہ.... وہ۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "کیوں؟"

"جو میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔"

"اتنا سمجھنے بوجھنے کا ہوش کسے تھا۔"

"ہوں تو گویا قیامت آ گئی تھی۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"جی کیا فرمایا آپ نے! حضرت اگر میری جگہ ہوتے تو پتہ چلتا۔"

"مجھے تم سے ایسی غیر سنجیدگی کی توقع نہیں تھی۔" فریدی نے کہا۔

"کیا؟" حمید منہ پھاڑ کر بولا۔ "خدا کی قسم سر پھوڑ لوں گا اپنا۔ کیا آپ نے اپنی ہیٹ کا انجام
نہیں دیکھا تھا۔"

"کیا تمہیں کچھ دکھائی دیا تھا۔"

"چودہ طبق روشن ہو گئے تھے.... سبحان اللہ۔"

"ارے تو کچھ بکو گے بھی۔"

"اپنی فلٹ ہیٹ سے پوچھ لیجئے۔"

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی نے کہا اور پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"کیا یہ نادرہ کا ہے۔" حمید نے ہیئر کلپ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ختم کرو یہ قصہ۔" فریدی کیڈی لاک کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"یہ آپ کے سر پر پٹی کیسی بندھی ہوئی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر کیڈی اسٹارٹ کردی۔ وہ شہر کی طرف واپس جا رہے تھے

حمید نے سوچا کہ اب فریدی کسی بات کا جواب نہ دے گا۔ لہٰذا وہ خود ہی بڑبڑانے لگا۔

"میری زندگی میں یہ پہلا تجربہ تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی پُر اسرار قوت مجھے اچھال اچھال کر زمین پر پٹخ رہی ہو۔ اگر میں ہوش بجا نہ رکھتا تو ہڈیاں چور ہو جاتیں۔ آپ فوق الفطرت چیزوں پر یقین نہیں رکھتے لیکن میرا دعویٰ ہے کہ اگر آپ پھنسے ہوتے تو کفر ٹوٹ جاتا۔"

"فوق الفطرت۔" فریدی ہونٹ بھینچ کر مسکرایا۔ "جو چیز ہماری سمجھ میں نہیں آتی اُسے فوق الفطرت کہتے ہیں، حالانکہ حقیقتاً وہ بالکل معمولی ہوتی ہیں۔"

"ذرا فرمایئے گا.... وہ کون سی معمولی چیز تھی، جو مجھے اوپر کی طرف اچھال رہی تھی۔"

"تمہیں کسی قسم کی مشینی قوت اچھال رہی تھی۔"

"آپ کو تو مشینوں کے خواب آنے لگے ہیں۔" حمید ہنس پڑا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ تم پچھلی رات کو تاروں کے ایک جال پر اچھل کود رہے تھے اور اس جال کا تعلق کسی مشین سے تھا۔"

"جال....!" حمید حیرت سے بولا۔ "کیا وہ پچھلی رات آپ کو دکھائی دیا تھا۔"

"نہیں میں نے اس وقت اس کے نشانات دیکھے ہیں۔ کمٹالی کی زمین ملائم ہے۔"

"اور وہ عورت۔"

"میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کون تھی۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ویسے یہ ہیئر کلپ سو فیصدی نادرہ ہی کا ہے۔ کل رات اس نے اُسے اپنے بالوں میں لگا رکھا تھا۔ اس کی پشت پر اس کا نام بھی موجود ہے.... یہ دیکھو! نادرہ داراب....!"

حمید ہیئر کلپ کو ہاتھ میں لے کر تھوڑی دیر تک الٹتا پلٹتا رہا پھر بولا۔ "مجھے بھی یاد پڑتا ہے

کل نادرہ کے بالوں میں تھا.... اگر یہ بات ہے تو آخر آپ نے کرنل کو ڈھیل کیوں دے
ا ہے۔"

"میں ابھی کچھ سمجھنا چاہتا ہوں۔ اس معاملے میں اکیلا کرنل ہی نہیں معلوم ہوتا۔" حمید
تھوڑی دیر تک ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ہلکے سروں میں سیٹی بجانی
ع کردی۔ فریدی کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی شدید الجھن میں مبتلا ہے۔
زدہ آہستہ سے بولا۔ "دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس آدمی نے ہمیں دھوکا دے کر تار جام
ڑک پر لگا دیا تھا یا پھر اس کی کار میں ٹرانسمیٹر فٹ تھا جس کے ذریعہ اس نے اپنے ساتھیوں
اے متعلق مطلع کر دیا تھا لیکن سوال تو یہ ہے کہ انہوں نے ہمیں زندہ کیوں چھوڑ دیا۔ یہی
بلکہ میرے سر کی مرہم پٹی بھی کر گئے۔ صرف یہی ایک چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ
ال ہمارے ہی لئے بچھایا گیا تھا اور وہ عورت فراڈ تھی.... لیکن نادرہ کا ہیئر کلپ۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ نادرہ ہی رہی ہو۔" حمید بولا۔ "کیا آپ نے اسے پچھلی رات کو مشکوک
ت میں نہیں دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کرنل داراب کی دھمکی ہو۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

گھر پہنچ کر فریدی کو وہ کیبل ملا جس کا اُسے کئی دن سے انتظار تھا۔ فریدی بغور اُسے پڑھتا
۔ پہلے تو اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک پیدا ہوئی لیکن پھر جلد ہی وہ معمول پر آگیا۔

"تم نے دیکھا۔" اس نے حمید کو مخاطب کیا۔ "ڈاکٹر سلمان کی یادداشت پر بُرا اثر کیوں پڑا۔
ا کا جوان بیٹا راشد.... دراصل ایک چٹان سے گر کر مر گیا تھا اور میرا خیال ہے کہ اسی حادثے
بناء پر وہ اپنی یادداشت ہی کھو بیٹھا.... تمہیں یاد ہوگا.... جب میں اسے فلم دکھا رہا
ا.... بتا سکو گے کہ اس نے کس سین پر راشد کا نام لیا تھا۔"

"غالباً وہ دو چرواہوں کی لڑائی کا سین تھا اور ان میں سے ایک چٹان سے گر کر مر گیا تھا۔"

"ٹھیک ہے.... اس سین پر اس کی یادداشت لوٹتے لوٹتے رہ گئی تھی۔ خیر وہ ایک الگ بحث
ہے لیکن حمید صاحب یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس نے راشد کا نام چرواہے کے گر جانے کے
د نہیں لیا تھا بلکہ اسی وقت راشد راشد چیخنے لگا تھا، جب وہ دونوں چٹان پر لڑ رہے تھے۔"

"تو پھر....؟"

"تو پھر یہ کہ..... راشد کی موت کسی اچانک حادثے کی بناء پر واقع نہ ہوئی ہو گی۔ ہو سکا
کہ کسی سے اس کی لڑائی ہوئی اور ڈاکٹر سلمان وہاں موجود رہا ہو..... ورنہ پھر کیا وجہ ہے کہ
نامعلوم آدمی یہ نہیں چاہتے کہ سلمان کی صحیح حالت سے کوئی واقف ہو سکے۔"

"آپ کرنل داراب کا نام صاف صاف کیوں نہیں لیتے۔" حمید نے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی نظریں پھر کیبل پر جم گئی تھیں۔

"اور دوسری بات۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ ڈاکٹر سلمان نے
خانے کی شکل تک نہیں دیکھی۔ چیانگ کا بیان صحیح تھا اور ماناوز کے حکام جھوٹے ہیں۔ وہ سر
کاغذات جو وہاں سے بھیجے گئے ہیں ڈاکٹر سلمان کو وہاں کے حقوق شہریت مل گئے تھے
یادداشت کھو بیٹھنے کی بناء پر اُسے پھر یہاں دھکیل دیا گیا اور یہ ظاہر کیا گیا کہ اسے ابھی
شہریت ملے ہی نہیں تھے۔"

"کیوں.....؟ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ آخر انہوں نے اُسے تین سال تک پاگل خانے
رکھنے کی افواہ کیوں اڑائی ہے۔"

"بہانہ.....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تاکہ اسے واپس بھیجا جاسکے اور اس میں ا
فرم کا بھی ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے اسے پیچھا چھڑانے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔"

"لیکن یہ اطلاعات کس نے بہم پہنچائی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"ایک پرائیویٹ خبر رساں ایجنسی نے جس کا تعلق ماناوز کی ایک پرائیویٹ سراغ ر
ایجنسی سے ہے۔"

"تو کیا یہ ماناوز سے نہیں آیا!" حمید نے کیبل کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"نہیں..... یہ برٹش گی آنا سے آیا ہے۔" فریدی نے کہا اور کچھ دیر تک خاموش رہنے
بعد پھر بولا۔ "حمید صاحب یہ کیس بڑا پیچیدہ ہے۔ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ کرنل داراب
ایسے گروہ کو کنٹرول کرتا ہے جس کا پیشہ منشیات کی ناجائز درآمد اور برآمد کرنا ہے! لیکن
سلمان..... ڈاکٹر سلمان کا اس معاملے سے کیا تعلق؟ یہ بات بھی مجھے معلوم ہے کہ کرنل دار
کا کچھ نہ کچھ تعلق جنوبی امریکہ خصوصاً برازیل کے ایک حصے سے بھی ہے کیونکہ اس کی ڈاک
سے آتی ہے۔"

"تب تو معاملہ صاف ہے۔" حمید نے کہا "اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ ڈاکٹر سلمان کا لڑکا کسی
ائی کے نتیجے میں مارا گیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس میں کرنل داراب کا ہاتھ رہا ہو اور اسی لئے وانگ
ڈ اس آدمی کو ختم کر دیا، جو زرینہ کو ڈاکٹر کے متعلق کچھ بتانا چاہتا تھا.... چیانگ بھی مارا گیا، جو
لڑکے متعلق کوئی اہم بات جانتا تھا۔ کرنل کے یہاں سلمان کو زہر دینے کی بھی کوشش کی گئی۔"

"اور اس سے پہلے کرنل پر بھی حملہ ہو چکا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "چیانگ نے اتنا ہی بتایا
اکہ سلمان پچھلے سال پاگل خانے میں نہیں تھا.... اور یہ بات دوسرے ذرائع سے بھی معلوم
سکتی تھی۔"

ایک نوکر نے کمرے میں داخل ہو کر ایک ملاقاتی کا کارڈ پیش کیا۔

"ناصر ہے۔" فریدی نے کارڈ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اسے یہیں بلا لاؤ۔"

ناصر کے آنے تک خاموشی رہی۔ حمید کچھ بیزار سا نظر آرہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر تھوڑی
ا مہلت مل جاتی تو کرنل کی خیریت پوچھنے کے بہانے نادرہ سے مل آتا۔

"یہ تمہارے سر میں کیا ہوا۔" ناصر نے پوچھا۔

"یونہی ایک معمولی سی چوٹ آگئی ہے۔"

"کیسے؟"

"ارے چھوڑو یار.... کل رات تمہارے چچا کی وجہ سے دعوت میں بڑی بے لطفی رہی۔"

"بھئی میں تو لے جانا ہی نہیں چاہتا تھا لیکن خود کرنل ہی نے خواہش کی تھی۔" ناصر نے
کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ جہاں جنوبی امریکہ کا نام آیا وہ وحشیوں کی طرح لپٹ
پڑنے کے لئے جھپٹتے ہیں.... اور یہ لو.... یہ ان کی کمپنی کے ایک ڈائریکٹر کا خط ہے۔"

ناصر نے ٹائپ کیا ہوا ایک خط فریدی کی طرف بڑھا دیا اور جب فریدی اُسے پڑھنے کے لئے
میز پر پھیلا رہا تھا تو ناصر نے کہا۔ "میں کچھ دنوں سے چچا صاحب کے متعلق ان کی فرم سے خط و
کتابت کر رہا تھا۔ آخر یہ جواب آیا ہے۔"

تحریر یہ تھی

"مائی ڈیئر ناصر!

آپ کے خطوط ملے اور میں یہ خط آپ کو اس لئے لکھ رہا ہوں کہ صرف آپ مطمئن

ہو جائیں۔ اس کی پبلسٹی نہ کیجئے گا کیونکہ اس میں میری فرم اور مقامی حکومت کی بدنامی ہو گی
حقیقت ہے کہ یہاں ڈاکٹر سلمان کو حقوق شہریت مل چکے تھے۔ اچانک ان کا لڑکا ایک حادثہ
شکار ہو گیا۔ سلمان صاحب شائد جائے وقوع پر موجود تھے۔ وہاں سے انہیں بیہوشی کی حالت
اٹھا کر لایا گیا۔ وہ تین دن تک بیہوش پڑے رہے اور جب انہیں ہوش آیا تو وہ اپنی یاد داشت
بیٹھے تھے۔ میں آپ کو پوشیدہ طور پر مطلع کر رہا ہوں کہ وہ پاگل خانے نہیں رکھے گئے تھے بلکہ
لوگ انہیں اپنی نگرانی میں رکھتے تھے۔ ان کی عجیب کیفیت تھی۔ کبھی وہ بالکل پاگل ہو جاتے
اور کبھی ٹھیک ہو جاتے تھے۔ البتہ انہیں بیٹے اور حادثے کے متعلق کبھی کچھ نہ یاد آیا۔ تین
تک ہم انہیں سنبھالتے رہے پھر ہم نے سوچا کہ انہیں ان کے وطن بھجوا دیا جائے۔ ڈاکٹر
نے کمپنی کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اور ہم اس کے لئے ان کے مشکور تھے، لہٰذا ہم
غیر قانونی طور پر بھاری رشوت دے کر حکام کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ ان کے حقوق شہریت
ختم کر کے آپ کی حکومت سے ان کی واپسی کے لئے کہیں اور اس پر یہ ظاہر کریں کہ ڈاکٹر
کو حقوق شہریت دیئے ہی نہیں گئے تھے اور ان کی درخواست زیر غور تھی۔ اسی کے لئے
سلمان کے پاگل پن کی آڑ لی گئی اور یہ ظاہر کیا گیا کہ انہیں پاگل خانے میں بھی رکھا جا چکا ہے۔

بہر حال! ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں اور ہمیں خوشی ہے کہ وہ اپنے وطن اپنے آد
میں پہنچ گئے ہیں۔ ہم ان کا ڈیڑھ لاکھ روپیہ جس میں ان کا ذاتی اندوختہ اور کمپنی کا فنڈ شامل
عنقریب منتقل کرا دیں گے۔

تاکید ہے کہ اس خط کو پڑھنے کے بعد ضائع کر دیا جائے۔

آپ کا مخلص

آرتھر ڈی بیسکومب"

فریدی نے خط پڑھ کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔ چند لمحے وہ کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"وہ لفافہ کہاں ہے جس میں خط آیا ہے۔"

"لفافہ.... میرا خیال ہے کہ وہ ضائع ہو گیا۔ تلاش کے باوجود نہیں ملا۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ خط مانا اُوز سے ہی آیا ہے۔"

"ہاں بھئی! لفافے پر وہاں کا ٹکٹ تھا۔"

"اور مہر کہاں کی تھی۔"

"اوہ! یار تم تو جان کو آ جاتے ہو! مہر پر میں نے غور نہیں کیا تھا۔"

"اور لفافہ بھی ضائع ہو گیا.... خیر.... تم نے چینی ریستوران کے مالک چیانگ کی حیرت
موت کے متعلق پڑھا ہو گا۔"

"ہاں ہاں.... کیوں؟"

"وہ بھی تمہارے چچا کے متعلق کوئی اہم بات جانتا تھا۔"

"یار یہ معاملہ کیا ہے.... کہیں میں پاگل نہ ہو جاؤں۔ آخر چچا صاحب کی شخصیت اتنی
رار کیوں بنتی جا رہی ہے۔"

"یہ تو تمہارے چچا ہی بتا سکیں گے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور حمید چونک کر اُسے
نے لگا۔

"کاش چچا کچھ بتا سکتے۔" ناصر بولا۔

"کل رات وہ گھر کتنے بجے پہنچے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"مجھے علم نہیں۔"

"تو تم ان کی طرف سے اتنے لاپرواہ رہتے ہو۔"

"ارے بھئی وہ بچے تو ہیں نہیں.... اور نہ پاگل ہیں جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے۔ جنوبی
یکہ کے حوالے کے علاوہ اور کوئی چیز ذہنی طور پر انہیں اتنا متاثر نہیں کرتی کہ وہ آپے سے باہر
جائیں۔ اکثر وہ تنہا سینما بھی جاتے ہیں اور ان کی نارمل حالت کو دیکھتے ہوئے کسی کو کوئی تشویش
ں ہوتی۔"

"ان کے ملنے والے بھی آتے رہے ہوں گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اکثر....!"

"ایسے لوگ بھی آتے ہیں جو تمہارے لئے اجنبی ہوں۔"

"ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا۔"

"اچھا اب خط کو پھاڑ کر جلا دو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس لئے کہ یہ قطعی فضول اور بچکانہ
ہے ویسے کیا تم نے اس کا تذکرہ اپنے چچا سے کیا تھا۔"

"پہلے یہ بتاؤ کہ یہ فضول اور بچکانہ کیوں ہے۔"

"کمپنیوں کے ڈائریکٹر گدھے ہانکنے والے نہیں ہوتے۔ ممکن ہے اپنے یہاں ہوتے
دوسرے ممالک میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس ڈائریکٹر نے اپنے ایک بہت بڑے جرم کا اعتر
ہے۔ میرے بھولے بچے اس قسم کی تحریریں باپ کو بھی نہیں دی جاتیں ذرا یہ تو بتاؤ! تم
اس خط کو بے احتیاطی سے کہیں ڈال دیا تھا۔"

"نہیں تو..... یہ میری ڈائری میں تھا۔"

"لفافے سمیت۔"

"مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ خود میں نے ہی لفافہ اس طرح کھولا
دوبارہ استعمال کے قابل نہ رہ گیا ہو اور میں نے ہی اُسے پھینک دیا ہو۔ آخر تم لفافے کو ا
کیوں دے رہے ہو۔"

"کچھ نہیں..... پھر غور کریں گے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے سر میں تکلیف بڑھ گئی

حمید سمجھ گیا کہ فریدی اب اس مسئلے پر ناصر سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔

ناصر دو چار منٹ بیٹھ کر چلا گیا اور فریدی اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

"آخر آپ لفافے کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔"

"وہ خط مانا اُوز سے نہیں آیا۔"

"محض اس بناء پر کہ لفافہ کھو گیا ہے۔" حمید بولا۔

"میں کبھی کوئی بات کمزور بنیادوں پر نہیں کہتا فرزند!" فریدی نے ایک آرام کر
دراز ہو کر کہا۔ "اس میں شک نہیں کہ ربر سپلائی کمپنی کے ایک ڈائریکٹر آرتھر ڈی بیسا
نام اس پر چھپا ہوا تھا لیکن وہ کاغذ ہمارے ہی ملک کے ایک مل کا بنا ہوا تھا۔ اس پر ایک غیر م
کا لیٹر پیڈ چھپوانے والے احمق نے یہ نہیں سوچا کہ بعض کاغذوں پر کارخانوں کا واٹر مار
ہوتا ہے۔"

"کرنل داراب کی حرکت۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "سو فیصدی اسی کی حرکت
نے یہ خط محض اس لئے بھجوایا ہے کہ ڈاکٹر سلمان کے متعلق گہری تفتیش نہ کی جائے۔"

"لیکن.....!" فریدی چھت کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اس خط کی تحریر غلط نہیں

بندی حقیقت ہے۔"

دو خوفناک آدمی

فریدی کئی دن تک زیادہ مشغول رہا۔ حمید کے ہر استفسار کا جواب اس کے پاس یہی ہوتا تھا کہ وہ ابھی کسی مسئلے پر روشنی نہیں ڈال سکتا کیونکہ ابھی وہ خود ہی یقین اور شبہات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس دوران میں حمید نے اسے شکل تبدیل کر کے بھی کئی بار گھر سے باہر جاتے دیکھا تھا لیکن وہ حمید کی مشغولیت میں مخل نہیں ہوا۔ اس نے اس سے ایک بار بھی یہ نہیں پوچھا کہ وہ آج کل کرنل داراب کی لڑکی نادرہ کے ساتھ مختلف ریستوران اور تفریح گاہوں میں کیوں دکھائی دیتا ہے۔ نادرہ حمید سے بہت زیادہ بے تکلف ہو گئی تھی اور کرنل داراب بھی شائد ان دونوں کی دوستی کو پسند کرتا تھا۔

ایک رات حمید کو داراب کی کوٹھی میں بارہ بج گئے اور وہ اٹھنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ کرنل داراب نے اُسے رات وہیں بسر کرنے کو کہا۔ حمید کو حیرت ہوئی اور کچھ خوف بھی محسوس ہوا۔ وہ ہچکچا ہی رہا تھا کہ کرنل نے کہا۔

"میں فریدی صاحب کو فون کئے دیتا ہوں۔ میرے خیال سے انہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ بات یہ ہے کہ آج میں باتیں کرنے کے موڈ میں ہوں اور اس معاملے میں آپ جیسا رفیق ملنا مشکل ہے۔ نادرہ آپ کی بہت تعریف کرتی ہے۔"

اپنے متعلق ایک خوبصورت لڑکی کے باپ سے اس قسم کا جملہ سن کر حمید سر تا بقدم مکھن ہو کر رہ گیا اور اس کی سعادت مندی نے جوش مارا تو وہ یہ بھی بھول گیا کہ کرنل داراب سے ربط و ضبط بڑھانے کا مقصد کیا تھا۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ فریدی کرنل داراب کے متعلق ثبوت مہیا کرنے کی فکر میں ہے۔ اس وقت اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کرنل نے اسے اپنی فرزندی میں لے لینے کا تہیہ کر لیا ہو۔

یہ گفتگو ڈرائنگ روم میں ہوئی تھی۔ کھانا کھا چکنے کے بعد سے اب تک وہ وہیں بیٹھے حمید کے لطیفوں سے محظوظ ہوتے رہے تھے۔ کرنل اور نادرہ کے ساتھ وانگ بھی تھا۔ حمید نے رات

وہیں بسر کرنے کا وعدہ کر لیا۔

"تو کیا رات بھر باتیں ہوں گی۔" نادرہ نے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ آج میرا موڈ باتیں کرنے کا ہے۔" کرنل بولا۔

"تب تو میں چلی۔" نادرہ نے انگڑائی لے کر کہا۔ "مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"ہاں ہاں تم جاؤ۔" کرنل بولا۔ "تمہیں زیادہ نہ جاگنا چاہیئے۔"

نادرہ نے بڑے دلآویز انداز میں مسکرا کر حمید کو "شب بخیر" کہا اور لچکتی ہوئی چلی گئی۔

حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ حلوہ سمجھ کر صابن کا ٹکڑا کھا گیا ہو۔ اگر اُسے یہ معلوم ہوتا نادرہ اس گفتگو میں حصہ نہ لے گی تو وہ کبھی وہاں قیام کرنے کا وعدہ نہ کرتا۔

"حمید صاحب! اگر آپ کو چینی رقص و موسیقی سے دلچسپی ہو تو تیہ چن کو بلواؤں۔"

"جی ہاں بہت۔" حمید اُسے دل ہی دل میں گالیاں دیتا ہوا بولا۔ "میرے والد صاحب کو بھی چینی رقص و موسیقی سے بہت زیادہ دلچسپی تھی اور دادا کا تو خیر انتقال ہی چین میں ہوا تھا۔"

"کیا واقعی۔" کرنل داراب نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں! اور میرے باپ کو چین اور چینیوں سے اتنی محبت تھی کہ انہوں نے میرا نام چینی زبان میں رکھا تھا۔"

"کیا نام تھا!" کرنل نے پوچھا۔

"چیاؤں میاؤں!" حمید نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ کرنل داراب بیساختہ ہنس پڑا۔

وانگ اردو نہیں سمجھتا تھا اس لئے وہ بت بنا بیٹھا رہا۔ آخر کرنل نے اس سے تیہ چن کو بلا۔ کو کہا۔

وانگ چلا گیا۔ حمید شام ہی سے ایک بات بڑی شدت سے محسوس کر رہا تھا وہ یہ کہ کرنل داراب کچھ پریشان سا نظر آ رہا تھا۔ اکثر وہ اس کے جملوں پر بے ساختہ ہنس تو پڑتا تھا لیکن پھر فوراً ہی وہ ہنسی اس طرح کسی قسم کی تشویش کے آثار میں بدل جاتی جیسے اچانک سورج کے سامنے بادل آ جائیں۔

تیہ چن کے آ جانے کے بعد کمرے میں خاصا ہلڑ مچ گیا تھا۔ وہ اور وانگ حلق پھاڑ پھاڑ کر گا رہے تھے اور تیہ چن ناچ بھی رہا تھا۔

ھر تیہ چن نے نقلیں شروع کر دیں۔ اس نے کبھی کسی انگریز عورت کو بچہ جنتے دیکھا تھا اس ئے کراہنے اور گناہوں کو یاد کر کے توبہ کرنے کی نقل پر تو حمید کو بھی اُچھو ہو گیا۔

ایاد دو بج رہے تھے، جب حمید پر یکایک حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ تیہ چن سیامی طوائفوں کی رہا تھا اور وانگ اس کا گاہک بنا تھا۔

چانک حمید کی نظریں عقبی دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور وہ "ارے" کہہ کر کھڑا ہو گیا۔

بھی متوجہ ہو گیا۔ اچانک حمید نے ایسا محسوس کیا جیسے کرنل کا چہرہ سفید پڑ گیا ہو! وانگ اور اس طرح سہم کر کھڑے ہو گئے تھے، جیسے انہوں نے اپنی موت سامنے دیکھ لی ہو۔

اکٹر سلمان دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

فعتاً کرنل نے چیخ کر کہا۔ "وانگ تیہ چن یہ بچ کر جانے نہ پائے۔"

سلمان نے قہقہہ لگایا اور مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "تیہ چن اور وانگ تمہاری نمک حرام نہیں ہیں۔"

"وانگ! میں کیا کہہ رہا ہوں۔" کرنل جھلا کر بولا۔ مگر ان دونوں چینیوں نے اپنی جگہ سے بھی نہ کی۔

"ہونہہ! بس۔" ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا "تم صرف ایک ننھے منھے سے سراغ رساں کو رکے یہ سمجھے تھے کہ شائد آج کی رات بھی ٹل جائے گی۔ آج کی رات تو اس صورت میں ٹلتی اگر تم شہر کے سارے حکام کو جمع کر لیتے۔"

اب تو حمید کے کان کھڑے ہوئے اور وہ بُری طرح بوکھلا گیا۔

"وانگ اور تیہ چن.... تم نے دھوکا دیا۔" کرنل بڑبڑایا۔

"نمک حرامی اچھی چیز نہیں.... تمہیں پہلے ہی سوچنا چاہیئے تھا کہ دوسرے بھی تمہیں ے سکتے ہیں۔"

"تم کامیاب نہیں ہو سکو گے۔" کرنل غرایا۔

"ابھی اور اسی وقت۔" سلمان نے ہنس کر کہا۔ "آج مجھے اپنے ہاتھ خون سے بھرنے پڑیں ر یہ بیچارہ جاسوس تو مفت میں مارا جائے گا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

"مطلب یہ کہ میں تمہیں مار ڈالوں گا۔"

حمید کو ہنسی آ گئی! اُسے یقین ہو گیا تھا کہ شائد اس پر پھر پاگل پن کا دورہ پڑا ہے۔

اس نے سوچا کہ اسے چھیڑنا چاہئے۔ اُسے اس بات کا بھی دھیان نہ رہا کہ ابھی ابھی سا کو دیکھ کر کرنل کے چہرے پر موت کی سی سفیدی چھا گئی تھی۔

"آپ کبھی جنوبی امریکہ گئے ہیں۔" حمید نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میری عمر ہی جنوبی امریکہ میں گذری ہے۔" سلمان نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور یقین کہ میرے اس اعتراف کا تذکرہ کرنے کے لئے تم زندہ نہیں رہو گے۔"

پھر اس نے وانگ اور تیہ چن کو مخاطب کر کے کہا۔ "اس کے ہاتھ اور پیر اپنی ٹائیوں سے جکڑ دونوں نے اپنی ٹائیاں کھولیں اور حمید مرنے مارنے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن دوسرے ہی میں ڈاکٹر سلمان کے ہاتھ میں اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور نظر آ رہا تھا۔

"لڑکے!" اس نے کہا۔ "موت کسی کنواری دوشیزہ کا نام نہیں اور کرنل داراب تم بھی جگہ سے جنبش نہیں کرو گے۔"

حمید کے ہاتھ اس کی پشت پر جکڑ دیئے گئے۔ پھر ان دونوں چینیوں نے اُسے فرش پر گر اس کے پیر بھی باندھ دیئے۔

"ہاں تو اب تم کیا کہتے ہو۔" سلمان نے کرنل کو مخاطب کیا۔ "ان آخری دو آدمیوں کا بھی تم نے دیکھ لیا جن پر تمہیں اعتماد تھا۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ پچھلے واقعات ایک ایک کر اس کی نظروں میں پھرنے لگے۔ لیکن موجودہ حالت ان سے بالکل مختلف تھی۔ سلمان کو وہ بے ضرر آدمی سمجھتا تھا اور بڑی حد تک قابل رحم بھی۔ لیکن یہاں تو بساط ہی الٹ گئی تھی۔

کرنل داراب خاموش تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پھانسی کے تختے کے قریب پہنچا دیا گیا!

"تم خاموش کیوں ہو۔" سلمان پھر بولا۔ "تم نے اپنے سارے حربے آزما لئے۔ ڈاکٹر سا کو پولیس کی نظروں میں پُر اسرار بنانے کی کوشش کی۔ تم نے ڈاکٹر سلمان کو پولیس آفیسر وں سامنے مار ڈالنے کی اسکیم بنائی۔ لیکن تمہاری ہی بلی نے تمہارا راستہ کاٹ دیا۔ تمہیں اپنے آد پر اعتماد تھا انہوں نے بھی تمہارا ساتھ چھوڑ دیا۔ اب تمہاری خاموشی فضول ہے۔"

کرنل داراب تھوک نگل کر رہ گیا۔

"بولو۔" ڈاکٹر سلمان جھنجھلا کر بولا۔ "ورنہ آخری مرحلہ تمہاری موت پر ختم ہو گا۔"

"بکواس ہے۔" کرنل نے چیخ کر کہا۔ "میری ہڈیوں میں بھی پانی نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں کہ اُن میں انناس کا شربت ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا اس لئے قبر کا ریفریجریٹر تمہارے لئے زیادہ موزوں رہے گا۔"

"میں تم تینوں کی گردنیں توڑ سکتا ہوں۔" کرنل اٹھتا ہوا بولا۔

"اس ریوالور میں سائیلنسر لگا ہوا ہے۔" سلمان نے مسکرا کر کہا۔ "قطعی آواز نہیں ہو گی اور تمہارا دم اتنی ہی آسانی سے نکل جائے گا جتنی آسانی سے ٹوسٹ پر مکھن لگایا جا سکتا ہے۔"

"سلمان مجھے غصہ نہ دلاؤ۔" دفعتاً کرنل کے نتھنے پھول گئے اور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم غصے میں بلیوں کی طرح خر خر کرنے لگتے ہو۔"

"تم چیانگ کے قاتل ہو۔" کرنل نے کہا۔ "میں تمہیں گرفتار کرا سکتا ہوں۔"

"تو تم اس سے کب پاک ہو۔" ڈاکٹر سلمان ہنس کر بولا۔ "تمہارا ہاتھ ہوٹل ڈی فرانس والے حادثے میں تھا لیکن میں نے کبھی اُسے کوئی اہمیت نہیں دی۔"

حمید ان کی اس عجیب و غریب گفتگو کو اتنی دلچسپی سے سن رہا تھا کہ اسے اپنی موجودہ حالت کا بھی احساس نہیں رہ گیا تھا۔ وانگ اور تیہ چن سر جھکائے کھڑے تھے۔

"سلمان میں سچ کہتا ہوں کہ تم یہاں سے زندہ بچ کر نہ جا سکو گے۔" کرنل بولا۔

"کیا ابھی تمہاری بساط پر کوئی مہرہ باقی رہ گیا ہے۔" سلمان نے کہا۔

"اس گھر کا ہر ستون ایک آدمی ہے۔" کرنل بولا۔

"اوہ.....!" ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا۔ "میں جانتا ہوں کہ یہاں مختلف جگہوں پر ڈائنامائٹ لگے ہوئے ہیں اور تم جب چاہو اس عمارت کے پرخچے اڑا سکتے ہو۔ شائد تمہاری اس میز میں بھی ان کا سوئچ ہو گا مگر میرے بیٹے تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ ڈاکٹر سلمان نے ان کی مین لائن پہلے ہی کاٹ دی ہے۔"

"او ڈاکٹر کے بچے۔" حمید نے پڑے پڑے ہانک لگائی۔ "میں بہت بُرا آدمی ہوں۔"

"خاموش رہو۔" کرنل اس پر الٹ پڑا۔

حمید پھر بوکھلا گیا۔

"تو میں تمہیں خاموش ہی کردوں۔" ڈاکٹر سلمان بڑبڑایا۔ پھر اس نے وانگ سے کہا۔ "اس کا گلا گھونٹ دو۔"

حمید نے بے بسوں کی طرح مچلنا شروع کردیا۔ وہ دل ہی دل میں اپنے اس غلط رجحا(ن) گالیاں دینے لگا جس کی بدولت اُسے یہاں رکنا پڑا تھا۔ حالانکہ اس کی دانست میں حالات م(عنی) خیز تھے لیکن پھر بھی وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک نہیں دو پاگلوں کے چنگل میں پڑ گیا ہے۔

وانگ اس پر جھک پڑا تھا اور گلا دبانے کے لئے اُسے چت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کرنل تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ "بہتر ہے کہ راہ پر آجاؤ۔"

"میں تم تینوں کے لئے تنہا کافی ہوں۔" کرنل غرایا۔

"تیہ چن۔" ڈاکٹر سلمان نے آہستہ سے کہا۔ "کرنل داراب کو سمجھا دو۔"

"ابے او سلمان کے بچے! تیری شامت آئی ہے۔" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخا۔ اس (کی) گردن وانگ کی گرفت میں آگئی تھی۔ قریب تھا کہ اس کا دم گھٹ جائے کہ اچانک ایک روشندان سے ڈاکٹر سلمان پر کود پڑا۔ دونوں ایک زوردار دھماکے کے ساتھ فرش پر گر(ے)۔ وانگ اچھل کر الگ ہٹ گیا۔

ڈاکٹر سلمان کا ریوالور حمید کے قریب آگرا تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ اس کی پشت پر بند(ھے) ہوئے تھے۔ حمید دونوں پیر میز کے پائے پر ٹیک کر آگے کھسک آیا۔

اس طرح ریوالور اس کے نیچے دب گیا۔

کمرے کے دوسرے لوگ ڈاکٹر سلمان سمیت روشندان سے کودنے والے کی طرف ہوگئے تھے۔

"تم.....!" ڈاکٹر سلمان غرایا۔ "یہ کیا حرکت۔"

"جناب والا کسی نے مجھے اوپر سے پھینک دیا۔" کودنے والے نے کہا۔

"کیا...؟" ڈاکٹر سلمان نے چونک کر کہا۔

کرنل داراب نے قہقہہ لگایا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اب سلمان کے ہاتھ میں ریوالور نہیں۔

"تم نے کون سی مین لائن کاٹی تھی ڈاکٹر۔" اس نے مضحکانہ انداز میں کہا۔ "مین لائن ت(و)

(ر)ہی ہے ورنہ اُسے یہ نہ معلوم ہوتا کہ کسی نے اُسے نیچے پھینک دیا جس رات تم پر بلی کودی تھی (ا)س کے بعد سے میں نے عمارت کے سارے روشندانوں کا بھی انتظام کرلیا تھا۔ ان کے سامنے پھیلے ہوئے تاروں میں ہر وقت کرنٹ رہتا ہے۔"

"کرنٹ....!" کودنے والے نے کہا۔ "یہ غلط ہے۔ مجھے الیکٹرک شاک نہیں لگا تھا۔ کسی نے نیچے پھینکا تھا۔"

ڈاکٹر سلمان روشندان کی طرف دیکھنے لگا۔

اچانک کرنل داراب اس پر ٹوٹ پڑا اور وہ سب آپس میں گڈ مڈ ہوگئے۔ اسی دوران میں کسی (ط)رح حمید کے ہاتھ کھل گئے۔ کرنل داراب پر وانگ اور اس کے دوسرے ساتھی نے یورش (ک)ی تھی اور ڈاکٹر سلمان الگ کھڑا آہستہ آہستہ تیہ چن کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ حمید سوچنے لگا (ک)ہ دو دشمنوں کی لڑائی کے دوران میں اُسے دخل نہ دینا چاہئے بلکہ ان میں سے ایک کے خاتمہ کا (انت)ظار کرنا ہی زیادہ مناسب رہے گا۔ ریوالور تو اس کے ہاتھ آہی چکا تھا۔ وہ دیوار کی طرف کھسک گیا اور اپنے دونوں ہاتھ پشت پر لے جاکر وہ بالکل ویسا ہی بن گیا جیسے پہلے تھا لیکن اس کے دونوں ہاتھ اب آزاد تھے اور ان میں سے ایک میں ریوالور تھا اور چہرہ میز کے نیچے تھا۔

اس نے تیہ چن کو باہر جاتے دیکھا اس دوران میں وانگ اور سلمان کے ساتھی نے کرنل داراب کو بے قابو کرلیا تھا۔

"اسے کرسی سے باندھ دو۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"دیکھتے ہی دیکھتے کرنل کو ایک کرسی سے باندھ دیا گیا۔ اتنے میں تیہ چن بھی واپس آگیا۔"

"سب ٹھیک ہے۔" اس نے ڈاکٹر سلمان کو مخاطب کرکے کہا۔ "لوگ اپنی اپنی جگہوں پر موجود ہیں۔ ساتھیوں نے اس جاسوس کو پکڑ لیا ہے جس نے گومس کو روشندان سے پھینکا تھا۔"

حمید کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ فریدی نہ رہا ہو۔

بہرحال وہ اپنے موقعے کا انتظار کرنے لگا اور یہ بھی تو دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر ڈاکٹر سلمان اور کرنل داراب کا معاملہ کیا ہے۔

"کیا وہ تنہا ہی تھا۔" سلمان نے تیہ چن سے پوچھا۔

"ہاں وہ اکیلا ہی تھا۔"

"اچھا ان سے کہو کہ وہ اسے ٹھکانے لگادیں۔" ڈاکٹر سلمان نے اس قدر آہستگی سے حمید نہ سن سکا ورنہ شائد وہ اسی وقت ہنگامہ برپا کردیتا۔ تیہ چن پھر باہر چلا گیا۔

ڈاکٹر سلمان نے کچھ کاغذات اپنی جیب سے نکالے اور فاؤنٹین پن نکالتا ہوا بولا۔

"چلو ان پر اپنے دستخط کردو۔"

"کیا ہے؟" کرنل اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"تمہاری زندگی کا ضمانت نامہ۔ اس پر دستخط کرنے کے بعد تمہاری زندگی محفوظ ہو گی۔ ورنہ موت ہر حال میں لازمی ہے۔ ان میں سے ایک میں تم اس بات کا اعتراف کرو گے کہ تم نے آج سے تین سال قبل مانا اُوز میں ڈاکٹر سلمان کے لڑکے راشد کو قتل کرادیا تھا۔"

"یہ جھوٹ ہے۔ صریحاً جھوٹ ہے۔" کرنل چیخا۔

"کچھ بھی ہو تمہیں اس پر دستخط کرنے پڑیں گے۔"

"میں فضول بکواس سننا پسند نہیں کرتا۔" کرنل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں صرف خاص مطالبہ پورا کرسکتا ہوں۔"

"اور اس کے بعد پولیس کو بھی مطلع کرسکتے ہو۔" سلمان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یاد رکھو اب ہمارا خاص مطالبہ تو ہر حال میں پورا ہوگا۔ لیکن ان تین کاغذات پر د کرنے کی صورت میں تم مار دیئے جاؤ گے۔"

"تین کاغذات۔"

"ہاں ایک کے متعلق تو تم ابھی سن ہی چکے ہو۔ دوسرا اعتراف .... تم نے ایک ایسے کو ہوٹل ڈی فرانس میں قتل کرادیا تھا جو زرینہ کو ڈاکٹر سلمان کے پاگل پن کا راز بتانے جارہا

کرنل داراب کچھ نہ بولا۔

"تیسرا اعتراف۔" ڈاکٹر سلمان کاغذات پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔ "تمہیں معلوم تھا ک ریستوران کا مالک چیانگ بھی راشد کے قتل کے راز سے واقف تھا۔ اس لئے تم نے اس کے کمرے میں لگے ہوئے آٹومیٹک الیکٹرک ریوالور کا سوئچ آن کرادیا تھا۔ نتیجے کے طور پر نہ چیانگ بلکہ ایک کانسٹیبل کا بھی خاتمہ ہوگیا۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" کرنل تھوک نگل کر ہکلایا۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ جھوٹ ہے۔" سلمان نے کہا۔ "لیکن تمہاری زندگی کی ضمانت! تم اس ان کی بناء پر پولیس کو ہمارے خلاف اکسا نہ سکو گے اور نتیجے کے طور پر تمہیں زندہ رہنا پڑے تمہیں زندہ رکھنے میں مصلحت یہ ہے کہ معاملات زیادہ آگے نہ بڑھیں گے ہاں شاباش چلو ی سے دستخط کردو! تم کافی سمجھدار آدمی ہو۔"

ڈاکٹر سلمان نے کاغذات اور قلم اس کی طرف بڑھا دیئے۔ کرنل داراب چند لمحے کچھ سوچتا ر اس نے دستخط کردیئے۔

"شکریہ۔" ڈاکٹر سلمان کاغذات کو تہہ کرکے جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "اب تم قطعی آزاد ہمارے جانے کے بعد تمہارے گھر ہی کا کوئی فرد تمہیں کھول دے گا۔ فی الحال وہ سب بیہوش ہیں۔ میں آئندہ بھی تم سے اچھے تعلقات رکھوں گا۔ لیکن ہاں۔"

ڈاکٹر سلمان رک کر ہنسنے لگا پھر بولا۔ "جنوبی افریقہ کا نام کبھی نہ لینا ورنہ ہو سکتا ہے کہ میں یں پتھر ماردوں۔"

کچھ دیر تک سناٹا رہا پھر ڈاکٹر سلمان بولا۔ "وانگ اس جاسوس کی لاش کو ٹھکانے لگانا ہے۔"

اشارہ حمید کی طرف تھا۔ وانگ اس وقت اس کا گلا چھوڑ کر ہٹا تھا جب ڈاکٹر سلمان کا ایک می اچانک روشندان سے کود پڑا تھا۔ اس وقت سے اب تک وانگ بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ حمید کام تمام کرچکا ہے۔

وانگ حمید کی طرف بڑھا اور حمید نے لیٹے ہی لیٹے میز کے نیچے سے اس کے پیر پر فائر ردیا۔ ریوالور میں سچ مچ سائیلنسر لگا ہوا تھا اس لئے آواز نہ ہوئی اور وانگ چیخ مار کر الٹ گیا۔ سب گ اس کی طرف متوجہ ہوگئے اور اتنی دیر میں حمید نے اپنے پیر سمیٹ کر انہیں کھول لیا۔

"اس شہر میں آج تک کوئی بڑا مجرم کامیاب نہیں ہوا۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔ یہ انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید کی مملکت ہے! کیا سمجھے! جنوبی امریکہ۔"

ڈاکٹر سلمان حیرت سے منہ پھاڑے اُسے گھورتا رہا۔ وانگ زمین پر پڑا کراہتے کراہتے رک گیا تھا۔ تیہ چن سلمان کا ساتھی اور کرنل داراب سکوت میں تھے۔

"جنوبی امریکہ۔" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "بیٹا سلمان جنوبی امریکہ! تم سب قاتل ہو۔ اب میں

اپنی حفاظت کے خیال سے تم سب کو یہیں مار ڈالوں گا۔"

آخری بازی

وانگ زمین پر پڑا کراہ رہا تھا۔ تیہ چن اور سلمان اور اس کا ساتھی دم بخود تھے۔ مگر کرنل کے چہرے پر اچانک زندگی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"لیکن تمہیں مار ڈالنے سے پہلے۔" حمید نے کہا۔ "میں یہ جاننا چاہوں گا کہ یک بیک تمہار یادداشت کیسے واپس آ گئی۔"

"چلو خیر تمہیں یہ تو یاد آیا۔" ڈاکٹر سلمان بچوں کی طرح چہک کر بولا۔ "میں اس سوچ میں پڑ گیا تھا کہ تمہیں اس حالت میں یقین کس طرح دلاؤں گا اور یہ سب تو مجھے مجبوراً کرنا پڑا ہے اگر یہ نہ کرتا تو کرنل کبھی اپنے جرائم کا اعتراف نہ کرتا۔ اس نے میرے بیٹے کا خون چھپانے کے لئے دو قتل اور کیے ہیں۔"

"یہ جھوٹ ہے! سفید جھوٹ ہے۔" کرنل چیخا۔

"خاموش رہو کرنل۔" حمید نے اُسے ڈانٹ دیا۔ پھر اس نے ڈاکٹر سلمان سے پوچھا۔ "ا وہ مطالبہ.... اُن تین اعترافات کے علاوہ تم نے اور کس چیز پر دستخط لئے ہیں۔"

"میں اپنا پلان اطمینان سے بتاؤں گا۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ "اگر میں یہ طریقے اختیار کرتا تو کرنل کبھی میری تین کروڑ روپے کی رقم میرے نام دوبارہ منتقل نہ کرتا۔ میں انسپکٹر فرید کے سامنے تفصیل سے یہ سارے واقعات رکھوں گا اور میرا دعویٰ ہے کہ وہ اچھل پڑیں گے آپ جانتے ہیں! اُس دعوت والی رات کو میرے مار ڈالنے کی سازش کی گئی تھی۔ میرے سامنے رکھی ہوئی پلیٹ زہر میں ڈبوئی گئی تھی۔ لیکن میرے ایک ہمدرد نے بروقت امداد کی۔ اگر میں مر جاتا تو یہی کہا جاتا کہ وہ زہر دراصل کرنل ہی کے لئے تھا کیونکہ نامعلوم قاتل کا پہلا حملہ ناکام تھا اور وہ حملہ خود کرنل ہی نے اپنے اوپر کیا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ ہی سے اپنے شانے میں چھرا اتار دی تھی۔ بہر حال مجھے زہر دلوا دینے کے بعد بھی وہ محفوظ رہتا۔ بھلا شہر کے حکام جن میں وہ اتنا ہر دلعزیز ہے کیسے اس بات پر یقین کر لیتے کہ کرنل جیسا شریف آدمی کسی کو زہر بھی دے سکتا

قصہ کو تاہ.... میری خواہش ہے کہ آپ ابھی اسی وقت یہ کاغذات دیکھ لیجئے۔ ممکن ہے قانونی خامی رہ گئی ہو۔"

ڈاکٹر سلمان نے آگے بڑھ کر کاغذات حمید کی طرف بڑھا دیئے۔ حمید نے بائیں ہاتھ سے ابھی پکڑے ہی تھے کہ داہنے ہاتھ سے ریوالور نکل گیا۔ پہلے تو اس کے نچلے جبڑے پر قیامت ٹوٹی پھر اس کا سر پشت کی دیوار سے ٹکرا گیا۔

"شاباش....!" ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا۔ "یہ فریدی اور حمید کی مملکت ہے۔"

ڈاکٹر سلمان کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور حمید چاروں خانے چت پڑا اُسے گھور رہا تھا۔

"تیہ چن۔" ڈاکٹر سلمان کسی درندے کی طرح غرایا۔ "اس کا گلا گھونٹ دو۔"

"گلا گھونٹنے کی کیا ضرورت ہے۔" تیہ چن آگے بڑھ کر انگریزی میں ہکلایا۔ "لائیے ریوالور دیجئے۔" اس نے سلمان کے ہاتھ سے ریوالور لے لیا۔ پھر اُس نے زمین پر پڑے ہوئے کاغذات اٹھا کر سلمان کے حوالے کئے اور ریوالور جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ "نہیں گلا ہی گھونٹنا زیادہ اچھا رہے گا۔"

اس نے اپنی دونوں آستینیں چڑھائیں اور پھر اچانک پلٹ کر سلمان کی گردن پکڑ لی۔

"ارے! ارے۔" ڈاکٹر سلمان حیرت زدہ آواز میں بولا۔

"ہائیں یہ کیا۔" سلمان کا ساتھی چیخا۔ وانگ نے حرکت بھی نہ کی کیونکہ وہ بیہوش پڑا تھا۔

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

سلمان تیہ چن کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن گرفت مضبوط تھی۔

"زندہ باد تیہ چن۔" کرنل داراب چیخا۔ "شاباش! تم میرے بیٹے ہو۔ اس موذی کو ختم کر دو۔"

"کھڑا کیا دیکھتا ہے گومس کے بچے۔" سلمان نے اپنے ساتھی کو للکارا۔

وہ جھپٹا لیکن تیہ چن غافل نہیں تھا۔ گومس اس کے قریب پہنچنے بھی نہیں پایا تھا کہ اس کی لات چل گئی اور گومس منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔

"شاباش....!" کرنل چیخا۔ وہ رسی کے بلوں سے آزاد ہونے کی انتہائی کوشش کر رہا تھا لیکن کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔

"سرجنٹ۔" کرنل داراب نے حمید کو مخاطب کیا۔ "تم بھی تیہ چن کی مدد کرو۔ اسی میں ہم

سب کی نجات ہے۔ میں تمہاری غلط فہمیاں دور کردوں گا۔ تم نہیں جانتے کہ ڈاکٹر سلمان کون ہے
اس پر بھی حمید کی کھوپڑی پر برف جمی رہی۔ بات خاک بھی سمجھ میں نہ آئی اور وہ احمقوں
طرح سلمان کے ساتھی پر ٹوٹ پڑا۔ جو قریب قریب فرش سے اٹھ ہی چکا تھا۔

"ٹھیک ہے! بالکل ٹھیک ہے۔" کرنل بڑبڑایا۔ "تم بھی تیہ چن کی طرح سمجھدار ہو۔ ما
تمہاری بڑی تعریفیں کرتی ہے۔ کاش اس وقت وہ تمہیں جنگ کرتے دیکھتی۔"

حمید اس وقت سو فیصدی اُلو ہو رہا تھا۔ ویسے ہی اس کے سر میں یہ بات سما گئی تھی کہ اس
اس وقت پالا مار لیا تو فریدی عرصے تک شرمندہ رہے گا اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے
ایک حسین لڑکی کا باپ اس حسین لڑکی کا حوالہ دے کر اس کا دل بڑھا رہا تھا۔ بہر حال حمید
جوش میں آ کر گومس کی اچھی خاصی مرمت کردی اور اسی دوران میں اس کا سر کئی بار دیوار
ٹکرا دیا اور پھر وہ بھی وانگ کے برابر ہی لمبا لمبا لیٹ گیا۔ اس سے فرصت پا کر حمید تیہ چن ا
سلمان کی کشتی دیکھنے لگا۔ پستہ قد ڈاکٹر سلمان بڑا پھرتیلا تھا۔ وہ بار بار کسی لیسدار مچھلی کی طرح
چن کی گرفت سے پھسل جاتا تھا۔

"اب سرجنٹ تم مجھے کھول دو۔" کرنل نے حمید سے کہا۔

حمید جھومتا ہوا اس کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ تیہ چن نے انگریزی میں کہا۔

"سرجنٹ وہ دونوں ٹائیاں اٹھا کر سلمان کے ہاتھ باندھ دو۔"

تیہ چن سلمان کو اوندھا گرا کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا تھا اور اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر
دیئے تھے۔ اچانک سلمان کسی غیر ملکی زبان میں زور سے چیخا۔ جس پر تیہ چن نے ہنس کر کہا
"میں اُن سب کو پہلے ہی ٹھکانے لگا چکا ہوں۔"

"واہ .... وا .... شاباش....!" کرنل نے قہقہہ لگایا۔ "تیہ چن میں تمہیں بہت بڑا آد
بنا دوں گا۔"

"جناب کا شکریہ۔" تیہ چن نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

اس دوران میں حمید نے ڈاکٹر سلمان کے ہاتھ باندھ دیئے تھے اور اب پیر باندھ رہا تھا۔

پھر تیہ چن نے ڈاکٹر سلمان کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور ایک کرسی پر ڈال دیا۔

"تیہ چن زندہ باد۔" کرنل نے نعرہ لگایا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "تیہ چن! سرجنٹ نے بہت

دی ہے اور یہ ہمارے پیشے سے بھی واقف ہو گئے ہیں لہٰذا انہیں بھی سنبھال لو۔"

حمید بوکھلا گیا۔ تیہ چن نے آگے بڑھ کر اُس کا گریبان پکڑ لیا۔ حمید کے لئے اب لپٹ جانے
کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ لیکن اُسے بڑی حیرت ہوئی جب تیہ چن نے اس کے
دونوں گال چوم کر اُس کا گریبان چھوڑ دیا۔

"ہم چینیوں میں رسم ہے۔" اس نے حمید سے کہا۔ "کہ مار ڈالنے سے پہلے ہم اپنے دشمن کا
منہ ضرور چومتے ہیں تاکہ وہ ہماری طرف سے کدورت لے کر قبر میں نہ جائے۔"

"تم بڑے پُر مذاق ہو تیچن!" کرنل ہنس پڑا۔

"اور سنو میرے دوست۔" تیہ چن نے حمید سے اردو میں کہا۔ "اس شہر میں صرف دو
بے وقوف رہتے ہیں، ایک انسپکٹر فریدی اور دوسرا سرجنٹ حمید۔"

"ارے تم اردو بھی بول سکتے ہو تیہ چن۔" کرنل نے حیرت سے کہا۔

"ہاں کرنل۔" تیہ چن نے اردو ہی میں کہا۔ "میں دنیا کی پچیس زبانوں پر قدرت رکھتا ہوں۔"

"تم کسی اہل زبان کی طرح اردو بول لیتے ہو۔"

"ہاں کرنل۔"

حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے تیہ چن کو دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ اب یہ تیہ چن کی آواز نہیں تھی۔

"اور تم اردو بولنے میں ہکلاتے بھی نہیں ہو۔" کرنل نے کہا۔ "حالانکہ اپنی مادری زبان
بولنے میں بھی ہکلاتے ہو۔"

"کرنل....!" حمید تیزی سے کرنل کی طرف مڑ کر بولا۔ "یہ تیہ چن نہیں بلکہ تمہاری اور
سلمان کی موت ہے۔"

"کیا....؟" کرنل اور سلمان کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

"ہاں کرنل سرجنٹ حمید ٹھیک کہہ رہا ہے۔" تیہ چن نے اردو ہی میں کہا۔ "اس نے پہلے
بھی ایک سچی بات کہی تھی کہ یہ انسپکٹر فریدی اور حمید کی مملکت ہے۔"

"تم.... تم....!" ڈاکٹر سلمان ہکلا کر رہ گیا۔

"ہاں میں انسپکٹر فریدی ہوں۔ تیہ چن بیچارا تو کل رات سے میری قید میں ہے لیکن کہو کبھی
ایسا میک اپ دیکھا تھا۔"

فریدی خاموش ہو گیا اور کمرہ قبرستان معلوم ہونے لگا۔
"یہ کیا لغویت ہے۔" تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر سلمان غصیلی آواز میں بولا۔ "تم نے ہ
دونوں کو کیوں باندھ رکھا ہے۔ میں تم پر مقدمہ قائم کر دوں گا۔"
"دھیرج! میرے عقلمند ترین انسان۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس وقت تمہارا ایک
بھی آزاد نہ ہوگا۔ تمہارے وہ پندرہ آدمی بھی حوالات میں ہوں گے، جنہیں تم نے اس عا
کے گرد پھیلا دیا تھا اور تمہارے ساتھی گومس کو میرے ہی ایک آدمی نے تم پر پھینکا تھا۔
شاید یہ نہیں معلوم کہ میں چھ دن سے تمہارے پیچھے لگا رہا ہوں۔"
"بکواس ہے! مجھے کھول دو ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ تم اگر فریدی ہو تو نہ جانے کیوں میرے
پڑ گئے ہو۔ تم نے میری چڑھ نکالی۔ لوگ جنوبی امریکہ کا نام لے کر مجھے چڑھاتے ہیں۔"
"اُف فوہ۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "تو کیا اتنے اعترافات کے بعد بھی تم اپنے پاگل پن کی آڑ لو گے
"بالکل....!" سلمان ہنس کر بولا۔ "تم دونوں کے علاوہ اور کون جانتا ہے.... عدالت
بھی جانبدار شہادت کو قابل اعتماد نہیں سمجھتی اور کرنل بھی شائد میرا ہی ساتھ دیں۔"
"بالکل! ہم دونوں ایک ہی ناؤ پر سوار ہیں۔" کرنل نے کہا۔
"مگر وہ اعترافات جو تمہاری جیب میں موجود ہیں۔" فریدی بولا۔
"اوہ....!" سلمان ہنس پڑا۔ "کرنل بڑی صفائی سے کہہ سکتے ہیں کہ انسپکٹر فریدی نے میری
پر پستول کی نال رکھ کر ان اعترافات پر دستخط کرائے تھے تاکہ مجھ سے اپنی پرانی دشمنی نکال سکیں۔"
"ڈاکٹر سلمان۔" فریدی بگڑ کر بولا۔ "کیا چیانگ کے قتل میں تمہارا ہاتھ نہیں تھا۔
نے اسے اس لئے نہیں مروا ڈالا کہ وہ تم سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ تم بھی منشی
کے ناجائز لین دین کرنے والے ایک گروہ کے سرگرم کارکن ہو۔ وہ گروہ جو بین الاقوامی گروہ
جاسکتا ہے۔ ماناؤز کی برٹش ربر سپلائی کمپنی جس کا ہیڈ آفس ماناؤز ہے۔ کیا کرنل داراب بھی
کی ایک شاخ کا انچارج نہیں ہے۔ وہ شاخ جو یہاں کام کر رہی ہے۔ کیا تم نے اپنے بیٹے کی موت
اپنی یاد داشت کھو بیٹھنے کا بہانہ نہیں بنایا تھا۔"
"تم بہت کچھ جانتے ہو۔" ڈاکٹر سلمان مسکرا کر بولا۔ "لیکن سب بیکار ہے تم کسی بات
ثبوت بہم نہ پہنچا سکو گے۔ کیا فائدہ.... مجھ سے ایک کروڑ روپیہ لو اور مزے کرو۔ تم ایک نوا

ڑکے ہو لہٰذا تمہیں نوابوں ہی کی شان سے رہنا چاہئے۔"
"میں رشوت لئے بغیر بھی نوابوں کی طرح رہ سکتا ہوں.... شکریہ۔" فریدی نے خشک
میں کہا۔ "اور کرنل داراب تم! تم پر بھی خون ہے۔ ہوٹل ڈی فرانس والے حادثے میں مارا
نے والا تمہارا منتظر ہے۔"
داراب کچھ نہ بولا لیکن ڈاکٹر سلمان نے پُر تشویش لہجے میں پوچھا۔ "تم میرے متعلق اور کیا
نتے ہو۔"
"سب کچھ جانتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کرنل یہاں کی شاخ کا انچارج تھا۔ اس نے
ناجائز تجارت کا تین کروڑ روپیہ مار کر اپنے نام سے بینک میں جمع کرا دیا۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ
نے یہاں کی شاخ کو بالکل ہی الگ کر لیا اور خود ہی پورے کاروبار کا مالک بن بیٹھا گروہ والوں
جھے بڑھا دیئے اس لئے وہ بھی اس کی مٹھی میں آ گئے۔ اب ضرورت اس بات کی ہوئی کہ ہیڈ
ں کسی کو اس کی سرکوبی کے لئے بھیجے۔ اس کی نظر انتخاب تم پر ہی پڑی، مگر دشواری یہ تھی کہ
ہاں کے حقوق شہریت لے چکے تھے اس لئے اگر تم یہاں آتے بھی تو ایک معینہ مدت تک کے
اور یہ ضروری نہیں تھا کہ تم اس معینہ مدت میں کامیابی حاصل ہی کر لیتے۔ لہٰذا دوسری چال
گئی۔ تمہارے ہیڈ آفس نے وہاں کے حکام کو بھاری رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ
ارے شہری حقوق سلب کر لئے جائیں اور تمہیں پاگل قرار دے کر پھر تمہیں تمہارے شہر میں
بکوا دیا جائے، چنانچہ یہی ہوا لیکن تم پورے پاگل نہیں بنے۔ اگر پورے پاگل بنتے تو تمہیں ہماری
مت پاگل خانے میں بھجوا دیتی اور ظاہر ہے کہ پھر وہ کام نہ ہو سکتا جس کے لئے تم یہاں بھیجے
ے تھے۔ لہٰذا تم اپنی یاد داشت کھو بیٹھے اور وہ بھی محض جنوبی امریکہ کے سلسلے میں۔ پلان ذہانت
ے بھرپور تھا۔ تم نے وہ طریقے اختیار کئے جس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ تمہارے بیٹے کی اچانک
ات کی وجہ سے یہ ذہنی تبدیلی ہوئی ہے۔ اس طرح تم ماہر نفسیات کے لئے ایک کلاسیکل قسم
ے کیس بن گئے۔ ایک طرف ماہر نفسیات تم میں دلچسپی لیتے رہے اور دوسری طرف تم اپنا کام
رتے رہے۔ کرنل داراب تمہاری آمد کے مقصد سے واقف تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تم اچھے
امے ہو۔ بیٹے کی موت نے تم پر کبھی کوئی برا اثر نہیں ڈالا تھا، لہٰذا اس نے کوشش کی کہ تمہیں
لیس کی نظروں میں اور زیادہ پُر اسرار بنا دے اور پولیس تمہارے پیچھے لگ جائے اور نتیجے کے طور

پر تمہیں یہاں سے بھاگنا پڑے۔ اس مقصد کے لئے وانگ نے ایک بیروزگار آدمی کو پھانسا
زرینہ دکھائی گئی۔ وانگ نے اُسے ایک پیکٹ دیا اور سمجھادیا کہ وہ زرینہ سے ملے اور اس سے
کہ وہ اُسے ڈاکٹر سلمان کے متعلق ایک راز کی بات بتانا چاہتا تھا۔ ہوٹل ڈی فرانس اس کا
لئے تجویز کیا گیا۔ اس پیکٹ میں ایک ٹائم بم تھا لیکن اس آدمی سے کہا گیا کہ اس میں گھڑی
وہ گھڑی آٹھ بج کر پانچ منٹ پر زرینہ کو دی جائے گی، لیکن اس بم کے پھٹنے کا وقت ساڑھے
بجے تھا۔ وہ غریب آٹھ بج کر پانچ منٹ ہونے کے انتظار میں اسے جیب ہی میں ڈالے
بہر حال وہ ساڑھے سات بجے اس کی جیب میں پھٹ گیا۔ اس غریب کو جتنا بتایا گیا وہ اتنا ہی
سکا۔ ٹائم بم اس کی جیب میں تھا۔ اس لئے زرینہ صرف زخمی ہوگئی۔ مقصد بھی یہی تھا کہ
زندہ رہے اور اس کے متعلق پولیس کو بیان دے۔ یہ تو ہوئی کرنل داراب کی حرکت اور ا
اپنی حرکتیں سنو۔ تم بھی اس فکر میں تھے کہ پولیس کو کرنل پر کسی قسم کا شبہ ہو جائے اور اس
لئے تم نے مجھے اور حمید کو منتخب کیا۔ اپنے لمبے بیوقوف کے ذریعہ ہم دونوں کو کمتالی کے
میں پھانسا اور اپنی ایک مشین کے ذریعے خاصے کرتب دکھائے۔ وہ مشین اس وقت
آدمیوں کے قبضے میں ہوگی، حالانکہ تم نے اُسے بہت چھپا کر رکھا۔ بہر حال صبح ہوش میں
کے بعد جب ہم لوگ جائے وقوع پر پہنچے تو ہمیں وہاں نادرہ کا ایک ہیئر کلپ ملا جس کا مط
تھا کہ اچھل کود مچانے والی نادرہ ہی تھی اور وہ جال کرنل نے پھیلایا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا
لوگ کرنل کے پیچھے لگ جائیں اور کرنل بوکھلا کر کاروبار ان تین کروڑ روپیوں سمیت تم
حوالے کردے۔ ویسے حقیقتاً تو دونوں کی کوشش یہی تھی کہ اصل معاملے کی خبر پولیس
ہونے پائے اور تم میں سے کسی ایک کا کام بن جائے۔ کیوں کرنل تم خاموش کیوں ہو گیا
کہہ رہا ہوں۔ ویسے تمہیں اس لئے شکست ہوئی کہ سلمان نے تمہارے آدمیوں کو توڑ لیا۔"
کرنل کچھ نہ بولا لیکن سلمان نے کہا۔ "میں آج تمہاری ذہانت کا قائل ہوں مگر میر
تم ہمارے خلاف کوئی ثبوت بہم نہ پہنچا سکو گے۔ میرے آدمی لوہے کے بنے ہیں وہ مر جائیں
لیکن اقبال نہ کریں گے۔"
"محض تمہارا ہی اعتراف کافی ہے ڈاکٹر۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔
اس دوران میں حمید نے گومس اور وانگ کو بھی باندھ لیا تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی

سلمان نے کہا۔ "میں تمہیں دو کروڑ دے سکتا ہوں۔"
"دو سو کروڑ پر بھی فریدی پیشاب کرتا ہوا نظر آئے گا اس لئے کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا
ن ہے! کیوں حمید۔"
"سچ ہے پیرو مرشد۔" حمید نے کہا پھر سلمان سے بولا۔ "ارے میاں تم مجھے صرف ایک
ٹی خریدنے کا وعدہ کرو تو میں تمہارا بیڑا پار کر سکتا ہوں۔"
"میرا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔" سلمان نے ایک ہذیانی قسم کا قہقہہ لگایا۔ "تم دونوں ابھی
ے ہو۔ تمہیں قانون کے سبق دے سکتا ہوں۔ تم میرے خلاف کوئی ثبوت مہیا نہ کر سکو گے۔"
"وہ تو بڑی دیر سے مہیا ہو رہا ہے۔" فریدی بولا۔ "یہ فریدی اور حمید کی مملکت ہے اس لئے
ں کبھی کوئی کام کچا نہیں ہوتا.... ادھر دیکھو۔"
فریدی نے میز پر رکھے ہوئے ریڈیو سیٹ پر سے کور اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک بڑا طاقتور
انسمیٹر ہے۔ اس کے ذریعہ میرے محکمے کے آپریشن روم میں ہماری گفتگو ریکارڈ کی جا رہی
گی۔ کرنل کو حیرت ہوگی کہ اس کا ریڈیو ٹرانسمیٹر میں کیسے تبدیل ہو گیا۔ بالکل اسی طرح جیسے
یڈی تیہ چن میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ میں چھ دن سے تمہارے ساتھ ہوں۔ ڈاکٹر سلمان! کبھی
نگ کی شکل میں رہا ہوں اور کبھی تیہ چن کی شکل میں، اس سے تم اندازہ لگا ہی سکتے ہو کہ میں کتنا
انتا ہوں اور یہ بھی بتا دوں کہ تم میری نظروں پر اس وقت چڑھے تھے جب ناصر نے تمہارے
یک ڈائریکٹر کا خط مجھے دکھایا تھا۔ وہ تمہاری ایک زبردست غلطی تھی.... دوسری دنیا میں ایسی
رکت نہ کرنا ورنہ وہاں بھی تمہیں پھانسی ہو جائے گی.... کیا سمجھے۔"
کرنل اور ڈاکٹر سلمان نے گردنیں ڈال دی تھیں۔ حمید انہیں چھیڑ رہا تھا۔ لیکن وہ خاموش
تھے۔ اندھیرا اچھٹ گیا تھا اور پو پھوٹ رہی تھی۔ لیکن ایسے وقت میں بھی کرنل کے کمرے کا سناٹا
مرگھٹ کے سناٹے کی طرح پر ہول تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 35

چیختے دریچے

(مکمل ناول)

پیش رس

"چیختے دریچے" ان شاہکار ناولوں میں سے ایک ہے جس کی مقبولیت کا راز اس کے عجیب و غریب کردار اور ان کی مضحکہ خیز خصوصیات ہیں۔ ڈاکٹر زیڈ، پروفیسر چنگھاڑنی اور پروفیسر ٹی۔ اے جھوس کے نام ہی ایسے ہیں، جو قہقہہ انگیز ہیں ان کی خصوصیات اور بھی حیرت انگیز ہیں۔ مثلاً ٹی۔ اے جھوس کو ایک اصیل مرغ کی تلاش ہے اور پروفیسر چنگھاڑنی ایک انڈے سے تین زردیاں پیدا کر چکا ہے۔ اسی طرح ایک ایسی لڑکی بھی ہے جو ٹماٹر سے چڑھتی ہے، جس کے لئے ایک انوکھا لفظ "بوں ٹر" ایک مصیبت بن گیا ہے۔

یہ تمام واقعات، جو بظاہر محض تفریحی نظر آتے ہیں، دراصل ایک دلکش اور سنسنی خیز کہانی کی کڑیاں ہیں اور جرائم کے ایسے پہلو سامنے آتے ہیں، جو چونکا دینے والے بھی ہیں اور قابل غور بھی! اس کہانی کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا تحیر اور اس کا مجرم ہے! مجرم کے سامنے آتے ہی قاری کے ذہن کو جھٹکا لگتا ہے اور پھر وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے اور ابتدا کی تفریحات کی نوعیت بالکل ہی سنجیدگی میں بدل جاتی ہے۔

پبلشر

لنگڑی کوٹھی

سرجنٹ حمید بہت زیادہ اداس تھا۔ اُداسی کی بات بھی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ قیام کسی ہوٹل میں ہوگا جہاں دلچسپیاں ہوں گی، لیکن جلال آباد پہنچ کر فریدی نے ایک ایسے ہوٹل قیام کیا جہاں دلچسپی تو الگ رہی کوئی چیز سلیقے کی نہیں تھی۔

فریدی کو اچانک جلال آباد آنے کی سوجھی تھی اور اس نے اپنے بینک سے کافی روپیہ آباد کے ایک بینک میں منتقل کرادیا تھا۔ اُس نے حمید کو اپنے اس سفر کی وجہ نہیں بتائی حقیقت تو یہ ہے کہ حمید نے پوچھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی تھی! وجہ بھی صاف تھی۔ تجربات کی بناء پر حمید کو یقین تھا کہ وہ پوچھنے پر بھی نہ بتائے گا لہٰذا مخواہ اپنی زبان کو تھکانا بہتر نہ معلوم ہوا۔

حمید اپنی زندگی کی یکسانیت سے عاجز آچکا تھا اس لئے اس نے سوچا کہ تھوڑی سی تبد غنیمت ہے! یہی کیا کم تھا کہ وہ اپنے شہر سے دور ایک دوسرے شہر کی فضا میں سانس لے ایسے شہر میں جہاں نہ اس کا آفس تھا اور نہ وہ میز تھی جس پر وہ دن بھر بیٹھ کر فائلوں میں سر کرتا تھا۔

پچھلی شام کو وہ جلال آباد پہنچے تھے اور آج صبح سے فریدی کسی کا منتظر تھا۔ اس بار حمید۔ تہیہ کرلیا تھا کہ وہ کسی بات میں بھی دخل نہ دے گا۔ اس کا اندازہ تو اُسے پہلے ہی ہو گیا فریدی کسی بہت ہی اہم کام کے سلسلے میں آیا ہے۔ حمید خود کو ہر بات سے قطعی بے تعلق کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ٹھیک نو بجے کسی نے ان کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ۔" فریدی نے کہا، جو ایک آرام کرسی پر پڑا آج کا اخبار دیکھ رہا تھا۔

"ایک خاتون....!" ویٹر نے اندر داخل ہو کر کہا۔

"آنے دو....!" فریدی نے اخبار رکھ کر سیدھے بیٹھتے ہوئے کہا۔

دوسرے لمحے میں حمید کے مرجھائے ہوئے چہرے پر تازگی دوڑ گئی کیونکہ اندر آنے والی نہ صرف جوان تھی بلکہ حسین بھی تھی۔

فریدی اُسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور حمید کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔

"اوہ آپ ہیں۔" عورت کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ لہجے میں ہلکی سی خوشی بھی شامل تھی۔

"بیٹھئے۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

حمید کو اس کا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا معلوم ہو رہا تھا لیکن یہ یاد نہیں آرہا تھا کہ اُس نے اُسے اور کب دیکھا تھا۔

"مجھے توقع تھی کہ ڈیڈی آپ ہی کو بھیجیں گے۔" عورت نے فریدی سے کہا اور پھر وہ حمید طرف دیکھنے لگی۔

"یہ سرجنٹ حمید ہیں۔" فریدی بولا۔

"اوہ.... اچھا.... مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ لوگ تشریف لائے۔ اب میں کافی مطمئن گئی ہوں۔"

حمید نے فریدی کی طرف گھور کر دیکھا اور پھر ہونٹ سکوڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ وہ رہا تھا کہ یہ کس قسم کا ڈیڈی ہو سکتا ہے جس نے فریدی جیسے سنگ خار کو اپنی بے بی کے پاس دیا اور فریدی صاحب دوڑتے چلے آئے۔

"جاوید صاحب کی ضمانت ہو گئی؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں! پرسوں رہا ہوئے ہیں اور ایک عجیب بات ہے۔ پرسوں وہ ذرہ برابر بھی فکر مند نظر آتے تھے، لیکن کل رات سے ان کی حالت ابتر ہے۔"

اس پر حمید نے عورت کو گھور کر دیکھا اور اُسے سو فیصدی یقین ہو گیا کہ جلال آباد بھی اس شامت ہی لے آئی ہے۔ حمید فطرتاً کام چور یا کاہل نہیں تھا لیکن فریدی کی طرح ہر وقت اپنے کام کا بھوت سوار کئے رکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

"حالت ابتر ہونے سے آپ کی کیا مراد ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"یعنی ایک طرف وہ یہی کہے جا رہے ہیں کہ میں بے گناہ ہوں اور دوسری طرف انہیں جانے کیوں اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ انہیں پھانسی ہو جائے گی۔ کل رات سے بہت ز پریشان ہیں۔ پچھلی رات ان کی وجہ سے گھر کا کوئی فرد نہیں سو سکا۔"

"کیا بات تھی؟"

"بس بار بار اٹھ کر ٹہلنے لگتے تھے اور پھر اُن پر غشی کا دورہ پڑ جاتا تھا۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کیا انہوں نے اس کا اعتراف کر لیا ہے کہ وہ رو انہیں کا تھا۔"

"جی ہاں انہوں نے بے دھڑک اپنا بیان دیا تھا اور یہ بات پولیس کو جتا بھی دی گئی کہ کسی اُن کو پھنسانے کے لئے سازش کی ہے اور گرفتار ہونے سے قبل بھی وہ ہنس ہنس کر کہا کرتے کہ ان کا بال بھی کوئی بیکا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ بے گناہ ہیں۔ مگر کل رات سے انہیں نہ جانے ہو گیا ہے۔"

"پولیس نے انہیں شبہے کی بناء پر گرفتار کیا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"شبہہ کہاں! پولیس کو تو یقین ہو گیا ہے۔ انہوں نے جاوید کو سخت اذیتیں دی ہیں، لیکن اعتراف جرم نہ کرا سکے اور فریدی بھائی کل رات سے خود جاوید ہی نے کہنا شروع کر دیا ہے انہیں اب کوئی پھانسی سے نہیں بچا سکتا۔"

"عجیب بات ہے۔" فریدی بولا۔ "انہوں نے اقرار جرم نہیں کیا.... اور یہ بھی کہتے ہیں پھانسی....!"

"اسی پر تو حیرت ہے۔" عورت نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا معا ہے اور وہ کچھ بتاتے بھی نہیں۔"

فریدی تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کیا وہ کل شام کو کہیں باہر گئے تھے۔"

"جی ہاں گئے تو تھے۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

فریدی اُس کی طرف مڑ کر بولا۔ "بڑا دلچسپ کیس ہے۔"

"اچھا....!" حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔ لہجے میں ہلکا سا طنز بھی شامل تھا اور طنز کی تہہ میں جھلاہٹ تھی۔

فریدی پھر اُس عورت سے مخاطب ہو گیا۔ "آخر انہوں نے اس بات کا اعتراف کیوں کر لیا کہ وہ رومال انہیں کا تھا، اُسے وہ بڑی آسانی سے نظر انداز کر سکتے تھے۔"

"وہ ایک بہت بڑی مجبوری تھی۔" عورت نے مغموم لہجے میں کہا۔ "گھر کے تقریباً سارے افراد اور اس کے بہتیرے احباب اُس رومال کو پہچانتے تھے۔"

"کیا اس میں کوئی خاص بات تھی۔"

"اسے بد قسمتی ہی کہنا چاہئے۔ وہ رومال دراصل فرانس سے اُن کے ایک دوست نے بھیجا تھا۔ اُس میں یہ خصوصیت تھی کہ اس پر بنی ہوئی تصویریں اندھیرے میں چمکنے لگتی تھیں اور چمکنے والے حروف میں اس پر اُن کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ چیز انوکھی تھی اس لئے جاوید نے اُسے قریب قریب اپنے سارے دوستوں کو دکھایا تھا اور گھر والے تو خیر واقف ہی تھے۔"

"اُس عمارت میں کوئی نہیں رہتا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں.... وہ شکستہ حالت میں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کو وہاں تک کیسے لے چلوں۔"

"میں خود ہی دیکھ لوں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن آپ جاوید سے بھی اس بات کا تذکرہ نہ کیجئے گا کہ آپ کسی سے مدد لے رہی ہیں۔ دوسری بات کیا اس عورت کے متعلق آپ مجھے کچھ بتا سکیں گی۔"

"اتنا ہی کہ وہ اچھی عورت نہیں تھی۔"

"کیا وہ آپ کے گھر کے قریب ہی کہیں رہتی تھی۔"

"تھوڑے ہی فاصلے پر.... اور ایک بات اور بھی سننے میں آ رہی ہے۔ وہ یہ کہ اُس کی زندگی بر شدہ تھی۔ پچاس ہزار کا بیمہ تھا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اس کے شوہر ہی کی حرکت ہو سکتی ہے۔ اس نے بیمے کا روپیہ حاصل کرنے کے لئے اُسے قتل کرا دیا۔"

"خیال بُرا نہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آپ نے ابھی کہا ہے کہ وہ اچھی عورت نہیں تھی۔"

"میں کیا بہتیرے یہی کہتے ہیں۔ وہ پرلے سرے کی اوباش تھی۔"

"جاوید صاحب سے اُس کے تعلقات تو نہیں تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بظاہر تو ایسا نہیں معلوم ہوتا لیکن پولیس نے اپنی رپورٹ میں یہی لکھا ہے۔"

"آپ کو یقین نہیں ہے۔" فریدی نے سوال کیا۔

"میں جاوید کے متعلق ایسا نہیں سوچ سکتی۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"ہوں.....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے پوچھا۔ "کیا یہ بات مقتولہ کے شوہر نے پولیس کو بتائی تھی۔"

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"شوہر بوڑھا آدمی ہے۔"

"جی نہیں۔"

"اس کی مالی حالت کیسی ہے۔"

"وہ ایک دولت مند تاجر ہے۔"

"کیا مقتولہ کا آپ کے یہاں آنا جانا تھا۔"

"نہیں! وہ ہمارے یہاں کبھی نہیں آئی۔"

"اور جاوید صاحب! کیا اس کے شوہر سے ان کے تعلقات تھے۔"

"غالباً کاروباری حد تک۔"

"کیا جاوید صاحب کا بھی کوئی کاروبار ہے۔"

"جی نہیں.... وہ دادا جان کے تجارتی نمائندے ہیں۔"

تھوڑی دیر کے لئے پھر سکوت ہو گیا.... اب حمید بُری طرح الجھنے لگا تھا۔

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ بیمہ کس کمپنی کا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"یوریشین انشورنس کمپنی کا۔"

"اوہ....!" فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

حمید بھی کچھ بولنے کے لئے بُری طرح بے تاب تھا۔

"اُس عورت کی کوئی چھوٹی بہن بھی ہے۔" حمید نے پوچھا اور فریدی نے جلدی سے کہا۔ "حمید

نے انہیں پہچانا نہیں۔ یہ ہمارے ڈی۔ آئی۔ جی کی بڑی صاحبزادی محترمہ سعیدہ ہیں۔"

حمید سناٹے میں آ گیا۔ بہر حال اُسے خوشی ہوئی کہ فریدی نے اُسے بیچ ہی میں ٹوک دیا۔ وہ نہ جانے کیا بک گیا ہوتا۔

"اوہو! بڑی خوشی ہوئی۔" حمید نے پائپ سلگانے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اُس کی ایک چھوٹی بہن ہے اور اس کے شوہر کے ہی پاس رہتی ہے۔" سعیدہ نے کہا اور فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ بہت اچھی بات ہے۔" اس نے کہا۔ "ہمیں اس سے بہت مدد ملے گی۔ ہاں ایک بات، جاوید صاحب سے ملاقات کب ہو سکتی ہے۔"

فریدی کے اس سوال پر حمید کو حیرت ہوئی۔ ظاہر ہے کہ فریدی کسی خاص کام کے لئے ڈی۔ آئی۔ جی ہی کی طرف سے بھیجا گیا تھا اور اس کام سے اس جاوید کا بھی تعلق تھا۔ پھر آخر فریدی اُس سے ملاقات کے سلسلے میں اس طرح کیوں پوچھ رہا تھا۔

"ہاں یہ سوال غور طلب ہے۔" سعیدہ کے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا ہو گئے، وہ چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی۔

"پرویز صاحب کو تو آپ نے دیکھا ہی ہے اور شائد وہ بھی آپ کو پہچانتے ہیں۔ آج شام کو انہیں پرویز صاحب ہی کیساتھ برادر ہوڈ کلب بھجواؤں گی۔ برادر ہوڈ کلب کی عمارت.....!"

"مجھے معلوم ہے! جلال آباد میرا دیکھا ہوا ہے۔" فریدی نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے یقین ہے کہ پرویز صاحب مجھے پہچان جائیں گے۔ خیر فکر نہیں۔ میں انتظام کر لوں گا۔"

اس کے بعد فریدی نے کسی نامعلوم کیس کے سلسلے میں اور بھی بہت سی معلومات بہم پہنچائیں۔ حمید کی اکتاہٹ بڑھتی رہی، چونکہ اُسے کسی بات کا علم نہیں تھا اس لئے وہ خاموش بیٹھا ہوا تھا اور اسے اپنی یہ بیکاری کھل رہی تھی، ورنہ کسی خوبصورت عورت کا قرب ہی اُسے چہکانے کے لئے کافی ہوتا تھا۔

لیکن اُسے جلد ہی بولنے کا موقع مل گیا کیونکہ اب وہ دونوں ذاتیات پر گفتگو کر رہے تھے۔

"اور آج کل کیا مشغلہ ہے۔" سعیدہ کہہ رہی تھی۔ "کہئے آپ اب بھی سانپ پالتے ہیں۔"

"جی ہاں! اب تھوڑے سے رہ گئے ہیں! صرف ڈیڑھ سو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تھوڑے سے۔" سعیدہ حیرت سے بولی۔ "ڈیڑھ سو کم ہیں۔"

"پہلے میرے پاس پانچ سو سانپ تھے۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں۔" حمید بولا۔ "اس محکمے میں آنے سے قبل ہم لوگ بین بھی بجایا کرتے تھے۔"

سعیدہ بے اختیار مسکرا پڑی اور فریدی ہنس کر بولا۔ "حمید صاحب بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔"

"میں نے سنا ہے۔" سعیدہ نے کہا اور اپنے داہنے ہاتھ کے ناخن دیکھنے لگی۔

اور پھر جب سعیدہ چلی گئی تو حمید سر کے بل کھڑا ہو گیا۔ لیکن فریدی۔ وہ پھر اخبار دیکھنے تھا۔ حمید نے دیکھا کہ فریدی نے اس کی اس حرکت کی طرف توجہ ہی نہیں دی تو وہ اپنی ا حالت پر آ گیا۔

"آپ شائد یہ سوچ رہے ہوں گے میں آپ سے کچھ پوچھوں گا؟" حمید نے چیخ کر پوچھا۔

"پوچھو! کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"مردنگ کسے کہتے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "میں آپ سے ہرگز یہ نہ پوچھو گا کہ آپ یہاں کس لئے تشریف لائے ہیں۔"

"مجھے خوشی ہو گی۔" فریدی نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ دوسرے ل میں وہ کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔

"نمبر پلیز! اوہ شکریہ۔ دیکھئے ذرا رفعت صاحب کو کنکٹ کر دیجئے۔ شکریہ! ہیلو! کیا رفعت صاحب ہیں.... اوہ.... اچھا.... روئی کا بازار کیسا ہے.... کیا.... دو پیسے گر گئے.... میرے خ کل بازار پھر چڑھے گا۔ اُسے لکھ لیجئے۔ اگر آج شام کو برادر ہوڈ کلب میں میرا سات بجے تک انتظار کیجئے گا تو بہتر ہو گا.... مجھ سے تعاون کیجئے۔ اگلے مہینے تک ہم یہاں کے کاٹن کنگ ہو گے.... برادر ہوڈ کلب.... جی ہاں.... میز نمبر پندرہ میرے لئے مخصوص ہے.... اسی انتظار کیجئے.... بس سات بجے آ جائیے.... شکریہ۔"

فریدی نے ریسیور رکھ کر سگار سلگایا.... اور پھر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو برادر ہوڈ کلب.... سکریٹری صاحب.... اوہ.... دیکھئے میں لکی ایکسچینج سے بول رہا ہوں.... رفعت نعیم کے نام سے آج شام کے لئے میز نمبر پندرہ بک کر لیجئے.... اوہ شکریہ....

بہت شکریہ.... میں رفعت نعیم ہی بول رہا ہوں۔"

فریدی ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا اور بڑے دلآویز انداز میں مسکرانے لگا۔

"یہ آپ نے روئی کا کاروبار کب سے شروع کر دیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"آج ہی سے.... کیا یہ تمہیں پسند نہیں۔"

"مجھے صرف یہ پسند ہے کہ روئی کی کاشت کرنے والے سراغ رساں نہیں ہوتے۔ کیا آج شیو نہیں کریں گے۔"

"جب کوئی اچھا جملہ نہ سوجھا کرے تو خاموش ہی رہا کرو۔"

"میں تو صبح ہی سے خاموش ہوں۔" حمید نے کہا اور پھر کچھ نہ بولا۔

اس کا اندازہ تو کوئی موٹی عقل رکھنے والا بھی لگا سکتا تھا کہ وہ کوئی قتل کا کیس تھا جس کا قتل ہ عورت تھی اور جاوید غالباً شبہے میں دھر لیا گیا تھا اور اب اس نے فریدی کی زبان سے ایک را نام سنا تھا۔ رفعت نعیم! آخر یہ کون تھا؟ فریدی نے اُسے فون پر دھوکا کیوں دیا۔ اس سے کہا ود اس نے پندرہ نمبر کی میز بک کرائی ہے، لیکن بعد میں بکنگ بھی رفعت ہی کے نام سے کرا ڈالی۔

فریدی اخبار میں ڈوب گیا تھا اور حمید کا ذہن ان معاملات میں الجھ رہا تھا۔ آخر سعیدہ کا اس لے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اتنا تو اُسے پہلے سے بھی معلوم تھا کہ ڈی۔ آئی۔ جی کی لڑکی ل آباد میں بیاہی گئی تھی۔ تو کیا یہ جاوید اس کا شوہر تھا؟ مگر پھر یہ رازداری کیسی؟

اس نے سر اٹھا کر فریدی کی طرف دیکھا۔ فریدی بھی اس دوران اسی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"کیوں....؟" فریدی مسکرا دیا۔

"کچھ نہیں....!" حمید نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"چلو کہیں گھوم آئیں۔" فریدی بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں صرف اپنے محور پر گھومتا ہوں۔" حمید نے بڑی بے تعلقی سے کہا۔

"یہ جملہ کہا ہے تم نے بڑی دیر بعد۔ چلو پہنو کپڑے۔ میں یہاں تمہاری دلچسپیوں میں حارج نکاہوں گا۔ تمہارے نقطہ نظر سے جلال آباد بڑی اچھی جگہ ہے۔"

"سنئے جناب۔" حمید بھنا کر بولا۔ "میں آج کل سراغ رسانی کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"لاحول ولا قوۃ! حمید صاحب آپ اور سراغ رسانی! آپ میں سراغ رسانی کی صلاحیت بھی

ہے! میں تو آپ کو صرف مسخرہ سمجھتا ہوں۔"

"چلئے یہی سہی! آپ مجھے تاؤ نہیں دلا سکتے۔"

"تاؤ تو صرف شاہی نسلوں کے لوگوں کو آتا ہے۔" فریدی نے فخریہ انداز میں سینہ تان ک

"میں جانتا ہوں کہ آپ کا سلسلہ براہِ راست محمد تغلق سے ملتا ہے۔" حمید ہونٹ ۔

بولا۔ "لیکن ضروری نہیں کہ آپ ذرا ذرا سی بات پر اس کا حوالہ دیتے پھریں۔"

"جب کوئی تمہاری تعریف کرتا ہے تو دل چاہتا ہے کہ اس کا گلا گھونٹ دوں۔"

"میں جانتا ہوں کہ خودکشی آپ کیلئے مقدر ہو چکی ہے۔" حمید نے پائپ سلگاتے ہوئے کہ

"بہرحال مجھے افسوس ہے کہ مفت میں تمہیں اتنی شہرت نصیب ہو گئی۔" فریدی

ہوا بولا۔ "تو تم نہیں چلو گے۔"

"جی نہیں.... میں اپنی پچھلی نیند پوری کروں گا۔"

فریدی نے پھر کچھ نہیں کہا۔ حمید اُسے باہر جانے کے لئے لباس تبدیل کرتے دیکھتا رہا

"اچھا تو پھر چھ بجے شام کو برادر ہوڈ کلب کے قریب ملنا۔" فریدی نے کہا اور آ

آخری نظر ڈالتا ہوا ایک چھوٹا سا سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکل گیا۔

حمید سچ مچ سونا چاہتا تھا۔ پچھلی رات اُسے اچھی طرح نیند نہیں آئی تھی۔ اُس نے ویٹر

کر دوپہر کا کھانا منگوایا۔

اور جب وہ کھانا ختم کرنے کے بعد لیٹنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

نے جھلا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو.... !" دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔ "کون! فریدی بھائی۔"

"جی نہیں سرجنٹ حمید۔"

"اوہ دیکھئے میں سعیدہ بول رہی ہوں۔" لہجے میں گھبراہٹ تھی۔ "فریدی بھائی سے

دیجئے کہ پچھلی رات کو بھی لنگڑی کوٹھی میں وہ عجیب و غریب روشنیاں دکھائی دیں تھیں۔ ا

پڑوسی نے اطلاع دی ہے۔"

گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید اور ٹماٹر

سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد بھی حمید بوکھلاہٹ میں کئی سیکنڈ تک "ہیلو ہیلو" کرتا رہا اور

ب اُسے کوئی جواب نہ ملا تو ریسیور کو اس طرح گھورنے لگا جیسے سارا قصور اسی کا ہو۔

اگر اُسے یہ معلوم ہوتا کہ سعیدہ کہاں سے بولی تھی تو وہ اُسے دوبارہ فون کر کے یہ ضرور

تا کہ یہ لنگڑی کوٹھی کس چڑیا کا نام ہے۔ اب کوٹھیاں بھی لولی لنگڑی ہونے لگیں۔ بہرحال

ہ صرف ایک بات کے متعلق بڑی سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ یہی کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے،

رے سے نکل بھاگے۔ ورنہ یہ کم بخت ٹیلی فون زندگی تلخ کر دے گا۔ اسے اس نامعقول ایجاد

بڑی نفرت تھی۔ اگر اس کا موجد ایک بار بھی اُسے دستیاب ہو جاتا تو وہ اُسے پھٹے پرانے

ں کا ہار پہنائے بغیر نہ مانتا۔

ٹیلی فون کا استعمال وہ طوعاً و کرہاً کرتا تھا اور گفتگو کرتے وقت اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ

کا چہرہ کسی لاش کے چہرے کی طرح بیجان نظر آئے۔ ایسے مواقع پر اُسے اپنے سیکشن کا ہیڈ

ب ضرور یاد آتا تھا، جو فون پر اپنے آفیسروں سے گفتگو کرتے وقت بڑی عاجزی سے دانت

ا دیا کرتا تھا۔ وہ لڑکیاں یاد آتیں، جنہیں حمید نے فون پر گفتگو کرتے وقت مسکراتے لجاتے اور

اتے دیکھا تھا۔

وہ سب اُسے اُلو کے پٹھے اور احمق معلوم ہوتے تھے اسی لئے فون پر گفتگو کرتے وقت وہ

پنے چہرے کو بیجان بنائے رکھنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

اس نے بڑی کراہت کے ساتھ ریسیور رکھ دیا اور بکس سے کپڑے نکالنے لگا۔ وہ اپنے ذہن

اس بے سروپا کیس میں نہیں الجھانا چاہتا تھا.... جاوید.... رفعت نعیم.... سعیدہ....

ذلہ.... اندھیرے میں چمکنے والا رومال.... اور لنگڑی کوٹھی.... لاحول ولا قوۃ! اندھا

الن.... کانی عمارت! گونگا بنگلہ! اس نے جھلا کر سوٹ کیس پٹخ دیا۔

لباس تبدیل کر کے وہ فارغ ہی ہوا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے دانت پیس کر ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے شائد سعیدہ ہی کہہ رہی تھی۔ "فریدی صاحب! کیا فریدی صاحب ہیں۔"

"جی نہیں میں سرجنٹ حمید ہوں۔ فریدی صاحب کہیں باہر گئے ہیں۔"

"اوہ.... جاوید پر بیہوشی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ خیر جانے دیجئے۔ میں پھر ملوں گی۔ میں پریشان ہوں۔"

"جی....!"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حمید ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ کر دروا کی طرف مڑ گیا۔

ہوٹل سے نکل کر فٹ پاتھ پر کھڑا ہو کر وہ سوچ رہا تھا کہ کہاں جائے۔ اس سے قبل کئی بار جلال آباد آ چکا تھا۔ اس لئے اُسے زیادہ الجھن نہیں ہوئی۔ بہر حال اُس نے فٹ پا کھڑے ہی کھڑے تہیہ کر لیا کہ اس ہوٹل میں تو ان کا قیام نہیں رہے گا۔

بس وہ یونہی بے مقصد ایک طرف چلنے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹے تک آوارہ گردی کرنے کے بعد وہ ایک ایسی عمارت کے سامنے کھ جس کے ایک حصے پر اُسے "کرایہ کے لئے خالی ہے" کا بورڈ نظر آ رہا تھا۔

عمارت کافی طویل و عریض تھی جس کے سامنے ایک خوبصورت پائیں باغ کی چہار دی پر مختلف قسم کی پھولدار بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔

حمید سوچنے لگا کہ کیوں نہ اس مکان کے لئے بات چیت کی جائے۔ یہ بات تو اس پر ظا ہو چکی تھی کہ یہاں اُن کی مدت قیام طویل بھی ہو سکتی تھی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو فریدی ا روپیہ جلال آباد کے بینکوں میں کیوں ٹرانسفر کراتا۔

حمید نے دیکھا۔ پائیں باغ کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ اس نے اپنی ٹائی کی گرہ درست کی اور چ پر رومال پھیرتا ہوا پھاٹک میں داخل ہو گیا۔ سامنے ایک لمبی سی روش تھی، جو عمارت برآمدے کی سیڑھیوں تک چلی گئی تھی۔ روش پر دو رویہ مہندی کی باڑھیں تھیں۔ حمید۔ سب ایک ہی نظر میں دیکھ لیا، ورنہ شاید اس کی نوبت ہی نہ آتی کیونکہ جیسے ہی اس نے پھاٹک قدم رکھا تھا ایک بھاگتا ہوا نوجوان اس سے آ ٹکرایا تھا۔ پھر جونہی وہ جھپٹ کر اس کے سامنے ہٹا کوئی چیز بڑی قوت سے اس کی پیشانی پر پڑ کر پھٹ گئی اور اس کا چہرہ بھیگ گیا۔ اگر آنکھیں ہی بند نہ ہو جاتیں تو شائد وہ چپچپی اور پھسلنے والی سیال چیز اُس کی آنکھوں میں بھی چلی گئی ہوتی۔

حمید نے بوکھلا کر نیچے دیکھا۔ یہ ایک ٹماٹر تھا اور سامنے برآمدے میں ایک لڑکی اپنے ہا

یں دوسرا ٹماٹر لئے ہوئے اُسے گھور رہی تھی۔ حمید نے جیب سے رومال نکال کر چہرہ صاف کیا۔ ٹماٹر کے کچھ بیج اس کے کوٹ کے کالر پر بھی پڑے تھے۔ انہیں انگلیوں سے جھٹکتا ہوا وہ آگے بڑھا ہی تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس کی کمر پکڑ لی۔ یہ وہی نوجوان تھا جس سے وہ ٹکرایا تھا۔ اس نے گھگھیائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بس خدا کے لئے! چپ چاپ یونہی کھڑے رہئے۔"

"کیوں! یہ کیا بدتمیزی ہے۔" حمید جھلا کر پلٹا۔

"میں معافی چاہتا ہوں، لیکن خدا کے لئے بس یونہی کھڑے رہئے۔ وہ چلی جائے۔"

"براہِ کرم آپ سامنے سے ہٹ جائیے۔" برآمدے سے آواز آئی۔ حمید اُس لڑکی کو دیکھنے لگا۔ آواز بڑی سریلی اور ریڑھ کی ہڈی میں سرسراہٹ پیدا کر دینے والی تھی۔

"مسٹر! خدا کے لئے۔" نوجوان حمید کی کمر پکڑے ہوئے آہستہ سے بڑبڑایا۔

"اگر آپ نہیں ہٹیں گے۔" لڑکی نے چیخ کر کہا۔ "تو چوبیس ٹماٹر آپ کو برداشت کرنے پڑیں گے۔"

حمید بُری طرح بوکھلا گیا۔

"دھمکی! محض دھمکی۔" نوجوان آہستہ سے بولا۔ "آپ ہرگز نہ ہٹئے گا۔"

"اسلم! سامنے آؤ۔" لڑکی نے پھر للکارا۔ "ورنہ اڑتالیس ٹماٹر۔"

"آپ بھاگتے کیوں نہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"ناممکن.... بالکل ناممکن.... بھاگنے کی صورت میں مجھے اڑتالیس ٹماٹر برداشت کرنے پڑیں گے۔"

"سنئے جناب....!" لڑکی نے چیخ کر حمید کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ "آپ نہیں جانتے تو یہ لیجئے۔" ساتھ ہی اس کے چہرے پر دوسرا ٹماٹر پڑا۔

حمید کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ وہ پلٹ کر اس نوجوان سے لپٹ پڑا۔

"شکریہ! شکریہ!" برآمدے سے آواز آئی۔ "آپ ہٹ جائیے۔"

دفعتاً حمید کی رگِ شرارت بھی پھڑک اٹھی۔ اس نے اُس نوجوان کو دبوچ کر اپنے سامنے کر لیا۔

"شکریہ۔" لڑکی برآمدے سے چیخی اور ایک ٹماٹر اُس نوجوان کے چہرے پر پڑا۔

"چھوڑیئے....!" نوجوان مچلنے لگا۔

"خدا کے لئے.... مسٹر!" حمید نے اُسی کے لہجے میں التجا کی۔

ٹماٹر لگتے رہے۔ حمید اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا۔ نوجوان پہلے تو اس کی گرفت سے جانے کے لئے جدوجہد کرتا رہا۔ لیکن پھر اُس نے بھی بے بسی سے ہنسنا شروع کر دیا۔

"ٹماٹر ختم ہوگئے۔" برآمدے سے آواز آئی۔ "بقیہ پھر کبھی۔"

حمید نے اُسے چھوڑ دیا لیکن وہ اس کے حملے کے لئے تیار تھا۔ اُسے توقع تھی کہ وہ چھو ہی ہاتھاپائی پر آمادہ ہو جائے گا۔ مگر وہ کچھ کہنے کی بجائے دوڑتا ہوا برآمدے کی طرف چلا گیا۔ لا اُسے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

حمید جب برآمدے میں پہنچا تو وہ شائد اندر جا چکا تھا۔ لڑکی البتہ اب تک وہیں تھی اور حمی متحیرانہ انداز میں دیکھ رہی تھی۔

"کیا ڈیڈی سے ملنا ہے۔" لڑکی نے اُس سے پوچھا۔

"جی ہاں.... میں دراصل اس خالی حصے کے لئے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

لڑکی حسین تھی لیکن اس کی آنکھیں بہت کمزور معلوم ہوتی تھیں کیونکہ اُس نے بڑ موٹے شیشوں کی عینک لگا رکھی تھی۔

"خالی حصے کے لئے گفتگو کرنے سے کیا فائدہ۔" لڑکی نے خشک لہجے میں کہا اور حمید اُ گھورنے لگا.... اس کا یہ جواب قطعی بے تکا تھا۔

"میں اُسے کرائے پر لینا چاہتا ہوں۔"

"کرائے پر لینا چاہتے ہیں۔" لڑکی آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ "بھلا اتنا بڑا مکان آپ سے اٹھے گا۔"

حمید جھنجھلا گیا۔

"آپ کے ڈیڈی کہاں تشریف رکھتے ہیں۔"

"آپ غیر ضروری الفاظ استعمال کرنے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔" لڑکی نے ہون سکوڑ کر کہا۔ "خیر مجھے کیا؟ ویسے آپ پوچھ سکتے تھے کہ ڈیڈی کہاں ہیں.... اونہہ.... تشریف.... اور پھر رکھتے ہیں! غیر ضروری الفاظ....!"

"کیا شریف آدمیوں پر ٹماٹر پھینکنا کوئی ضروری حرکت ہے۔" حمید جل کر بولا۔

"اوہ.... وہ اسلم! بہت بور کرتا ہے۔ صبح سے ٹماٹر کی خصوصیات پر لیکچر دے رہا تھا۔ مجھ

مل وٹامنز سے چڑھ ہے۔ میں اے سے زیڈ تک سارے وٹامنز پر لعنت بھیجتی ہوں۔"

"آپ کے ڈیڈی۔"

"میرے ڈیڈی۔" اُس نے جلدی سے بات کاٹ دی۔ "بہت بڑے سائنٹسٹ ہیں۔ وہ آج مرغی کے ایک انڈے میں تین زردیاں پیدا کرنے کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔"

"اوہ کیا سچ؟" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"جی ہاں! کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں۔"

"تب تو آپ مجھے فوراً اُن کے پاس لے چلئے! انہیں میری ضرورت ہے۔"

"ضرورت تو انہیں صرف ایک عدد اصیل مرغے کی ہے۔" لڑکی نے مایوسی سے کہا۔

"میں ایک اصیل مرغے کے فرائض بھی انجام دے سکتا ہوں۔" حمید نے بڑی سعادت ی سے کہا۔

"اوہ.... اچھا تو آیئے۔" لڑکی نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور ایک کمرے میں گھسیٹ لے لیکن پھر اچانک اُس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور رک کر اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

"کیا کہا تھا آپ نے۔"

"میں نے یہ عرض کیا تھا کہ میں اصیل مرغا مہیا کر سکتا ہوں۔"

"تو آیئے.... ڈیڈی آپ کی بہت عزت کریں گے۔ میں آپ کو ان کی تجربہ گاہ میں لئے تی ہوں۔"

تجربہ گاہ میں پہنچ کر حمید کو ہنسی ضبط کرنا دشوار ہو گیا۔ کیونکہ ایک انتہائی سنجیدہ صورت اور ر آدمی ایک مرغے کو گھیر گھیر کر ایک گوشے میں اونگھتی ہوئی مرغی کی طرف ہانک رہا تھا۔ ا کے ایک ہاتھ میں انجکشن لگانے والی سیرنج تھی۔

حمید اور اُس لڑکی کو دیکھ کر اُس نے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا اور آہستہ سے بولا۔ "پلیز.... پلیز ہر ٹھہریئے۔"

تقریباً پانچ چھ منٹ تک وہ مرغ کے ساتھ اچھلتا کودتا رہا پھر رک کر مایوسی سے سر ہلاتا ہوا لا۔ "موڈ میں نہیں ہے۔"

اسی دوران میں وہ شائد اُن دونوں کی موجودگی بھی بھول گیا تھا۔

"اوہو! سلیمہ!" وہ ان کی طرف مڑتے ہی چونک پڑا۔ پھر اپنی ناک پر عینک جماتا ہوا بولا۔
"آپ کی تعریف۔"

"آپ اصیل مرغ مہیا کر سکتے ہیں۔" سلیمہ نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ کو کرائے پر مکان بھی چاہئے۔"

"تشریف رکھئے! تشریف رکھئے۔" اُس نے جھک کر ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹی سلیمہ آپ کے لئے چائے کو کہو۔"

سلیمہ چلی گئی۔

"اصیل مرغ....!" سلیمہ کا ڈیڈی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں عرصے سے تلاش میں ہوں مگر یہاں سب دوغلے ملتے ہیں۔ آپ کو مکان بھی چاہئے۔"

"اب تو ہر قیمت پر چاہئے۔"

"کیوں؟" بوڑھا اسے گھورنے لگا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ میرے ساتھی پروفیسر چنگھاڑنی بھی اسی چکر میں ہیں۔"

"کس چکر میں ہیں؟"

"اب وہ کوشش کر رہے ہیں کہ ایک انڈے میں کم از کم پانچ زردیاں پیدا کی جائیں۔"

"کیا....؟" بوڑھا اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"جی ہاں.... چار زردیوں تک انہیں کامیابی ہوئی ہے۔"

"افسوس" بوڑھا اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر آرام کرسی پر گر گیا.... وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا.... حمید کچھ نہ بولا۔

"چار زردیوں تک کامیابی اور میں دو بھی نہیں پیدا کر سکا۔" بوڑھا بڑبڑا رہا تھا۔ "نہیں نہیں مسٹر میں یقین نہیں کر سکتا۔ کیا نام بتایا تھا آپ نے۔"

"پروفیسر چنگھاڑنی۔" حمید بولا۔

"میرے خدا.... چار زردیاں.... میری زندگی برباد ہو گئی.... میں تباہ ہو گیا۔"

"پروفیسر چنگھاڑنی نے مرغی کے انڈے سے کچھوے کے بچے نکالے تھے۔" حمید نے کہا۔

"میرے پیارے لڑکے۔" بوڑھا حالت جوش میں کھڑا ہو گیا۔ "کہاں ہے وہ قابل قدر

ہستی۔ کچھوے کے بچے میں سے مرغی کے انڈے.... دنیائے سائنس میں ایک عظیم کارنامہ۔"

"میں دنیا کے دو عظیم سائنسدانوں کو ایک جگہ اکٹھا کرنا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "کیا آپ مکان کرائے پر....!"

"مفت میرے پیارے لڑکے۔" بوڑھے نے اُس کی بات کاٹ دی.... "بالکل مفت.... پروفیسر چرگاڑنی۔"

"چنگھاڑنی۔" حمید نے تصحیح کی۔

"ٹھیک ہے! ٹھیک ہے۔" بوڑھا سر ہلا کر بولا۔ "پروفیسر چنگھاڑنی کے لئے میں پوری عمارت خالی کر سکتا ہوں۔ لیکن میں بہت اداس ہو گیا ہوں.... پانچ زردیاں.... میرے خدا۔"

"انہوں نے زردیوں کی رنگت تک تبدیل کر دی ہے۔ ایک ہی انڈے میں چار مختلف رنگوں کی زردیاں تھیں! سبز، سرخ، نیلی اور پیلی۔"

"بس کیجئے.... بس کیجئے۔" بوڑھا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔ اف میرے خدا.... چار زردیاں.... انقلاب دنیائے سائنس میں عظیم انقلاب اوہ پیارے پروفیسر چنگھاڑنی۔ تم انسانیت کے بہت بڑے محسن ہو.... چار زردیاں۔"

"تو پھر آپ مکان کے لئے کیا کہتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"جب دل چاہے آجایئے.... ضرور آیئے۔"

"کرایہ کیا ہو گا۔"

"کچھ نہیں.... بالکل نہیں.... پروفیسر چنگھاڑنی سے کرایہ نہیں لیا جائے گا۔"

"یہ تو مناسب نہیں۔" حمید بولا۔

"قطعی مناسب ہے مسٹر....!"

"لوگ مجھے ڈاکٹر زیٹو کہتے ہیں...." حمید نے شرما کر کہا۔

"مائی ڈیئر.... ڈاکٹر زیٹو.... چشم ما روشن دل ما شاد ماں۔ شوق سے آپ لوگ تشریف لایئے۔ آپ میرے مہمان رہیں گے، لیکن وہ اصیل مرغ نہ بھولئے گا۔"

"میں کل ہی اُ[illegible] لکھ دوں گا۔ پروفیسر چنگھاڑنی کے گھر پر پانچ درجن اصیل مرغ ہیں۔"

"پانچ درجن اصیل۔" بوڑھا حیرت سے بولا۔ "مائی ڈیئر ڈاکٹر زیٹو.... پروفیسر چنگھاڑنی

پرستش کے قابل ہیں۔"

"آپ پروفیسر سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔" حمید نے کہا۔

"قطعی ڈاکٹر زیٹو.... قطعی۔" بوڑھا سر ہلا کر بولا۔ "ڈاکٹر زیٹو.... آپ ڈاکٹر ہیں۔ جگر خراب ہے۔ خون خراب ہے۔ کیا آپ میرا طبی معائنہ کرنے کی زحمت گوارا کریں گے۔"

"میں دراصل آئس کریم کا ڈاکٹر ہوں۔" حمید نے شرما کر کہا۔

"آئس کریم کا ڈاکٹر۔" بوڑھے نے منہ چلا کر آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں.... ایک نئی قسم کی آئس کریم ایجاد کرنے کے سلسلے میں نبراسکا یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ دی تھی۔"

"اوہو! آپ بھی موجد ہیں۔" بوڑھا اس کا ہاتھ دباتا ہوا بولا۔ "ڈاکٹر زیٹو آپ بھی انسانیت کے بہت بڑے محسن ہیں۔"

سلیمہ چائے کی ٹرے لئے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

"سلیمہ! پروفیسر چنگھاڑنی آ رہے ہیں۔" بوڑھے نے اُسے مخاطب کیا۔

"پروفیسر چنگھاڑنی۔" سلیمہ نے حیرت سے کہا۔

"تم پروفیسر چنگھاڑنی کو نہیں جانتیں۔ ارے وہ انسانیت کا محسن۔ قابل قدر پروفیسر چنگھاڑنی جو اب تک چار زردیوں والے انڈے پیدا کر چکا ہے۔ جس نے کچھوے کے بچے سے مرغی انڈے نکالے ہیں۔"

"ڈونٹ ٹاک اِٹ ڈیڈی۔" وہ منہ سکوڑ کر بولی۔

"ڈاکٹر زیٹو سے پوچھ لو۔"

"ڈاکٹر زیٹو....!" لڑکی حمید کو گھورنے لگی۔

"آپ ٹماٹر کھایا کیجئے۔" حمید نے اُس سے کہا۔ "وہ ایک صحت مند غذا ہے۔"

"کیا....؟" سلیمہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ "آپ مجھے بور کریں گے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ آپ ٹماٹر کے فوائد سے واقف نہیں۔"

"بکواس بند کیجئے۔" سلیمہ چیخ کر بولی۔ اس کا چہرہ غصے سے ٹماٹر ہو گیا۔ "آپ احمق ہیں۔" اُس نے پیر پٹخ کر کہا اور کچھ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔

"اوہ مائی ڈیئر ڈاکٹر زیٹو....!" بوڑھے نے انکسار آمیز لہجے میں کہا۔

"بے بی کو ٹماٹر کے تذکرے پر غصہ آ جاتا ہے۔ وہ اسلم ہے نا! اس سے بڑی جنگ ہو جاتی ہے۔ ٹماٹر اُس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔"

"اسلم صاحب کون ہیں؟"

"صاحب نہیں.... وہ میرا بھتیجا ہے۔" بوڑھے نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ "میرا ارادہ ہے کہ میں بے بی سے اُس کی شادی کر دوں.... مگر ٹماٹر....!"

"کیوں.... ٹماٹر کیوں؟"

"اوہ اُسے ٹماٹر بہت پسند ہیں.... وہ دن رات ٹماٹروں کے قصیدے پڑھا کرتا ہے، لیکن بے بی.... اُسے ٹماٹروں سے نفرت ہے۔ میں نے کہا نا کہ ٹماٹر اُسکی سب سے بڑی کمزوری ہے۔"

"لیکن میں اُسے ٹماٹر کھلا سکتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"ناممکن! مائی ڈیئر زیٹو.... بالکل ناممکن ہے۔"

"ٹماٹر کی آئس کریم.... کیا خیال ہے؟"

"گڈ! ایکسیلنٹ! ڈاکٹر زیٹو ونڈر فل!" بوڑھے نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر تیز قسم کی سرگوشی کی۔

"میں پروفیسر چنگھاڑنی کا دست راست ہوں۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا اب اجازت دیجئے۔"

"ارے میں کس قابل ہوں کہ اجازت دوں۔" بوڑھے نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔ پھر جلدی سے بولا۔ "ارے چائے تو رکھی ہی رہ گئی۔ لیجئے ڈاکٹر زیٹو۔"

ڈاکٹر زیٹو پھر بیٹھ گیا۔ دونوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔ بوڑھا کبھی کبھی کونے میں کھڑی اونگھتی ہوئی مرغی کو پر تشویش نظروں سے دیکھنے لگتا تھا۔

"اسے ٹماٹر کی آئس کریم کھلائیے۔ یہ کچھ مغموم سی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ٹماٹر کی آئس کریم۔" بوڑھا اُسے گھورنے لگا۔

"یہ بہت ضروری ہے۔ پروفیسر چنگھاڑنی ہمیشہ یہی کرتی ہیں۔ ورنہ چار زردیاں مشکل کام ہے۔ ٹماٹر کا رس کسی کنواری لڑکی کے ہاتھوں نکلوایا جائے۔ کیا سمجھے اور مرغ کو بھی کھلائیے وہ کچھ دنوں کے لئے نامرغ ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں آپ اُسے شیری پورٹ اور وہسکی کی کاک ٹیلی

پلا کر دوبارہ اصلی حالت پر لا سکتے ہیں۔ کیا سمجھے، تین زردیوں کا ذمہ میں لیتا ہوں۔"

فریدی کی عجیب حرکت

تقریباً نو بجے رات کو حمید ہوٹل میں واپس آیا۔ فریدی کمرے میں موجود تھا اور اُس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ فریدی نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا، لیکن کچھ بولا نہیں۔

مگر جب حمید کپڑے اتارنے لگا تو اس نے کہا۔

"ٹھہرو! ہم اسی وقت یہ ہوٹل چھوڑ رہے ہیں۔"

"کیوں! خیریت.... اب کہاں جھک مارنے کا ارادہ ہے۔"

"میں یہاں کا حساب صاف کر چکا ہوں۔ تم ٹیکسی لے آؤ۔"

"کہاں چلئے گا۔"

"کسی دوسرے ہوٹل میں؟"

"ہوٹل بیکار ہے۔" حمید نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"آپ گھورتے کیوں ہیں؟"

"چلو! جلدی جاؤ! ورنہ کسی الجھن میں پڑ جائیں گے۔"

"میں نے ایک مکان کا انتظام کیا ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"آپ مکان کا مطلب نہیں سمجھتے۔ آج جانے کیا بات ہے کہ ہر آدمی پروفیسر ٹی۔اے جھوس بنا جارہا ہے۔"

"کیا بک رہے ہو۔"

"میں نے ایک مکان کا انتظام کرلیا ہے۔ بڑی آرام دہ جگہ ہے۔ آپ کو صرف تھوڑی سی مرغ بازی کرنی پڑے گی۔ اپنا نام پروفیسر چنگھاڑنی بتانا پڑے گا۔"

"دماغ خراب ہوا ہے۔"

"اور آپ کو یہ ظاہر کرنا پڑے گا کہ آپ ایک بہت بڑے سائنسدان ہیں۔ ایک انڈے سے ی چار زردیاں پیدا کر چکے ہیں اور اب پانچویں کے امکانات زیرِ غور ہیں۔"

"بیہودہ بکواس پھر کسی وقت پر اٹھا رکھو۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

اس پر حمید نے دن بھر کی کارگذاریوں کی رپورٹ پیش کردی۔ فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا لا۔

"اس کا نام کیا ہے؟"

"پروفیسر ٹی۔اے جھوس۔"

"ٹی۔اے جھوس۔" فریدی یاد داشت پر زور دیتا ہوا بولا۔ "وہی تو نہیں جس کی ایک آنکھ ی ہے۔"

"ہائیں! تو کیا آپ اُسے جانتے ہیں۔" حمید اچھل پڑا۔

"اس کی سات پشتوں سے واقف ہوں۔ وہ ایک بہت بڑا احمق ہے۔ اُسے تجربات کا خبط ہے، تمہیں یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ وہ ایک بہت ہی معمولی پڑھا لکھا آدمی ہے۔ ویسے ر کافی ہے اور خود کو سائنسدان ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جرمن سائنسدانوں کی سی بنائے رکھتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے فرزند کہ وہ مجھے پہچانتا ہے۔"

"میک اپ....!" حمید بولا۔ "آپ ایک معمر آدمی کا میک اپ کر لیجیے۔"

"تو ضرورت ہی کیا ہے.... کہیں اور ٹھہریں گے۔"

"میں تو وہیں ٹھہروں گا.... میرا نام ڈاکٹر زیٹو ہے اور میں آئس کریم کا ماہر ہوں۔ کیا سمجھے۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"تم برادر ہوڈ کلب میں کیوں نہیں ملے۔"

"بتایا تو کہ میں مکان تلاش کر رہا تھا۔"

"رفعت نعیم بھی قتل کر دیا گیا۔"

"رفعت نعیم.... اوہ.... وہی جسے آپ نے فون کیا تھا۔"

"ہاں وہی.... وہ بیچارہ کلب آیا تھا۔ بڑی دیر تک پندرہ نمبر کی میز پر میرا انتظار کرتا رہا لیکن نے تو دراصل اُسے دیکھنے کے لئے بلایا تھا۔ اُس سے ملنے کا ارادہ قطعی نہیں تھا۔ جب وہ انتظار

کرتے کرتے تھک گیا تو اس نے میز مخصوص کرانے والے کے متعلق سیکریٹری سے پوچھا،
سیکریٹری ہنس پڑا۔ کیونکہ میں نے وہ میز خود رفعت نعیم ہی کے نام سے مخصوص کرائی تھ
بہر حال وہ بڑی دیر تک سیکریٹری سے الجھتا رہا اور پھر وہ اٹھ کر چلا گیا۔ اب مجھے جاوید اور پر
انتظار تھا، لیکن وہ دونوں سرے سے آئے ہی نہیں۔۔۔۔ ہاں تو۔۔۔۔ رفعت نعیم کے جانے کے
لمحوں کے بعد باہر شور سنائی دیا۔ پھر برآمدے میں میں نے رفعت نعیم کی لاش دیکھی۔ اُس
بائیں پسلی میں ٹھیک دل کے مقام پر ایک خنجر پیوست تھا لیکن قاتل کو کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

"لیکن یہ رفعت نعیم تھا کون؟"

"مقتولہ کا شوہر۔"

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے مقتولہ میری منکوحہ رہی ہو۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "میں بھی نہیں جانتا کہ وہ دوسرا جاوید کون اُلو کا پٹھا ہے۔"

"جاوید۔۔۔۔ سعیدہ کے شوہر کا چھوٹا بھائی ہے اور اس پر رفعت نعیم کی بیوی کے قتل کا الزام ہے

"تو آپ جاوید سے اُسکے گھر پر کیوں نہیں ملے۔ آخر اتنی رازداری کی کیا ضرورت تھی۔

"بتاتا ہوں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "مقتولہ کی لاش ایک اجاڑ سی ٹوٹی پھوٹی عمار
میں پائی گئی اور وہ عمارت دراصل سعیدہ کے سسرال والوں کی ملکیت ہے۔ لاش کے قریب ج
کا رومال پایا گیا ہے۔"

"اور اس عمارت کا نام لنگڑی کوٹھی ہے۔" حمید اپنے دیدے نچا کر بولا۔

"تو تم تفصیل سے واقف ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"پچھلی رات کو پھر لنگڑی کوٹھی میں روشنی دیکھی گئی تھی۔"

"کیا۔۔۔۔؟" فریدی یک بیک کھڑا ہو گیا۔

"جی ہاں۔۔۔۔ سعیدہ کے بعض پڑوسیوں نے کچھ عجیب وغریب قسم کی روشنیاں دیکھی تھیں"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"آپ کے جانے کے بعد سعیدہ نے فون پر کہا تھا۔"

"اوہ۔۔۔۔!" فریدی اٹھ گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اس واردات کے بعد پولیس
نے نہ صرف جاوید کو گرفتار کر لیا بلکہ اُس کے خاندان والوں کو بھی پریشان کرتی رہی۔ سعیدہ نے

ں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ کیوں نہ اپنے باپ کو پورے واقعات لکھ کر اُن سے
طلب کرے لیکن جاوید کے دادا میاں نے اُسے اپنی شان کے خلاف سمجھ کر اُس کی تجویز
ردی۔ سعیدہ بہت پریشان تھی۔ اُس نے خفیہ طور پر ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کو خط لکھا۔ اس
ہے کہ خاندان کی عزت خاک میں ملنے والی ہے اور دادا صاحب اپنی جھوٹی خودداری لئے
ں۔"

کیوں! آخر وہ بوڑھا مخالفت کیوں کر رہا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

جھکی ہے۔۔۔۔ بہو کے میکے والوں سے مدد لینا کسرِ شان سمجھتا ہے، بہر حال ڈی۔ آئی۔ جی کی
کے مطابق چھپ کر اس کیس کی تفتیش کرنی ہے۔"

"کیا وہ خاندان لنگڑی کوٹھی میں مقیم ہے۔"

"نہیں لنگڑی کوٹھی تو ایک قدیم طرز کی عمارت کے کھنڈروں کا نام ہے، لیکن وہ ان کی
عمارت سے ملحق ہے۔"

"اور ان روشنیوں کا کیا قصہ ہے؟"

"لوگوں کا خیال ہے کہ لنگڑی کوٹھی بد ارواح کا مسکن ہے۔ وہاں اکثر راتوں کو ڈراؤنی چیخیں
سنی گئی ہیں۔ بسا اوقات لوگوں کو روشنی بھی دکھائی دی ہے۔"

"آ گئی شامت۔" حمید اپنا داہنا گال رگڑتا ہوا بولا۔

"رفعت نعیم کے اچانک قتل کے بعد یہ کیس بڑا دلچسپ ہو گیا ہے۔ پہلے تو یہ سوچا جاسکتا
کہ رفعت نعیم نے بیمے کے پچاس ہزار روپے حاصل کرنے کے لئے اپنی بیوی کو قتل کر دیا،
اب ہم اُسے کیا کہیں گے۔"

"رفعت نعیم کا کوئی وارث جو اُس کی موت کے بعد فائدہ اٹھا سکے۔" حمید بولا۔

"رفعت نعیم کا کوئی ایسا وارث نظر نہیں آتا۔ میں نے آج دوپہر کو چھان بین کی تھی۔ البتہ
اکی ایک سالی ہے، جس کا قیام اسی کے ساتھ تھا مگر وہ غیر شادی شدہ ہے۔"

"کیا غیر شادی شدہ عورتیں قتل نہیں کر سکتیں۔"

"کر سکتی ہیں، لیکن وہ لڑکی پیدائشی اپاہج ہے۔ اُس کی دونوں ٹانگیں بیکار ہیں۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی بولا۔ "جاوید کا رویہ بڑا مشکوک ہے۔ پرسوں تک وہ خوش رہا، یقین تھا کہ اس کی بے گناہی ثابت ہو جائے گی۔ لیکن کل سے اُس پر دورے پڑنے لگے ہیں۔ اُسے بار بار پھانسی کا پھندا اپنے سامنے لٹکتا دکھائی دیتا ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ کل اس کی یہ حالت ہے اور آج رفعت قتل کر دیا گیا۔"

"یہ چیز غور طلب ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"اب دوسری بات.... رفعت کے قتل کے بعد میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ ہم اس ہوٹل میں ٹھہریں۔ ظاہر ہے کہ وہ میز میں نے ہی مخصوص کرائی تھی اور اس کے لئے فون پر بھی گفتگو کی تھی، جسے ہوٹل کے ٹیلی فون آپریٹر نے ضرور سنا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ کل کے اخبارات میں رفعت نعیم کے قتل کی کہانی شائع ہو اور اُس میز کا بھی تذکرہ آئے۔"

"بات تو ٹھیک ہے" حمید سر ہلا کر بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ ٹیلی فون آپریٹر کو آپ کی کال یاد آجائے۔"

فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

"اچھا ٹھہرو....!" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دوسرے لمحے میں وہ اپنے ایک چھوٹے سوٹ کیس سمیت غسل خانے میں تھا۔

اور پھر جب آدھ گھنٹے کے بعد غسلخانے کا دروازہ کھلا تو حمید کے سامنے مغربی وضع کا ایک بوڑھا کھڑا تھا اُس کے چہرے پر فرنچ کٹ ڈاڑھی تھی اور گالوں پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ حمید اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

"ڈاکٹر زیٹو۔" فریدی نے اُسے کپکپاتی ہوئی آواز میں مخاطب کیا۔ "تمہیں یہ سن کر خوشی نہ ہوگی کہ پروفیسر ٹی۔ اے جھوس جاوید کے رشتہ داروں میں سے ہے اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ تم اُسی سے جا ٹکرائے۔ اُس کے یہاں رہ کر ہم بہتیری معلومات حاصل کر سکیں گے۔"

"شامت....!" حمید دانت پیس کر بولا۔ "کہیں چین نہیں ہے۔ لعنت ہے اس زندگی پر، مقدر ہی واہیات ہے۔ لیکن یہ جھوس کیا بلا ہے۔ میں نے آج تک اس قسم کی کنیت نہیں سنی۔"

"چنگھاڑنی اور زیٹو کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"وہ تو میں نے اُسی وقت گڑھ لئے تھے جب میں نے پھاٹک پر لگی ہوئی نیم پلیٹ پر اس کا نام دیکھا تھا۔"

وہ خود کو ٹی۔ اے جھوس لکھتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "پہلے وہ شاعری کرتا تھا اور اپنا تخلص سمیت طیب علی موج لکھتا تھا۔ اچانک اس پر علم الحیوانات کا بھوت سوار ہوا اور اُس نے دانشمندانوں کی وضع اختیار کر لی۔ موج کو جھوس کر دیا اور خود کو ٹی۔ اے جھوس لکھنے لگا۔"

"آپ کہتے ہیں کہ وہ جاوید کا رشتہ دار ہے۔ لیکن ان وارداتوں میں اسی کا ہاتھ نہ ہو۔ اُس سے پہلے بھی تو ہمیں اس قسم کے کئی خبطی پروفیسروں سے واسطہ پڑ چکا ہے۔"

"پتہ نہیں۔ ویسے تم کئی بار اس سے پہلے بھی نادانستگی میں صحیح مجرموں سے ٹکرا چکے ہو۔" کچھ سوچتا ہوا بولا۔ چند لمحے خاموش رہ کر وہ پھر کہنے لگا۔ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ تم بھی اصلی صورت میں منظر عام پر آؤ۔ کل کا اخبار ہمارے لئے خطرناک ہوگا۔"

"مگر میں تو پروفیسر جھوس سے اپنی اصلی صورت میں مل چکا ہوں۔"

"اسی لئے میں نہیں چاہتا کہ ابھی ہم وہاں جائیں۔ کل کا اخبار اور دیکھ لیا جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ ہوٹل کے ٹیلی فون آپریٹر نے اخبار دیکھ کر کوئی رپورٹ تو نہیں دی۔"

"پھر آپ ہی کچھ فرمائیے۔ میں تو اس وقت اُس ٹماٹر بیزار لڑکی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ وہ بھی اپنے باپ ہی کی طرح سنکی ہے۔"

"لڑکیوں کے علاوہ اور تم سوچ ہی کیا سکتے ہو۔" فریدی نے بیزاری سے کہا۔

"لڑکیوں کے علاوہ میں اُن کے منگیتروں کے متعلق بھی سوچتا ہوں، اور یہ بھی سوچتا ہوں کہ بیچارے منگیتر کیوں کہلاتے ہیں۔ اگر چھچھوندر کہلاتے ہوتے تو ہمیں بھی یہی کہنا پڑتا۔"

وہ ابھی اپنی بکواس جاری ہی رکھنا چاہتا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اُس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک باوردی سب انسپکٹر پولیس کھڑا تھا اور اس کے پیچھے ہوٹل کا ویٹر تھا۔ سب انسپکٹر نے تیز نظروں سے کمرے کے اندر دیکھا اور پھر مڑ کر ویٹر کو واپس جانے کا اشارہ کر کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ پہلے وہ باری باری سے فریدی اور حمید کو گھورتا رہا پھر اس نے کہا۔ "آپ دونوں حضرات کے نام شائد احمد کمال اور ساجد حمید ہیں۔"

"دونوں میرے لڑکے ہیں۔" فریدی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ حمید نے دیکھا کہ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔

سب انسپکٹر اُسے متحیرانہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"یہ ساجد حمید ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔ "اپنے بڑے بھائی احمد کمال
ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا ہے کیونکہ احمد کمال کچھ مخبوط الحواس سا تھا۔ کئی دن ہوئے وہ گھر
نکل بھاگا۔ ساجد اس کے ساتھ ہی رہا۔ کمال نے یہاں اس ہوٹل میں قیام کیا۔ ساجد بھی یہیں
پڑا۔ اس نے مجھے یہاں سے تار دیا۔ ہم لوگ دولت آباد کے رہنے والے ہیں۔ میرا نام والا
تعلقی ہے۔ ہائے میں بہت دیر میں پہنچا.... میرا بچہ.... میرا احمد کمال....!"

فریدی اس طرح خاموش ہو گیا جیسے اپنی آواز پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔ حمید
دیکھا معاملہ نازک سا ہے لہٰذا اس نے بھی نتھنے پھلا پھلا کر دو چار آنسو نکال لئے تھے اور ناک
بل شوں شوں کر رہا تھا۔

"کیا بات ہے!" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"ساجد کا بیان ہے کہ اس نے آج....!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"آپ خاموش کیوں ہو گئے کہئے۔" سب انسپکٹر نے ٹوکا۔

"آج اس نے شائد سینما یا تھیٹر میں اپنے لئے ایک نشست مخصوص کرائی تھی اور اس
اپنا نام رفعت نعیم بتایا تھا۔"

"جی....!" سب انسپکٹر چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"آپ بھول گئے۔" حمید نے ہچکی لے کر ٹکڑا لگایا۔ "کسی کلب میں شائد ایک سو بارہ نمبر
میز مخصوص کرائی تھی۔"

"پندرہ نمبر کی میز۔" سب انسپکٹر جلدی سے بولا۔ "برادر، ہوڈ کلب۔"

"ہد ہد کلب۔" فریدی اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ بہرہ ہو۔

"جی نہیں! برادر ہوڈ کلب! میز نمبر پندرہ۔" سب انسپکٹر نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔

"ممکن ہے یہی رہا ہو۔" حمید بولا۔

"پھر دوپہر کو ساجد غسلخانے میں تھا کہ کمال کہیں غائب ہو گیا، اور ساجد اس کی تلاش
نکل گیا۔ شام کو میں ہوٹل پہنچا تو ان کا کمرہ بند تھا۔ میں نیچے بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ ساجد
واپس آیا۔ ہم دونوں کمرے میں آئے.... اور ہائے.... میرا کمال۔" فریدی منہ ڈھانپ
رونے لگا۔

ابا جان۔" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخا اور پھر اُس کے منہ سے "بھوں بھوں" ایسی
نکلنے لگیں، جیسی عموماً ضبط کرنے کی کوشش کے سلسلے میں بے اختیارانہ نکلتی ہیں۔

"آخر بات کیا ہے؟" سب انسپکٹر جھلا کر بولا۔

"میرے بیٹے کی لاش....!" فریدی گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

"لاش....!" سب انسپکٹر پھر اچھل پڑا۔ "کہاں ہے لاش۔"

"غسلخانے میں۔" فریدی لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔ "آئیے.... ہائے کیا اُس کے مرنے کے دن تھے۔"

فریدی دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ اس کے پیچھے سب انسپکٹر بھی گھسا۔ ساتھ ہی حمید نے
ے گرنے کی آواز سنی۔ وہ حیرت سے منہ کھولے کھڑا رہا۔ شائد ایک منٹ بعد فریدی اپنے
جھاڑتا ہوا باہر نکلا۔

"اور تم کھڑے منہ دیکھ رہے ہو۔" اس نے غسلخانے کا دروازہ بند کرتے ہوئے پُر اطمینان
یں کہا۔ "نکلو یہاں سے مغربی سرے پر، جو زینہ ہے وہ تمہیں باورچی خانے میں پہنچا دے گا،
کا بیرونی دروازہ گلی میں ہے۔ ٹیکسی اسٹینڈ پر میرا انتظار کرنا۔"

حمید نے کچھ کہنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ فریدی بولا۔ "چلو جاؤ.... کسی قسم کی بکواس نہیں۔"

حمید چپ چاپ کمرے سے نکل آیا۔ مغربی گوشے والے زینوں نے اُسے باورچی خانے میں
دیا.... پھر وہاں سے ٹیکسی اسٹینڈ تک راہ سیدھی تھی۔

حمید ٹیکسی اسٹینڈ پر کھڑا سوچ رہا تھا کہ آخر اس حماقت کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ فریدی نے
ب انسپکٹر کو یقیناً بیہوش کیا ہے۔ اس بار اُسے اس کا طریق کار کچھ عجیب سا معلوم ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے فریدی کو دیکھا، جو ایک ہاتھ میں سوٹ کیس لٹکائے ہوئے بڑے
ان سے اس کی طرف چلا آ رہا تھا۔ اُس کے قریب پہنچ کر اُس سے مخاطب ہونے کی بجائے وہ
ٹیکسی ڈرائیور سے گفتگو کرنے لگا۔

حمید کا ذہن کچھ اس بُری طرح الجھا ہوا تھا کہ اُس نے ان کی گفتگو پر دھیان تک نہ دیا۔ اس
نظریں بار بار ہوٹل کی طرف اٹھ جاتی تھیں جس کا فاصلہ ٹیکسیوں کے اڈے سے زیادہ نہیں تھا۔

"چلو بیٹھو۔" فریدی نے حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ وہ چونک کر اُس کی طرف
لٹ ڈرائیور ان کے لئے ٹیکسی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ٹیکسی شہر کے ویرانے کی طرف جا رہی تھی۔ حمید کچھ پوچھنے کے لئے بیتاب تھا۔ کئی بار بولنا بھی چاہا، لیکن فریدی نے اس کا شانہ دبا دیا۔ ٹیکسی پختہ سڑک سے اُتر کر پر ہولی تھی۔ دھچکے لگ رہے تھے اور ہر دھچکے پر ڈرائیور بڑبڑاتا جا رہا تھا۔

"ڈرائیور گاڑی روک دو۔" دفعتاً فریدی نے کہا۔

ڈرائیور ٹیکسی روک کر اُس کی طرف مڑا۔

"ہم آگے نہیں جائیں گے۔" فریدی نے کہا۔ ڈرائیور آنکھیں پھاڑ کر اُسے گھورنے لگا۔

"یہ لو.....!" اُس نے جیب سے دس دس کے پانچ نوٹ نکالے، ڈرائیور کی حیرت بڑھ گئی معاملہ صرف بیس روپیوں پر طے ہوا تھا اور انہیں شہر سے دس میل کے فاصلے پر بجے رام پور کے ڈاک بنگلے تک جانا تھا، لیکن ابھی آدھا فاصلہ بھی نہیں طے ہوا تھا۔

"دیکھتے کیا ہو! رکھو ان روپیوں کو ورنہ گولی ماردوں گا۔" فریدی نے گرج کر کہا اور ساتھ ہی اس کے جیب سے ریوالور بھی نکل آیا۔ حمید کی بوکھلاہٹ پھر بڑھ گئی، لیکن وہ کچھ بولا نہیں... ادھر ڈرائیور نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے نوٹ پکڑ لئے۔ اس کی نظریں اب بھی فریدی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"ہمارے سوٹ کیس میں کوتوال شہر کے لڑکے کی لاش ہے! کیا سمجھے۔" فریدی اپنی ایک آنکھ دبا کر بولا۔

ڈرائیور کو گویا سانپ سونگھ گیا۔

"جی صاحب۔" اُس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

فریدی سوٹ کیس لئے ہوئے نیچے اتر گیا۔ حمید بھی اُترا۔ لیکن اُسے اختلاج ہونے لگا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر فریدی کرنا کیا چاہتا ہے۔

"چلو جاؤ۔ گاڑی پھیرو! اگر پلٹ کر دیکھا تو گولی ماردوں گا۔" فریدی نے ڈرائیور سے کہا۔ "اس واقعے کی رپورٹ پولیس میں ضرور کرنا تمہیں وہاں سے بھی انعام ملے گا۔ اس سوٹ کیس میں کوتوال شہر کے لڑکے کی لاش ہے۔ چلو بھاگ جاؤ۔"

کار فراٹے بھرتی ہوئی چلی گئی۔ فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "ابھی واپس چلتے ہیں۔ دولت آباد والی بس آرہی ہوگی، لیکن اس سے پہلے ہمیں دوسرا میک اپ کرنا پڑے گا۔ کہو کیسی رہی۔"

یا بوریت پھیلائی ہے آپ نے۔"

بس دیکھتے جاؤ۔ اس کیس میں ذہنی جمناسٹک نہیں کرنا چاہتا اس بار تم مجھے ایک بالکل ہی یقے کا موجد پاؤ گے۔"

سوٹ کیس میں موت

دسری صبح جلال پور کے اخبار بیچنے والوں کے لئے بڑی منفعت بخش تھی۔ شائد ٹیکسی نے بھی رات کو رپورٹ داغ دی تھی اور وہ حراست میں لے لیا گیا تھا۔ اخبارات نے بڑی حاشیہ آرائیاں کی تھیں۔ فریدی اور حمید ریلوے اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں بیٹھے ایک پنے سامنے پھیلائے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

"میں آپ کو بالکل ہی نئے روپ میں دیکھ رہا ہوں۔" بالآخر حمید بولا۔

"کیا تمہیں میرا یہ روپ پسند نہیں آیا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"معاف کیجئے گا مجھے ایسی حرکتوں سے دلچسپی نہیں۔ اگر پکڑے گئے تو پہلے تو عزت اتر ہی لی۔"

"کون! یہ موٹی عقل والے ہمیں پکڑیں گے۔ کیا تم وہ تجوری[1] والا کیس بھول گئے جس میں اپنے ہی شہر میں کیا کچھ نہیں کر ڈالا تھا۔"

"مگر مجھے یہ طریقہ بالکل پسند نہیں۔"

"تم خود کو دھوکا دے رہے ہو۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ جو کچھ مجھے پسند ہے وہی تم بھی پسند ہو۔"

"غلط فہمی ہے آپ کی۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اور میں یہ جتا دینا چاہتا ہوں کہ اب مجھے ماکرنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔"

"ایک نہیں چار فرزند.... مگر ابھی مجھے بور مت کرو۔"

"میں تو چلا ڈاکٹر جھوس کے یہاں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

---

[1] اس ہنگامہ خیز داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "تجوری کا راز" جلد نمبر 1 پڑھیئے۔

"اس شکل میں۔" فریدی اس کی مصنوعی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"کسی خوبصورت سے میک اپ میں۔" حمید بڑبڑایا۔ "خدا کی قسم میں اس کی عینک... ہائے ہائے

"شٹ اپ فضول باتیں چھوڑو۔ اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ جاوید پریشان کیوں ہے۔"

"اور مجھے یہ دیکھنا ہے کہ ملک الموت آج کل کیا تخلص کر رہے ہیں۔"

"ہشت....!"

"اب میں سمجھا۔" حمید سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔

"کیا سمجھے؟"

"یہی کہ اگر ایٹمی قوت کو مکھیاں اور مچھر مارنے میں صرف کیا جائے تو انسانیت کی بہت بڑ خدمت ہو سکتی ہے۔"

"پھر بکواس کرنے لگے۔"

"ارے سرکار میں تو ازلی خبطی ہوں لیکن کیا میں ایشیاء کے عظیم ترین سراغ رساں سے پوچھنے کی زحمت گوارا کر سکتا ہوں کہ اس نے ایک معمولی سے قتل کے کیس میں اتنا پیچیدہ راہ کیوں اختیار کیا ہے۔"

"ایشیا کا عظیم ترین سراغ رساں کبھی کبھی تفریح کے موڈ میں آتا ہے۔"

"اور یہ تفریح۔" حمید ہونٹ بھینچ کر ہنسا۔ "کچھ اس قسم کی ہے کہ بال بچے دار س انسپکٹروں کو غسلخانہ دکھا دیا جاتا ہے۔ مانتا ہوں فریدی صاحب پچھلی رات آپ سے غلطی ہوا ٹیکسی ڈرائیور سے دراصل یہ کہنا چاہئے تھا کہ میرے سوٹ کیس میں کوتوال شہر کی بیوی کے پ پرانے سینڈل ہیں اور ان سینڈلوں سے میں اپنی محبوبہ کے ابا کا مقبرہ تعمیر کروں گا۔"

"یہ تو دیکھو کہ وہ اخبارات، جو جاوید کو ایک کھلا ہوا مجرم گردان رہے تھے وہی اب اُس بیگناہی ثابت کرنے پر تل گئے ہیں۔"

"تو آپ نے یہ سب کچھ اسی لئے کیا تھا۔"

"ارادہ تو نہیں تھا، مگر یہ سب کچھ اچانک ہو گیا۔" فریدی نے کہا۔

"ایک بات کی خوشی ہے کہ یہاں کی پولیس سست نہیں ہے۔ برادر ہوڈ کلب میں حاد ہوتے ہی وہ پہلی ہاتھ آئی ہوئی کڑی پر دوڑ گئے اگر وہ سب انسپکٹر اچانک نہ پہنچ جاتا تو واقعات کی

نہ ہوتی۔"

"لیکن وہ بیچارہ ٹیکسی ڈرائیور مفت میں پکڑا گیا۔"

"وہ چھوڑ دیا جائے گا.... اُسے فی الحال شبہے میں روکا گیا ہو گا۔"

"لیکن آپ جاوید کو نہ دیکھ سکے۔"

"جاوید۔" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "جاوید کی پوزیشن میرے ذہن میں صاف نہیں ہے۔"

"آپ اُس کی طرف سے مشکوک ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"مشکوک نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس کا رومال لاش کے قریب ہی پایا گیا ہے۔"

"تو پھر آپ نے خواہ مخواہ اتنی اچھل کود کیوں کی۔"

"سانپ کو اس کے بل سے نکالنے کے لئے۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ ارے صاحب اب تو صحیح مجرم مطمئن ہو گیا ہو گا۔"

"سانپ اس وقت تک بل سے نہیں نکلتا جب تک اپنی سلامتی کیطرف سے مطمئن نہیں ہو جاتا۔ م یا مجرموں کو اس بات کی فکر ہو گی کہ ان کا جرم اپنے سر منڈھنے والے کون ہو سکتے ہیں۔"

"اگر فرض کیجئے جاوید ہی ہوا تو۔"

"ہم اُسے سعیدہ کی رپورٹ کے خلاف ہشاش بشاش پائیں گے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "مقتولہ رفعت نعیم کی بیوی تھی۔ اس کی پالیسی پاس ہزار کی تھی۔ اُسے کسی نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد رفعت نعیم بھی مارا گیا.... ورنہ شبہہ ا پر بھی ہو سکتا تھا۔"

"اور کیا تم نے اخبار میں یہ نہیں دیکھا کہ رفعت کی زندگی بھی بیمہ شدہ تھی، اس کی پالیسی گی پچاس ہزار کی تھی۔"

"تب تو معاملہ صاف ہے۔ یہ کسی ایسے آدمی کی حرکت ہے جسے ان دونوں کی موتوں سے ائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

"اُس اپاہج لڑکی کے علاوہ اور کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"اگر میں اس اپاہج لڑکی کو ایک نظر دیکھ لوں تو کیا حرج ہے۔" حمید نے کہا۔

"ختم کرو! یہ قصہ! ہم کب تک یہاں بیٹھے رہیں گے۔"

"جب تک کہ کسی ٹرین سے کوئی خوبصورت لڑکی نہ اترے۔ آپ نہیں جانتے! حسین چہ
ایک اچھا شگون ہے۔"

"چلو اٹھو.....!"

"بہتر ہے! اب غالباً میر کلو کی سرائے میں قیام ہوگا۔"

"اگر وہیں پناہ مل جائے تب بھی غنیمت ہے۔" فریدی بولا۔

"کیوں؟"

"آج سے جلال آباد میں دو آدمی ایک ساتھ مشتبہ نظروں سے دیکھے جائیں گے، خصوص
ہوٹلوں میں۔"

"تب تو پھر پروفیسر جھوس۔"

"یہی میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

"لیکن میں میلاد خوانوں جیسی ڈاڑھی لگا کر ہرگز نہ جاؤں گا۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "آپ
کی ڈاڑھی آرٹسٹک ہے۔"

فریدی نے دھکے دے کر اُسے ویٹنگ روم سے باہر نکالا۔

"لیکن اُس سامان کا کیا ہوگا، جو ہوٹل میں رہ گیا۔" حمید نے کہا۔

"وہ اس وقت کوتوالی میں ہوگا اور مٹی کے شیر اُسے اچھی طرح الٹ پلٹ کر دیکھ رہے ہوں
گے۔ بہرحال اب بہتیرا سامان دوبارہ خریدنا پڑے گا۔ میرے خیال سے تجویز یہ بہتر رہے گی کہ تم
ضروری سامان خرید کر پروفیسر جھوس کے یہاں چلے جاؤ۔ اُس سے کہنا کہ تم پروفیسر چنگھاڑنی کے
اسسٹنٹ ہو۔ ڈاکٹر زیٹو کے متعلق پوچھے تو کہہ دینا کہ پروفیسر نے اُسے اصیل مرغوں کے لئے
کہیں بھیجا ہے۔"

"مگر میری ڈاڑھی۔"

"بغیر ڈاڑھی کے بھی تم پہچانے نہ جاسکو گے۔"

"مگر مجھے یہ صورت پسند نہیں۔"

"ارے او کم بخت کیا تم یہاں عشق لڑانے آئے ہو۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"نہ لڑانے کی قسم تو کھا کر نہیں آیا۔"

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ حمید اس کے پیچھے لپکا۔ اس کے ہاتھ میں
ی کیس تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سوٹ کیس کی بدولت وہ دھرا نہ جائے۔

فریدی اسٹیشن سے باہر نکلتے ہی ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر کسی طرف چل دیا تھا۔ حمید کبھی سوٹ
ں پر قہر بھری نظریں ڈالتا تھا اور کبھی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگتا تھا۔

چند لمحے وہ اپنی گدی سہلاتا رہا پھر اسٹیشن کے اندر چلا گیا۔ ویٹنگ روم میں پہنچ کر اس نے
اُدھر نظریں دوڑائیں اور میدان صاف دیکھ کر سوٹ کیس سمیت ایک غسلخانے میں گھس گیا۔

یہاں اس نے آئینے کے سامنے اپنی ڈاڑھی الگ کی۔ پھر سوٹ کیس کھول کر دو تین شیشوں
تھوڑا تھوڑا سیال لے کر اپنے چہرے پر ملتا رہا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پہلا میک اپ بالکل ختم ہو گیا
اس کی اصل صورت ظاہر ہو گئی۔ اس اثناء میں اس نے اندر لگا ہوا پائپ پوری دھار سے کھول
تا کہ باہر والے غسلخانہ خالی نہ سمجھ کر دروازے کو دھکا دینے کی زحمت گوارا نہ کریں۔

ندرہ بیس منٹ کی محنت سے اُس نے اپنے خدوخال بدل دیئے اور انہیں ایک حد تک
ب توجہ بھی بنا لیا۔ معاملہ چونکہ ایک خوبصورت لڑکی کا تھا اس لئے اس نے فریدی کی گذشتہ
تیں بالکل ہی فراموش کر دی تھیں۔ فریدی کا قول تھا کہ سراغ رساں کا میک اپ ایسا ہونا
ئے کہ وہ عام آدمیوں کی بھیڑ میں کسی نمایاں خصوصیت کا حامل نہ ہو، سوائے ایسے حالات میں
ب کہ وہ خود ہی لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہو۔

یہ موقع بھی کچھ اسی قسم کا تھا کہ حمید کو اُس کے قول پر عمل کرنا چاہئے تھا۔ مقامی
۔آئی۔ڈی کے آدمی شہر کے چپے چپے پر پھیل گئے تھے اور وہ کسی مشتبہ آدمی کو چیک کئے بغیر
قدم بھی آگے نہیں بڑھنے دے رہے تھے۔

حمید سوٹ کیس لٹکائے ہوئے غسلخانے سے برآمد ہوا۔ وہ ایک شدید قسم کی الجھن میں مبتلا
اور الجھن کی وجہ وہ سوٹ کیس تھا جس میں فریدی نے وہ سب اہم چیزیں رکھ لی تھیں جنہیں
مانے اپنے سامان کے ساتھ ہوٹل میں چھوڑنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ اُسے الجھن بالکل نہ ہوتی مگر
مانے غسلخانے سے نکلتے ہی ویٹنگ روم کے دروازے سے کچھ پولیس کانسٹیبلوں کو دیکھ لیا تھا جو
ڑکے نیچے پڑے ہوئے مسافروں کے سامان کی تلاشیاں لے رہے تھے۔

حمید نے چاہا کہ چپ چاپ نظریں بچا کر نکل جائے، لیکن ان کانسٹیبلوں کے انچارج نے

اُسے دیکھ لیا۔

"اے ہے مسٹر۔" اُس نے اُسے آواز دی۔

حمید رک گیا۔ سب انسپکٹر اُسے گھورتا ہوا تیزی سے آگے بڑھا۔ اُس کی نظریں اُس کے چہرے پر اس طرح جمی ہوئی تھیں، جیسے وہ اُسے پہچاننے کی کوشش کررہا ہو۔ پھر وہ اپنی نوٹ بک کھول کر اُس کے صفحے پر نظر جمائے ہوئے بڑبڑانے لگا۔ "اونچی پیشانی.... رنگت گوری.. ڈاڑھی مونچھیں صاف.... پیلا سوٹ کیس۔"

اُس نے نوٹ بک بند کر کے چٹکی بجائی اور حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ "ہمیں تمہاری تلاش تھی،"

"کیوں! کس لئے؟" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"اوہ! اب یہ بھی بتانا پڑے گا۔" اُس نے طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ پھر اُس اپنے ساتھیوں نے چیخ کر کہا اور وہ حمید کے گرد اکٹھا ہوگئے۔

"آخر بات کیا ہے!" حمید تیز لہجے میں بولا۔

"سوٹ کیس میں کیا ہے۔"

"ڈاڑھیاں.... مونچھیں.... پاؤڈر! کریم! عطر! لیونڈر.... اور میک اپ کا دوسرا سامان۔"

"اور کوکین....!" سب انسپکٹر زہر خند کے ساتھ بولا۔

"کیا....!" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "ایک فلم ایکٹر کے پاس کوکین کا کیا کام۔"

"فلم ایکٹر....!"

"جی ہاں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ملک کے مشہور فلم ڈائریکٹر مسٹر سلمان اپنی تاریخی فلم 'محمد شاہ رنگیلے' جلال آباد کی تاریخی عمارت میں فلمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہماری پوری ٹیم دوسری ٹرین سے یہاں پہنچے گی۔"

"مگر ہمیں اطلاع ملی ہے کہ آپ کے سوٹ کیس میں افیون اور کوکین ہیں۔"

"جو چیزیں میں نے آپ کو بتائی ہیں ان کے علاوہ آپ کو اور کچھ نہیں ملے گا۔" حمید نے جھنجھلا کر سوٹ کیس سب انسپکٹر کے سامنے پٹخ دیا۔

"اُسے کھولئے۔"

"آپ ہی کھولئے۔" حمید منہ بگاڑ کر بولا۔ "اس میں تالا نہیں ہے۔"

سب انسپکٹر نے سوٹ کیس کھول ڈالا اور حمید دم سادھے کھڑا رہا۔ اس کے ذہن میں اخبار کا جملہ گونج رہا تھا۔ اخبارات نے پچھلی رات کے مجرموں کے متعلق یہ بھی لکھا تھا کہ شائد ان میں سے ایک نے بوڑھے کا میک اپ کر رکھا تھا۔

سب انسپکٹر پانچ چھ منٹ تک سوٹ کیس کو الٹتا پلٹتا رہا۔ پھر سیدھے کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ جھاڑتا ہوا مسکرا کر بولا۔ "مجھے افسوس ہے لیکن کیا کیا جائے ہمیں تو شبہے میں تلاشی لینی ہی پڑتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ڈائریکٹر سلمان صاحب کو ہمارا شہر ہر لحاظ سے پسند آئے گا۔"

"اگر اُن کے سوٹ کیس میں بھی افیون نہ ہوتی۔" حمید بولا۔

"اوہ کیا کیا جائے۔" سب انسپکٹر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "پھر اُس نے پلٹ کر اپنے ماتحتوں کو ہدایات دینی شروع کردیں۔

حمید نے سوٹ کیس بند کیا اور اطمینان سے ٹہلتا ہوا ٹیکسیوں کے اڈے تک آیا۔ اُسے فریدی پر بری طرح غصہ آرہا تھا۔

بہر حال سوٹ کیس اس کے لئے وبال جان ہورہا تھا اور وہ کسی نہ کسی طرح اُس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اس نے ایک ریستوران کے ایک کیبن میں گھس کر چائے کا آرڈر دیا، لیکن اب اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ کیبن میں پردہ تو تھا ہی نہیں، ورنہ اس نے سوچا تھا کہ ناشتے کے دوران میں سوٹ کیس سے اشد ضروری چیزیں نکال کر اُسے وہیں چھوڑ دے گا۔

اتنے میں ناشتہ آگیا اور وہ طوعاً و کرہاً نوالے ٹھونستا رہا۔ اُس نے سوٹ کیس ایک کونے میں چھوڑ دیا تھا۔ بات تو کچھ بھی نہیں تھی، لیکن یہاں پھر فریدی کے اصول اس کا بھیجا چاٹ رہے تھے۔ فریدی کا کہنا تھا کہ کسی کیس کی تفتیش کے دوران میں ایسے پولیس والوں کے ہتھے چڑھ جاؤ جنہیں تم جانتے نہ ہو تو اُن پر اپنی حقیقت ہرگز نہ ظاہر ہونے دو۔

جھلاہٹ میں اس کا دل چاہا کہ اپنے ہی منہ پر تھپڑ مارنا شروع کردے۔ چائے کی ایک پیالی ختم کر کے اُس نے دوسری لبریز کی اور اُسے اپنے ہونٹوں کی طرف لے ہی جارہا تھا کہ ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ پیالی اس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑی اور وہ خود اچھل کر میز پر چڑھ گیا.... دوسرے لمحے میں اس نے میز پر سے چھلانگ لگائی کیونکہ دھوئیں میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا، لیکن اس کی حاضر دماغی کی داد دینی پڑتی ہے کیونکہ کیبن سے باہر نکلتے ہی اُس نے چاروں طرف زور

سے کہا۔

"یہ کیا ہوا.... ؟ یہ دھماکہ کہاں ہوا۔"

وہ لوگ، جو اس کے کیبن کی طرف بے تحاشہ بڑھ رہے تھے رک گئے۔ "ارے آگ" اُن میں سے کسی نے چیخ کر کہا۔ کیبن جل رہا تھا۔ سارے لوگ آگ آگ کا شور مچاتے ہوئے سڑک پر آگئے۔ حمید بھی انہیں میں تھا اور وہ چپکے سے کھسک گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھا ہوا اپنے چہرے کا پسینہ خشک کر رہا تھا اور اس کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے اُس سوٹ کیس کے چیتھڑے اڑتے دیکھے تھے، جس سے وہ پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اُسے اچھی طرح یقین تھا کہ فریدی اس قسم کا جان لیوا مذاق نہیں کر سکتا اور پھر اس وقت بھی اُسے سوٹ کیس میں کوئی ایسی خطرناک چیز نہیں نظر آئی تھی جب وہ ویٹنگ روم کے غسلخانے میں میک اپ کر رہا تھا۔ پھر آخر وہ ٹائم بم کہاں سے ٹپکا تھا۔ اچانک اُسے وہ سب انسپکٹر یاد آیا جس نے اس سوٹ کیس کی تلاشی لی تھی۔ مگر وہ اس قسم کی کوئی حرکت کیوں کرتا۔ حمید خیالات میں الجھا رہا اور ٹیکسی پروفیسر جھوس کی کوٹھی کے سامنے رک گئی۔

اتفاق سے سلیمہ برآمدے ہی میں کھڑی ہوئی تھی۔ حمید بڑے ادب سے اپنی فلٹ ہیٹ اتار کر تھوڑا سا جھکا اور پھر سیدھا ہو گیا۔

"کیا پروفیسر جھوس تشریف رکھتے ہیں۔"

"جی ہاں.... فرمایئے۔" سلیمہ رک رک کر بولی۔ وہ حمید کو عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔

"کیا پروفیسر چنگھاڑنی آگئے۔"

"جی نہیں!" سلیمہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ان کا فون آیا تھا کہ ان کا سیکریٹری سامان لے کر آئے گا۔"

"میں اُن کا سیکریٹری ہوں۔"

"ہوں گے۔" اُس نے لاپروائی سے کہا اور جانے کے لئے مڑی۔

"اوہ.... سنئے تو سہی۔"

"محض سنئے کافی تھا۔ اس میں تو سہی کے اضافے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

"شوق سے لے جایئے۔"

"کہنے کا مطلب یہ ہے۔" حمید ہکلایا۔

"تو آپ کہیں گے بھی اور مطلب بھی بتائیں گے۔ گویا بور کریں گے۔"

"مجھے پروفیسر جھوس کے پاس لے چلئے۔"

"چلئے! پہلے ہی کہہ دیا ہوتا اتنا وقت کیوں برباد کیا؟"

وہ اسے کمرے میں لے آئی جہاں پچھلے روز حمید نے پروفیسر جھوس سے ملاقات کی تھی۔ ہی سلیمہ نے پروفیسر کو یہ بتایا کہ وہ پروفیسر چنگھاڑنی کا سکریٹری ہے پروفیسر بے اختیار اچھل ر مضطربانہ انداز میں اپنا داہنا ہاتھ ہلا کر بولا۔ "اوہو! مائی ڈیئر سر! فوراً شرما روڈ کے کیفے ڈی رس میں پہنچئے۔ پروفیسر چنگھاڑنی آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہاں ایک ایسے مرغ کو ذبح نے سے بچانا چاہتے ہیں جس میں پانچ زردیاں پیدا کرنے کی صلاحیتوں کے امکانات پائے جاتے ۔ پروفیسر نے پندرہ منٹ قبل مجھے فون کیا ہے۔ جلدی کیجئے ڈیئر مسٹر سکریٹری۔"

حمید الٹے پاؤں واپس ہوا۔ سلیمہ بھی اسکے ساتھ تھی۔ برآمدے میں اُس نے اُسے روک لیا۔

"آخر یہ کیا مذاق ہے۔" اُس نے حمید کو گھور کر کہا۔

"میں نہیں سمجھا! محترمہ۔"

"یہ چنگھاڑنی کیا بلا ہے۔"

"جھوس کسے کہتے ہیں۔" حمید نے اُسی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"اوہ یہ تو انگریزوں کی حرکت ہے۔" سلیمہ تڑ سے بولی۔ "کم بختوں نے موج کو جھوس یا۔ بالکل اُسی طرح جیسے ٹھاکر کو ٹیگور کر دیا۔"

"اور اُدھر چند دراوڑ نسل کے جرمنوں نے پروفیسر چکارنی کو بگاڑ کر چنگھاڑنی بنا دیا۔"

"جرمن دراوڑ نہیں آریائی نسل سے ہیں۔" سلیمہ جھنجھلا کر بولی۔

"ضروری نہیں کچھ دراوڑ بھی ہیں بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ وہ قوالی بھی سنتے ہ۔"

”فضول! آپ مسخرے ہیں۔“

”جی نہیں میں سائنٹسٹ ہوں۔ میں شلجم کے بیج سے ٹماٹر اگا سکتا ہوں۔“

”کیا؟“ سلیمہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر چیخی۔

”جی ہاں اور اس میں اتنے ہی وٹامن پائے جا سکتے ہیں جتنے کہ انڈے میں ہوتے ہیں۔“

”جتنی جلد ہو سکے یہاں سے چل دیجئے ورنہ میرا غصہ بڑا خراب ہے۔“

”کیوں محترمہ.....!“ حمید نے سہم جانے کی ایکٹنگ کی۔ ”کیا مجھ سے کوئی گستاخی ہوئی؟“

”آپ جاتے ہیں یا میں اپنے کتوں کو آواز دوں۔“

حمید نے بڑے ادب سے فلٹ ہیٹ اتاری اور قدرے جھک کر ایک معزز مہمان کی طرح رخصت ہو گیا۔

تیسری لاش

فریدی کیفے ڈی سائپر لیس میں حمید کا انتظار کر رہا تھا۔ حمید راستے پھر سوچتا آیا تھا کہ شاید فریدی اُسے نئے میک اپ کی وجہ سے نہ پہچان سکے۔

کیفے ڈی سائپر لیس ایک چھوٹا سا لیکن سلیقے کا کیفے تھا۔ وہاں بمشکل تمام پندرہ یا بیس میزیں رہی ہوں گی، لیکن اس کے باوجود بھی وہ کم از کم متوسط طبقے کے لوگوں کے لئے بہت مہنگا پڑتا تھا۔

فریدی دروازے کے قریب ہی والی میز پر بیٹھا تھا۔ جیسے ہی حمید اندر داخل ہوا فریدی نے مسکرا کر اُسے آنکھ ماری۔

”واقعی آپ انتہائی خطرناک ہیں۔“

”کیوں! کیا اسلئے کہ تمہیں ایک ہی نظر میں پہچان لیا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ذرا آہستہ بولا۔“

”آہستہ واہستہ کی ایسی تیسی۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔ ”اگر آپ میری جان لینا چاہتے ہیں تو ویسے ہی گولی مار دیجئے۔“

”خیریت۔“ فریدی اُسے گھور کر بولا۔ ”کیا بات ہے۔ سچ مچ تم کچھ جھلائے ہوئے معلوم ہو رہے ہو۔“

ہیں صاحب میں تو فلمی مسخرے گوپ کی طرح خوش ہوں۔ لیکن اس کا افسوس ضرور ں بڑا سخت جان ہوں۔“

یھ بکو گے بھی۔“

یں آپ کی اسکیم کے مطابق مر نہیں سکا۔“ حمید نے اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا اور پھر ہنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ فریدی نے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔

س وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

خاہ! تو میں مذاق کر رہا ہوں۔ آخر سوٹ کیس میں بم رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔“

بم.....!“ فریدی چونک کر بولا۔ ”کیا بکتے ہو۔“

لیا؟ آپ نے اس میں بم نہیں رکھا تھا۔“

یدی کوئی جواب دینے کے بجائے پُر خیال انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ چند اُس نے کہا۔

تم نے وہ سوٹ کیس کہاں چھوڑا تھا۔“

چھاتی سے تو چپکائے رہا تھا آپ پوچھتے ہیں کہاں چھوڑا تھا۔“

آخر بات کیا ہوئی؟“

ید چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر اُس نے شروع سے آخر تک پورا واقعہ دہرا دیا۔

صرف اُسی سب انسپکٹر نے تلاشی لی تھی۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

نہیں اس کے سسرال والے بھی آئے تھے۔“

حمید خدا کے لئے سنجیدہ ہو جاؤ۔“

اگر میں سنجیدہ نہ ہوتا تو خودکشی کر لیتا جناب۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کے ماتھے پر سلوٹیں اُبھر آئی تھیں اور ہر وقت نیم غنودگی کی سی میں رہنے والی آنکھوں میں ہلکی سی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”تو مطلب یہ ہے کہ کچھ نامعلوم لوگ موجودہ حالت میں بھی ہماری اصلیت سے واقف ہیں۔“

”کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ بم اسی سب انسپکٹر نے رکھا تھا۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جاسکتا۔ ہو سکتا ہے کہ تلاشی کے دوران میں کسی

دوسرے نے یہ حرکت کی ہو۔"

"ناممکن ہے۔" حمید نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔ "میری نظریں ایک پل کے لِ
سوٹ کیس سے نہیں ہٹی تھیں۔"

"تمہاری نظریں بہک بھی سکتی ہیں۔" فریدی بولا۔ "مثال کے طور پر میں تمہیں ا
کر کے تمہاری جیبوں سے اس کیفے کے چمچے چھریاں اور کانٹے بر آمد کر سکتا ہوں۔"

"اچھا تو پچھلی رات آپ ہی نے میری جیب کاٹی تھی۔"

"حمید فضول بکواس نہیں.... یہ کام کا وقت ہے۔"

"اگر یہی حالت رہی تو انشاء اللہ جلد ہی کام تمام ہو جائے گا۔"

"وہ لوگ کون ہو سکتے ہیں۔" فریدی پُر خیال انداز میں زیرِ لب بڑبڑایا۔

"میرے داماد کے ساڑھو کے سالے کے بھتیجے کے دادا زاد بھائی۔"

فریدی اُسے محض گھور کر رہ گیا۔ انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ بولنے پر اُ
خیالات کی کڑیاں ٹوٹ کر بکھر جائیں گی۔

"میں کہتا ہوں اگر وہ سوٹ کیس میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں کہاں ہوتا۔" حمید میز پر
مار کر بولا۔

"جہنم میں۔" فریدی جیب سے سگار کیس نکالتا ہوا بڑبڑایا۔ اس نے خالی الذہنی کے سے
میں ایک سگار منتخب کیا اور اُسے ہونٹوں میں دبا کر پھر کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کیا وہ ریلوے پولیس کا عملہ تھا۔"

"جی ہاں! ریلوے پولیس ہمیشہ حاملہ رہتی ہیں۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"اس دھماکے کے بعد سے میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں اور اب مجھے ایسا محسوس ہو
جیسے میری کھوپڑی پر ربڑ کی کاشت ہوتی ہو۔ آج اتوار ہے اور کل جمعرات ہو گی۔ سات د
میں صرف ایک یہی محترمہ مونث ہیں! یہی وجہ ہے کہ روز جمعرات رہتی ہے۔"

فریدی اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا اور حمید کی بڑبڑاہٹ جاری رہی۔ "ذرا دیکھ
آپ کے فاؤنٹین پن میں کیا وقت ہوا ہے۔ میرا فاؤنٹین پن تو ساڑھے بارہ بجا رہا ہے۔ ویسے

یں ایک گیت گانا چاہتا ہوں! جس کے بول ہیں، ندی رے ندی تیری گھوڑی چنے کے
ہیں۔"

"میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔" فریدی غرایا۔

"ربڑ کی کاشت برباد ہو جائے گی اور نتیجے کے طور پر چیونگم سے محروم ہو جائیں گے۔"

"حمید کیوں شامت آئی ہے۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ اب اس کی توجہ کا مرکز دو لڑکیاں بن گئی تھیں جو ابھی ابھی
آکر اُن کے قریب ہی کی میز پر بیٹھی تھی۔

وہ چند لمحے انہیں دیکھتا رہا پھر فریدی کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔ "دونوں نکچڑھی
م ہوتی ہیں۔"

فریدی سچ مچ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ حمید نے سوچا کہ اب اُسے زیادہ تاؤ دلانا مناسب
اس لئے وہ سنجیدہ ہو جانے کی کوشش کرنے لگا۔

"اور اس جاوید کا کیا رہا۔" اس نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "میں اُسے ایک
دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا کرو گے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "یہ ساری چیزیں تم جیسے غیر سنجیدہ آدمی کی
ا کی نہیں۔"

"سنئے جناب۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "کیا آپ سچ مچ یہ چاہتے ہیں کہ میں
ا ہو جاؤں۔ اگر اس حادثے کے بعد بھی آپ کو میری خوش طبعی گراں گذر رہی ہے تو میں باز
اس محکمے سے! چنا جور گرم بیچ کر زندگی بسر کرلوں گا۔"

"بس اتنے ہی میں پاگل ہو جانے کا خدشہ لاحق ہو گیا۔" فریدی نے زہر خندہ کے ساتھ کہا۔
لمانے کئی کئی دن سنسناتی ہوئی گولیوں کے درمیان گذارے ہیں۔"

"خیر آپ کی بات الگ ہے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "نہ میں بارود پھانکتا ہوں اور نہ پٹرول
اہوں۔"

"تمہیں صرف ندیدے کتے کی طرح عورتوں کے پیچھے بھاگنا آتا ہے۔"

حمید پائپ سلگانے لگا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ حمید پائپ سلگانے کے بعد پھر لڑکیوں کی

طرف متوجہ ہو گیا تھا اور وہ لڑکیاں صرف اپنے سامنے رکھی ہوئی پلیٹوں کی طرف دھیان
رہی تھیں۔

حمید کچھ کہنے کے لئے فریدی کی طرف مڑا۔ لیکن فریدی کی کرسی خالی تھی۔ وہ بو
چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میز پر وہ سگار جوں کا توں پڑا تھا جسے فریدی نے گفتگو کے دوران میں
کے لئے نکالا تھا۔

حمید اس کا انتظار کرتا رہا۔ پندرہ منٹ گذر گئے اور پھر حمید کی اکتاہٹ بڑھنے لگی۔ وہ ا
ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک چھوٹا سا لڑکا اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے جیب میں
ڈال کر ایک مڑا تڑا سا کاغذ نکالا اور حمید کے ہاتھ میں پکڑا کر کھڑا ہو گیا۔ کاغذ پر تحریر تھا۔
لڑکے کو ایک چونی دے دو اور تم فوراً جی روڈ کے کراسنگ پر آجاؤ۔" نیچے فریدی کے دستخط

حمید نے لڑکے کو چونی دی۔ جی روڈ کا چوراہا زیادہ دور نہیں تھا۔

حمید نے فریدی کو دیکھا، جو ایک ٹیکسی کے پائیدان پر پیر رکھے شائد اسی کا انتظار کر
قریب پہنچنے پر اس نے اُسے اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گیا۔ ٹیکسی چل پڑی۔

"اس طرح کیوں غائب ہوئے تھے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"جاوید۔" فریدی زیرِ لب بڑبڑا کر رہ گیا۔

"کیا یہ ٹیکسی ڈرائیور۔"

"نہیں وہ اگلی ٹیکسی میں ہے۔"

"کہاں تھا۔"

"وہیں جہاں ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ میں وہاں وقت گذاری نہیں کر رہا تھا۔"

"وہاں تھا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"وہاں وہ کسی کا انتظار کر رہا تھا اور جب تم اُن لڑکیوں کو سونگھنے میں مشغول تھے تو ایک
نے فٹ پاتھ سے اُسے کسی قسم کا اشارہ کیا تھا۔ جس کے جواب میں وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔
اب دونوں اگلی ٹیکسی میں جا رہے ہیں۔"

"دوسرا آدمی کون ہے؟"

"کوئی بھی ہو..... لیکن وہ اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔"

"آپ نے مجھے وہیں کیوں نہیں بتایا۔"

"تم سنجیدہ نہیں تھے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "بعض اوقات تم شدت سے کھلنے لگتے ہو۔"

حمید خاموش رہا۔

فریدی کی ٹیکسی آگے جانے والی ٹیکسی سے کافی فاصلے پر تھی۔

"کیا آپ محض اس بناء پر اس کا تعاقب کر رہے ہیں کہ اس کا ساتھی صورت سے اچھا آدمی
معلوم ہوتا۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"میں صبح ہی سے اس کا تعاقب کر رہا ہوں۔" فریدی بولا۔

"لیکن آپ تو اسے پہچانتے ہی نہیں تھے۔"

"میں صبح اُس کے گھر گیا تھا۔"

"گھر گئے تھے۔" حمید نے متحیرانہ لہجے میں دہرایا۔

فریدی خاموش رہا۔ اس کی نظریں آگے والی ٹیکسی پر جمی ہوئی تھیں۔

حمید تنگ آکر پروفیسر جھوس کی لڑکی کے متعلق سوچنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اگلی ٹیکسی میونسپل گارڈن کے پھاٹک پر رک گئی۔

"آگے بڑھ چلو۔" فریدی نے ڈرائیور سے کہا اور پچھلے شیشے سے باہر کی طرف دیکھنے
۔حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ ان کی ٹیکسی آگے نکل آئی تھی۔ رکی ہوئی ٹیکسی سے دو آدمی
کر میونسپل گارڈن میں داخل ہو گئے۔ فریدی نے مڑ کر ڈرائیور سے ٹیکسی روکنے کو کہا۔

میونسپل گارڈن کا شمار شہر کی بہترین تفریح گاہوں میں ہوتا تھا۔ باغ کے مشرقی سرے پر
ک جانب ایک طویل و عریض دار المطالعہ تھا جس کی بالائی منزل بعض پبلک تقریبات کے
قعوں پر نشست گاہ کا کام بھی دیتی تھی۔

فریدی نے باغ میں داخل ہر کر ان دو آدمیوں کی طرف اشارہ کیا، جو دار المطالعہ کی طرف
ہے تھے۔ پھر انہوں نے ان دونوں کو اوپری منزل کے زینوں پر چڑھتے دیکھا۔

جاوید کے متعلق اندازہ لگانے میں حمید کو بھی کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ اس کا چہرہ ستا ہوا
ا اور آنکھوں میں عجیب طرح کی وحشت پائی جاتی تھی۔ ویسے چند روز پیشتر وہ یقیناً ایک قبول
صورت اور ہنس مکھ نوجوان رہا ہوگا۔

فریدی اور حمید بھی اوپری منزل پر پہنچ گئے اور انہیں اُن دونوں کی نظروں سے پوشیدہ رہنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ ہال کے ایک گوشے میں فرنیچر کا انبار لگا ہوا تھا۔ وہ دونوں اس گیلری سے گذرتے ہوئے اُس دریچے میں داخل ہوگئے جس کے سامنے فرنیچر کا انبار تھا۔

جاوید کا ساتھی ایک گیم شحیم آدمی تھا جس نے صرف ایک پتلون اور قمیض پہن رکھی تھی کمر میں فولادی کیلیں جڑی ہوئی چمڑے کی پیٹی تھی اور اس کا بھاری جبڑہ اس کی اذیت پسند طبیعت کی غمازی کر رہا تھا۔

"میں سمجھتا تھا کہ تم سمجھدار آدمی ہو۔" وہ جاوید سے کہہ رہا تھا۔

"میں مجبور ہوں.... بالکل مجبور ہوں۔" جاوید کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"کوئی یقین نہیں کر سکتا۔" دوسرا آدمی لاپروائی سے شانے ہلا کر بولا۔

"تم لوگ کروڑ پتی ہو۔"

"میں کیسے بتاؤں کہ دادا جان....!"

"دادا جان۔" دوسرا آدمی طنزیہ لہجے میں بات کاٹ کر بولا۔ "میں کس طرح یقین کرلوں کہ انہیں تمہاری زندگی عزیز نہیں۔"

"میں نے انہیں یہ نہیں بتایا۔"

"تو بتادو نا۔"

"وہ پولیس کو اطلاع دے دیں گے۔"

"جس کا نتیجہ تمہاری پھانسی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔" دوسرا آدمی مسکرا کر بولا۔

"میں جانتا ہوں، وہ ضدی آدمی ہیں۔ انہیں سمجھانا بیکار ہوگا۔"

"تو پھر تم انتظار کرو۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

"میں قیامت تک نہیں کر سکتا۔ میرے ہاتھ میں کچھ نہیں۔"

"یہ غلط ہے! جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کرو۔ میں جانتا ہوں کہ بزنس تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

"لیکن میں صرف منیجر ہوں۔ حسابات دادا جان رکھتے ہیں۔ بینک میں بھی انہیں کا نام چلتا ہے۔"

"تم جانو۔" دوسرے آدمی نے پھر لاپروائی سے اپنے شانوں کو حرکت دی۔

"میں تھوڑا.... تھوڑا کر کے۔"

"فضول ہے۔" اس نے جاوید کی بات کاٹ دی۔ "میں سمجھا تھا کہ تم آج معاملات صاف ...ی۔ مگر تم بڑے ناسمجھ ثابت ہوئے۔ خیر پولیس خود ہی سمجھ لے گی۔"

دوسرا آدمی جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہرو تو سہی۔" جاوید اُسے روک کر بولا۔ "میں اس وقت پندرہ ہزار دے سکتا ہوں۔"

"پچاس ہزار یکمشت۔ اگر ایک ہفتہ کی بھی دیر ہوئی تو ایک لاکھ.... اس کے بعد تو پھر تم ہی ہو۔"

"بقیہ میں جلد ہی دے دوں گا۔"

"بیکار ہے! ہمیں یکمشت چاہئے۔ ایک مالدار آدمی کی زندگی کیلئے یہ رقم بہت زیادہ نہیں ہے۔"

"تب تو مجھے خودکشی ہی کرنی پڑے گی۔"

"بہت مناسب ہے۔" دوسرا آدمی بے دردی سے بولا۔ "ہم ایک جھنجھٹ سے بچ جائیں تمہاری وجہ سے ہمارا بہت وقت برباد ہوتا ہے۔"

جاوید اُسے ایک لمحہ گھورتا رہا۔ اُس کے سُتے ہوئے ہیجان چہرے پر دفعتاً سرخی جھلکنے لگی اور ...نے اُس کی آنکھوں میں ایک خوفناک چمک دیکھی۔

"تم ایک ہفتے کی بھی مہلت نہیں دے سکتے۔" اُس نے دوسرے آدمی سے کہا۔ "میں صرف مہلت کے لئے تمہیں پندرہ ہزار دے سکتا ہوں۔ اور پچاس ہزار کا انتظام میں ایک ہفتے میں ...لا گا۔"

"میں کیا کروں دوسرے نہیں مانتے۔" اس بار دوسرے آدمی کا لہجہ نرم تھا۔

"کیا مہلت کے لئے پندرہ ہزار ایسے کم ہیں۔"

"بولو... جلدی کرو.... یہ لو۔" جاوید کا ہاتھ جیب میں گیا اور پھر باہر نکل آیا۔ اُس کی گرفت ...اعشاریہ دو پانچ کا ننھا سا پستول چمک رہا تھا۔ دوسرا آدمی چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"نکالو....!" جاوید کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ "وہ بنڈل میرے حوالے کردو۔ ورنہ یہیں ...کر دوں گا۔"

دوسرا آدمی حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔

"نکالو....!" جاوید دانت پیس کر بولا۔

حمید کچھ کہنے کے لئے فریدی کی طرف پلٹا، لیکن وہ پھر غائب ہو چکا تھا۔ اُسے حیرت تو
لیکن وہ اس مسئلے کو ایک لمحے سے زیادہ کے لئے اپنے ذہن میں نہ رکھ سکا کیونکہ ہال کا منظر اُس
کہیں زیادہ تحیر انگیز تھا۔

"اچھا! تو اب تم اس طرح دھمکاؤ گے۔" دوسرا آدمی جاوید سے کہہ رہا تھا۔

"پیکٹ نکالو۔" جاوید غرایا۔ اس کے جواب میں دوسرا آدمی جس نے اپنی حالت پر قابو
تھا، ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولا۔ "میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ وہ پیکٹ اپنے ساتھ لاتا اور تم یہ
سمجھو کہ میں تنہا ہوں۔"

دفعتاً حمید نے اپنے داہنے شانے پر بوجھ سا محسوس کیا۔ وہ چونک کر مڑا۔ دوسرے ہی
میں ایک ریوالور کا ٹھنڈا لوہا اس کی کنپٹی سے چپک گیا۔

"چلو آواز نہ نکلے۔" بھاری بھر کم آدمی نے دریچے کی طرف اشارہ کیا۔ حمید چپ چاپ
لگا۔ وہ اُسے ہال میں لے آیا۔ اتنی دیر میں نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ اب وہاں کئی آدمی تھے اور
فرش پر چت پڑا گہرے سانس لے رہا تھا۔ شاید اُسے بیہوش کر دیا گیا تھا۔ ایک آدمی جھک کر
کی تلاشی لینے لگا۔

"واقعی پندرہ ہزار لایا تھا۔" وہ نوٹوں کی ایک گڈی سنبھالتا ہوا سیدھا ہو گیا۔

"ارے۔" وہ آدمی جو جاوید کے ساتھ آیا تھا، گھبرائے ہوئے انداز میں اپنی جیبیں ٹٹولتا
بولا۔ "وہ پیکٹ کہاں گیا۔"

"کیا....!" بھاری بھر کم آدمی غرایا۔

"جی ہاں.... وہ پیکٹ میری اس جیب میں تھا۔"

"گدھے! اُلو کے پٹھے۔" بھاری بھر کم آدمی دانت پیس کر بولا۔ "اس کا گلا گھونٹ دو۔"

تین آدمی اُس پر ٹوٹ پڑے۔ اُس نے چیخنا چاہا، لیکن اس کا منہ دبا دیا گیا اور پھر حمید نے
منظر دیکھا کہ اُسے اپنی آنکھیں بند کر لینی پڑیں۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے سر پر بھی کوئی وزنی چیز ماری گئی اور وہ تکلیف کی شدت
سے بوکھلا کر ایک آدمی پر جھپٹ پڑا۔ پھر دوسرا وار بیہوش ہی کر دینے والا ثابت ہوا۔ وہ لہرا
فرش پر آ گرا تھا۔

خطرناک گروہ

حمید ایک تاریک کوٹھری کے فرش پر چت پڑا اپنے دکھتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا، جس
کے پچھلے حصے کا ورم ایک دوسرا سر معلوم ہونے لگا۔ حمید نے دل ہی دل میں اپنے سر پر "ایک
پر ایک بٹا چار" کی پھبتی کہی اور پھر اپنے مقدر کو کوسنے لگا۔ اس کی زندگی میں اس قسم کا پہلا واقعہ
نہیں تھا۔ وہ متعدد بار کئی خطرناک آدمیوں کے ہتھے چڑھ چکا تھا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ شاید فریدی نے پہلے ہی سے خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ اسی لئے وہ
کھسک گیا تھا۔

حمید پر پھر جھلاہٹ کا دورہ پڑ گیا۔ اُسے فریدی کا یہ طریقہ انتہائی ناپسند تھا کہ وہ اُسے بھاڑ میں
جھونک کر خود الگ ہو جاتا تھا۔ اپنا مطلب نکالنے کے لئے دیدہ دانستہ اُسے خطرات کے حوالے
کر دیتا تھا۔ لیکن ان خیالات کے باوجود بھی حمید کو یقین کامل تھا کہ فریدی اس کی طرف سے
غافل نہ ہوگا۔

دفعتاً کوٹھری کا دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھلا اور کسی نے اندر داخل ہو کر برقی روشنی
کردی۔ حمید کو دو ایسے آدمی نظر آئے جنہیں اُس نے میونسپل گارڈن کے دارالمطالعہ میں نہیں
دیکھا تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ان کی گھنی ڈاڑھیاں مصنوعی ہیں۔ انہوں نے اپنی آنکھوں
پر تاریک شیشوں کے چشمے چڑھا رکھے تھے۔

"پیارے بزرگو۔" حمید نہایت ادب سے بولا۔ "میں اپنے پیروں سے چل سکتا ہوں، لیکن
آپ نے میری ربر کی کاشت برباد کر دی۔ آج اتوار ہے یا جمعرات۔"

وہ دونوں کچھ نہ بولے۔ اُن میں سے ایک حمید کا بازو مضبوطی سے تھامے ہوئے اُسے
کوٹھری سے نکال رہا تھا۔ پھر وہ کئی راہداریوں سے گذرتے ہوئے ایک وسیع کمرے میں داخل
ہوئے جہاں تقریباً پندرہ بیس آدمی اکٹھا تھے، لیکن ان میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جس نے اپنا چہرہ
نقاب میں چھپا رکھا تھا۔ وہ اٹھ کر حمید کی طرف بڑھا جیسے وہ ایک معزز مہمان کی حیثیت سے اس کا
استقبال کرنا چاہتا ہو۔ اس نے اپنا ہاتھ مصافحے کے لئے حمید کی طرف بڑھایا.... حمید نے بھی
انتہائی گرمجوشی کا اظہار کیا۔ ایک خالی کرسی پیش کی گئی۔ حمید دل ہی دل میں خود کو نڈر بنانے کی

کوشش کر رہا تھا۔

"اس وقت آپ کو اپنے درمیان پاکر ہم خوشی محسوس کر رہے ہیں۔" نقاب پوش نے کہا۔

"میں بھی باغ باغ ہو رہا ہوں۔" حمید اپنا اوپر ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"آپ شاید ناراض ہیں۔"

"نہیں تو! خوشی کے مارے میرا پیشاب خطا ہوا جا رہا ہے۔" حمید نے پھر اُسی لہجے میں کہا۔

"ہم مجبور تھے۔" نقاب پوش ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "اُس وقت اس کے علاوہ ہمیں اور کوئی تدبیر نہیں سوجھی۔ ویسے ہم آپ کی دل سے قدر کرتے ہیں۔"

"آخر اس عزت افزائی کی وجہ۔"

"دیکھئے! جناب!" نقاب پوش ہنس کر بولا۔ "آپ کا یہ شریفانہ لہجہ مجھے [illegible] نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ بھی وہی ہیں، جو ہم ہیں۔"

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "میں قلندر علی ہوں اور آپ دلدار خاں بھی ہو سکتے ہیں۔ تفضل حسین بھی آپ کا نام ہو سکتا ہے.... اور....!"

"آپ کی باتیں دلچسپ ہیں۔" نقاب پوش ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کاش ہم پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہوتے۔"

"اگر جانتے بھی ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔ "کیونکہ شائد میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں۔"

"کیوں.... کس طرح۔" نقاب پوش نے حیرت کا اظہار کیا۔

"بھلا بتلایئے۔ اگر یہی یاد ہوتا تو میں یہ کیوں کہتا کہ میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں۔ میاں مجھے تو اپنا نام بھی نہیں یاد رہ گیا۔"

"رفعت نعیم کا قتل تو یاد ہی ہوگا۔"

اس جملے پر حمید سناٹے میں آگیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا وہ لوگ اُسے پہچان گئے ہیں۔ وہ پھر آہستہ سے بڑبڑایا اور چند لمحے پُر خیال انداز میں نقاب پوش کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔

"اس نام سے کان تو کچھ کچھ آشنا معلوم ہوتے ہیں، لیکن مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے یہ نام کہاں سنا تھا۔"

"آپ کا سر تو بُری طرح دکھ رہا ہوگا۔"

"ہائیں....!" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میرا سر دکھ رہا ہے؟"

نقاب پوش کچھ نہ بولا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"بتایئے نا۔" حمید پھر بولا۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ میرا خیال ہے کہ میں نے ایک بار بھی آپ سے یہ نہیں کہا کہ میرا سر دکھ رہا ہے۔ کیا آپ روشن ضمیر ہیں۔"

"آپ کے سر میں کچھ دیر قبل چوٹ لگی تھی۔" نقاب پوش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

حمید بوکھلا کر اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا.... پھر اس کا ہاتھ سر کے اُس حصے پر رک گیا جو ورم ہو گیا تھا۔

"چوٹ....!" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ہے تو سہی.... مگر یہ کیسے لگی۔ مجھے کچھ یاد نہیں، آخر یہ نا کیا بات ہے۔"

دفعتاً نقاب پوش ہنس پڑا۔

"بھئی چوٹ لگی ہے اور آپ ہنس رہے ہیں.... واہ.... وا۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"میرے دوست مجھے اُلو بنانے کی کوشش نہ کرو۔" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں ان کا وہ سب انسپکٹر نہیں ہوں جسے تمہارے ساتھی نے غسلخانے میں بیہوش کر دیا تھا۔"

"شاید آپ بہت زیادہ پی گئے ہیں۔" حمید ہنس پڑا۔

"ختم کرو یہ ڈھونگ" نقاب پوش نے کہا۔ "کام کی باتیں کرو۔ میں بزنس کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور کیجئے۔ بہت اچھی چیز ہے۔" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "مگر میں ہوں کہاں آپ کون لوگ ہیں۔ میری بدتمیزی معاف کیجئے گا۔ میں نے ابھی تک آپ لوگوں سے آپ متعلق کچھ نہ پوچھا۔"

"کیا میونسپل گارڈن کے دارالمطالعہ میں آپ ہمارے متعلق کوئی اندازہ نہیں لگا سکے۔"

"نہ جانے آپ کیسی بے سروپا باتیں کر رہے ہیں۔" حمید جھنجھلا کر چیخا۔

"میں نے اس سے پہلے آپ لوگوں کو کہیں نہیں دیکھا اور پھر آپ اپنی بات کر رہے ہیں۔"

آپ کی آواز میں تو زنانہ پن تھا، لیکن آپ مجھے کوئی پردہ نشین خاتون معلوم ہوتے ہیں۔"

کمرے کے بہتیرے آدمی ہنس پڑے، لیکن نقاب پوش کی گھورتی ہوئی آنکھوں نے انہیں اس طرح خاموش کر دیا جیسے قہقہوں میں اچانک بریک لگ گئے ہوں۔

"دیکھئے جناب۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔ "آپ ہمیں بیوقوف بنانے کی کوشش نہ کریں تو بہتر ہے۔"

"اچھا میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب بیوقوف نہ بناؤں گا۔" حمید نے بڑے سعادتمندانہ لہجے میں کہا۔

"آپ نہیں باز آئیں گے۔" نقاب پوش گرج کر بولا اور حمید بوکھلا کر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ نقاب پوش کا مخاطب کون ہے۔

"اے۔" نقاب پوش نے اپنے ایک آدمی کو مخاطب کر کے کہا۔ "اسے دھکے دے کر یہاں سے نکال دو۔ ان گدھوں کے بغیر بھی ہمارا کام چل سکتا ہے۔ میں نے تو چاہا تھا کہ شرافت سے کوئی معاہدہ ہو جائے۔"

"دیکھتا ہوں۔ کون دھکے دے کر نکالتا ہے۔" حمید بپھر گیا۔ "تم کون ہو نکالنے والے یہ میرا مکان ہے، تم بغیر اجازت اندر کیوں گھس آئے۔ میں پولیس کو فون کرتا ہوں ابھی تک میں مذاق سمجھ رہا تھا۔"

ایک آدمی حمید کی طرف بڑھا۔ اس کے پیچھے کھڑے ہوئے دو آدمیوں نے اُسے پکڑ لیا اور ایک تیسرے آدمی نے اس کی آنکھوں پر چمڑے کا توبڑا چڑھا دیا۔

"ارے مرا۔" حمید چیخا۔ "دوڑو بچاؤ۔"

"برخوردار ابھی تمہارے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے۔" نقاب پوش مسکرا کر بولا۔

"دہی کی ہوگی۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "آج صبح میں نے لسی پی تھی۔"

"باہر پھینک دو اسے۔" نقاب پوش دوبارہ چیخ کر بولا۔

شاید چار آدمیوں نے حمید کو ٹانگ لیا۔ اُس کی آنکھیں توبڑے کی وجہ سے بند ہو چکی تھیں۔ اتنا اُسے اچھی طرح یاد رہا کہ وہ لوگ اُسے اٹھائے ہوئے دس پندرہ منٹ تک چلتے رہے تھے۔

پھر کسی جگہ اس کے پیر زمین سے لگے اور وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اُس کی آنکھوں پر چمڑے کا تسمہ اب بھی چڑھا ہوا تھا۔ وہ کسی کے بولنے کا انتظار کرتا رہا مگر اُسے کسی قسم کی بھی آواز سنائی نہ دی۔

"میرے پیارے دوستو۔" حمید آہستہ سے بولا۔

لیکن جواب ندارد۔ قریب یا دور کسی قسم کی کوئی آواز نہیں سنائی دی۔

حمید نے اپنی آنکھوں پر سے چمڑے کا تسمہ ہٹا دیا، لیکن اس کے علاوہ وہاں اور کوئی نہ تھا۔ وہ آدمی غائب ہو چکے تھے۔ دور تک سنسان جنگل کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور رات اندھیری بیکراں نیلگوں وسعتوں میں تارے چمک رہے تھے۔

حمید دو یا تین بار زور زور سے کھانسا لیکن اس پر بھی اُسے کوئی آواز نہ سنائی دی۔ اس کے تازہ ہوا پا کر زور زور سے پھولنے اور پچکنے لگے۔ رات اندھیری ہونے کے باوجود بھی ار تھی۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کدھر جائے۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ شہر کس سمت میں۔ پورا شہر ہی اس کا دیکھا ہوا نہیں تھا، چہ جائیکہ اُن اطراف کے جنگل۔ وہ تن بتقدیر ایک چل پڑا۔ لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ آخر انہوں نے اسے اس طرح کیوں دیا، حالانکہ اس نے انہیں ایک قتل کا مرتکب ہوتے دیکھ لیا تھا۔ آخر وہ لوگ کون تھے ان سے کیا چاہتے تھے۔

حمید چلتا رہا اور سوچتا رہا۔ اچانک اس کے پیر سخت قسم کی زمین سے ٹکرا کر گونج پیدا کرنے۔ اُس نے چونک کر چاروں طرف دیکھا۔

اب وہ ایک پختہ سڑک پر چل رہا تھا، جس کے دونوں طرف گھنی جھاڑیاں تھیں۔ دفعتاً کسی سے ایک آدمی اُس پر ٹوٹ پڑا۔ حمید خود کو سنبھالتے سنبھالتے ڈھیر ہو گیا۔ دوسرے لمحے وہ دوسرا آدمی اُس کے سینے پر سوار تھا۔

"اب تم مجھے گرا کر سیدھے بھاگتے چلے جاؤ۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"تمہارے جیب میں ایک خط ہے۔ زور کر کے اٹھو اور مجھے گرا کر بھاگو۔ شہر کا سیدھا راستہ۔"

حمید کو زور لگانے کی بھی ضرورت نہیں پیش آئی۔ وہ آدمی خود ہی اچھل کر دور جا گرا اور کر بھاگا۔ دوسرے آدمی نے زمین سے اٹھتے اٹھتے اس پر دو تین فائر کر دیئے اور پھر حمید کے دوڑنے لگا۔ اس نے پے در پے دو تین فائر اور کئے۔

حمید اپنے پیچھے کئی آدمیوں کے دوڑنے کی آوازیں سن رہا تھا۔ وہ بھاگتا ہی رہا۔ یکایک اس

نے ایک ساتھ کئی فائروں کی آوازیں سنیں، لیکن اب تعاقب کرنے والوں کے قدموں کی آوازیں نہیں آ رہی تھیں۔ متواتر آدھ گھنٹے تک وہ دوڑتا رہا۔ دس پانچ منٹ دم لینے کے بعد وہ چل پڑتا۔ کچھ دور پر بہت سی روشنیوں کے چھوٹے چھوٹے دھبے دکھائی دینے لگے تھے۔ شائد شہر نزدیک تھا۔

شہر پہنچ کر وہ سب سے پہلے ایک کیفے میں گھس گیا۔ ایک کیبن میں اطمینان سے بیٹھنے کے بعد اس نے وہ کاغذ کا ٹکڑا نکالا جس پر پنسل سے شکستہ حروف میں تحریر تھا۔

"شہر پہنچ کر ایک اصیل مرغ خرید لینا اور اُسے لئے ہوئے سیدھے پروفیسر جھوس کے یہاں چلے جانا۔ وہ بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا ہو گا اور بس۔ اب تمہیں کئی دن کے لئے چھٹی ہے آرام کرو اور باتیں بناؤ۔"

تحریر فریدی ہی کی تھی۔ حمید اس کا طرز تحریر اچھی طرح پہچانتا تھا اور پھر اگر وہ فریدی نہ ہوتا تو اُسے خود کو گرانے کے لئے کیوں کہتا۔ اس نے اس کی آواز بھی صاف پہچان لی تھی۔

حمید نے دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی طرف دیکھا۔ آٹھ بج رہے تھے۔ اُس پر پھر جھنجھلاہٹ کا دورہ پڑا۔ آخر اس وقت اصیل مرغ کہاں تلاش کرتا پھرے گا۔

اُس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ ابھی تک گوشت کا مارکٹ کھلا ہوا تھا۔ بہر حال وہ ایک اصیل مرغ خریدنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

اور یہ بھی سچی بات تھی کہ ڈاکٹر جھوس اس کا منتظر تھا۔ اُس نے اُسے برآمدے میں ٹہلتے دیکھا۔

"ہلو مائی ڈیئر۔" وہ حمید کی بغل میں مرغ دبا ہوا دیکھ کر چیخا۔ "میں آپ کا منتظر تھا۔ مگر پروفیسر کہاں ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ آپ اور وہ دونوں ساتھ ہی تشریف لائیں گے اوہ وہ نہیں آئے.... میں مغموم ہوں۔"

"کیا پروفیسر آئے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں! سامان لے کر آئے تھے۔ میں نے آپ دونوں کے کمرے ٹھیک کرا دیئے ہیں۔ اوہو! کیا آپ کہیں گر پڑے تھے۔"

پروفیسر حمید کی پشت سے مٹی جھاڑنے لگا۔

"جی اس مرغ نے راستے میں تھوڑا پریشان کیا تھا۔"

"اوہو دیکھوں تو۔" پروفیسر اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر تولتے ہوئے بولا "ہے زوردار۔"

"فی الحال ڈاکٹر زیٹو نے اُسے نامرغ کر دیا ہے۔"

"او پلیز مائی ڈیئر! ذرا آہستہ۔ بے بی برابر والے کمرے میں ہے۔" پروفیسر آہستہ سے بولا۔

"میں نے ڈاکٹر زیٹو سے سنا ہے کہ وہ ٹماٹر سے نفرت کرتی ہیں۔"

"چہ چہ! خبردار ٹماٹر کا تذکرہ اس کے سامنے نہ آنے پائے۔ ورنہ ہر بات کے آپ ہی ذمہ دار ہوں گے۔ ویسے بے بی بڑی اچھی لڑکی ہے۔ دوسروں کی عزت کرنا جانتی ہے۔ تھوڑی غصہ ور ہے۔ بس ذرا اس کی ہاں میں ہاں ملانی پڑتی ہے۔ چلئے میں آپ کا کمرہ دکھا دوں۔ اسے اپنا ہی گھر سمجھئے اور ہاں بے بی سے کبھی بحث نہ کیجئے گا۔ خیال رہے ٹماٹر کا۔"

ایک نئی دریافت

دوسری صبح خوشگوار ضرور تھی مگر حمید کے جوڑ جوڑ میں درد ہو رہا تھا۔ اس نے کھڑکی سے طلوع آفتاب کا حسین منظر دیکھتے ہوئے انگڑائی لی، اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اُس کی نظریں ان تین سوٹ کیسوں پر جمی ہوئی تھیں، جو فریدی ہی نے پروفیسر کے یہاں پہنچائے تھے۔ اس نے ابھی تک انہیں کھولا بھی نہیں تھا۔

پائپ ختم کر چکنے کے بعد وہ اٹھا۔ سوٹ کیس کھولے۔ ان میں ریڈی میڈ کپڑے موجود تھے۔ حمید نے اپنے لئے ایک عمدہ سا سوٹ منتخب کیا اور قمیض کے ساتھ ٹائی کا میچ تلاش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ لباس تبدیل کر کے برآمدے میں آیا تو اس کی شخصیت ہی بدل چکی تھی۔ سلیمہ نے اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور اپنے بڑے بالوں والے کتے کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ سلیمہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر پام کے گملے کی اوٹ میں اسلم بیٹھا شیو کر رہا تھا۔

"صبح بخیر محترمہ۔" حمید نے قدرے جھک کر کہا۔

"یہ صبح بخیر کیا چیز ہوتی ہے۔" سلیمہ اُسے گھور کر بولی۔ "السلام علیکم نہیں کہہ سکتے تھے آپ۔ آپ کا نام شائد ساجد ہے۔ مسلمان ہی ہوں گے۔"

"مجھے افسوس ہے مجھ سے غلطی ہوئی۔" حمید نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔ دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ سلیمہ کے چہرے کی سختی نرماہٹ میں تبدیل ہو گئی۔

"رات آپ کو تکلیف تو نہیں ہوئی۔" اس نے بڑی خوش اخلاقی سے کہا۔

"بہت آرام سے سویا۔ اپنے گھر پر بھی اتنا آرام نہ ملتا۔ آپ کی کوٹھی شائد اس شہر میں سب سے بہتر ہے۔"

"آپ بہت معاملہ فہم آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" اسلم نے ہنس کر حمید کو مخاطب کیا۔ "ہم لوگ آپ کی تشریف آوری سے بے حد خوش ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ آپ ٹماٹر کی تعریف نہیں کریں گے۔"

"اسلم تم سور ہو۔" سلیمہ جھنجلا کر کھڑی ہو گئی۔ "بالکل بدتمیز ہو..... تم میرے سامنے مت آیا کرو۔ ورنہ کسی دن.....!"

"آج میں ہمیشہ کیلئے جا رہا ہوں۔" اسلم نے فلم کے ہیرو کی طرح ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"بکواس ہے۔ تم ہمیشہ میرے لئے باعث کوفت بنے رہو گے۔"

"اوہ تو کیا تمہیں منظور ہے۔" اسلم خوش ہو کر بولا۔

"شٹ اپ۔" سلیمہ حلق کے بل چیخی اور پیر پٹختی ہوئے اندر چلی گئی۔

"بیٹھئے نا آپ کھڑے کیوں ہیں۔" اسلم نے حمید سے کہا۔

"آپ نے محترمہ کو ناخوش کر دیا۔" حمید بیٹھتا ہوا غمناک لہجے میں بولا۔

"کریک ہے۔" اسلم نے اپنی کنپٹی کے قریب انگلی نچاتے ہوئے کہا۔

"کیا کہا تم نے۔" سلیمہ جھپٹ کر کمرے سے نکلی اور اسلم کے ہاتھ سے سیفٹی ریزر چھوٹ پڑا۔

"کک کچھ بھی تو نہیں۔" اسلم ہکلایا۔

"میں کریک ہوں؟" سلیمہ گرجی۔

"ارے بھئی یہ کیا صبح ہی صبح....." پروفیسر جھوس ایک کمرے سے نکلتا ہوا بولا۔

"یہ ڈفر مجھے کریک کہتا ہے۔" سلیمہ نے چیخ کر کہا۔

"کیوں اسلم میاں خواہ مخواہ ہنگامہ برپا کر رہے ہو۔" پروفیسر بولا۔

"آپ بھی مجھے ہی کہنے لگے۔ سلیمہ نے مجھے اُلو کا پٹھا کہا تھا۔"

"ارے شرم نہیں آتی تمہیں جھوٹ بولتے ہوئے۔" سلیمہ حلق پھاڑ کر چیخی۔

"اب آپ خود سوچئے۔" اسلم رونی صورت بنا کر بولا۔ "کیا آپ کے بڑے بھائی اُلو تھے۔"

"نہیں یہ غلط ہے۔" پروفیسر جلدی سے بولا۔ "بے بی تمہیں شرم آنی چاہئے۔"

"میں نے نہیں کہا۔ یہ جھوٹا ہے۔" سلیمہ جھلاہٹ میں اپنے بال نوچنے لگی۔

"ارے ارے!" پروفیسر نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ اس پر سلیمہ جو چیخ مار کر روتی ہے تو کوٹھی سر پر اٹھالی۔

پروفیسر اُسے لے کر اندر چلا گیا۔

"آپ نے بہت بُرا کیا۔" حمید نے اسلم سے کہا۔ اسلم اس انداز سے ڈاڑھی بنانے میں ہو گیا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

"چھوڑیئے بھی۔" اس نے سر اٹھا کر کہا۔ "یہ تو روز کی تفریح ہے۔"

"ان کا مضمون فلسفہ تو نہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں یہ فلسفے میں ایم۔ اے کر رہی ہیں۔" اسلم بولا۔ "مگر میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ شادی کروں گا خواہ یہ فلسفے کے ساتھ ہی ساتھ چینی زبان بھی سیکھ لے۔"

"نبھ جائے گی؟" حمید نے پوچھا۔

"خوب نبھے گی جناب۔ مجھے لڑنے جھگڑنے والی عورتیں بہت پسند ہیں۔ سیدھی سادی بس مجھے شلجم یا مونگ کی دال معلوم ہوتی ہیں۔"

"بہت خوب۔" حمید مسکرایا۔ "آپ تو مجھے شاعر معلوم ہوتے ہیں۔"

"بس مقدر خراب تھا کہ پہلی اور آخری غزل میں نے چودہ سال کی عمر میں کہی تھی۔"

"تو اب ایک ٹماٹر نامہ لکھ ڈالئے۔"

"اوہو! تو کیا آپ جانتے ہیں۔" اسلم نے حیرت سے کہا۔

"دوران گفتگو میں پروفیسر نے بتایا تھا۔ آخر آپ بیچاری کو کیوں چھیڑتے ہیں۔"

کمپاؤنڈ میں ایک کار کے داخلے نے سلسلہ گفتگو منقطع کر دیا۔ کار میں دو عدد باوردی اور مسلح کانسٹیبل تھے۔ تیسرا آدمی سفید قمیض اور سفید پتلون میں ملبوس تھا۔ اس کی شخصیت صحیح ل میں جاذب توجہ تھی۔ عمر تو چالیس اور پینتالیس کے لگ بھگ رہی ہو گی، لیکن اعضاء

چوڑے چکلے اور مضبوط تھے۔ پیشانی کشادہ اور محراب دار تھی۔

"کیا پروفیسر موجود ہیں۔" اس نے آگے بڑھ کر حمید سے پوچھا۔

"جی ہاں.... فرمائیے۔" اسلم سیفٹی ریزر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کوتوال صاحب کی آمد کی اطلاع کر دیجئے۔" ایک سب انسپکٹر بولا۔ اتنے میں پروفیسر خ
ہی باہر آگیا۔ وہ پولیس والوں کو اپنے چشمے کے اوپر سے دیکھتا ہوا بولا۔ "او ہو! ڈی۔ایس۔پی
صاحب! تشریف لائیے! تشریف لائیے۔"

وہ انہیں لے کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔ حمید نے اس موقع پر پیچھے رہنا مناسب نہ
سمجھا۔ ان کے ساتھ ہی وہ بھی ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔

"آپ پبلک لائبریری کے ممبر ہیں۔" کوتوال نے پروفیسر کو مخاطب کیا۔

"جی ہاں.... جی ہاں۔ میں یہاں کی کئی لائبریریوں کا ممبر ہوں بلکہ دو ایک تو میری
سرپرستی ہی میں چل رہی ہیں.... فرمائیے۔"

"میں آپ کا پبلک لائبریری والا کارڈ دیکھنا چاہتا ہوں۔" کوتوال نے کہا اور اپنی باریک تراشی
ہوئی نوکدار مونچھوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"ٹھہرئیے.... میں دیکھتا ہوں۔" پروفیسر نے گھنٹی بجائی۔ دوسرے لمحے میں ایک نوکر
کمرے میں داخل ہوا۔

"دیکھو.... ذرا.... وہ سیاہ ٹرے لیبارٹری سے اٹھا لاؤ۔"

"آخر....!" وہ چند لمحے بعد بولا۔ "پولیس کو میرے لائبریری کے کارڈ سے کیا دلچسپی
ہو سکتی ہے۔"

"ابھی عرض کرتا ہوں۔"

نوکر سیاہ رنگ کی ٹرے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ اس نے چھوٹی میز پر ٹرے
رکھ کر اُسے پروفیسر کے سامنے کھسکا دیا۔ پروفیسر اس میں رکھے ہوئے کاغذات کو الٹنے پلٹنے لگا۔
بڑے انہماک کے ساتھ پبلک لائبریری کا کارڈ تلاش کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے مایوسی سے
سر ہلاتے ہوئے کوتوال کی طرف دیکھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ صرف وہی کارڈ اس میں موجود نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"آپ نے کسی کو دیا تو نہیں۔"

"ٹھہرئیے میں بتاتا ہوں۔" پروفیسر نے کہا پھر نوکر سے بولا۔ "ذرا اسلم کو بھیج دو۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ پروفیسر کچھ مضطرب سا نظر آرہا تھا لیکن اس نے اس معاملے کے
متعلق پھر کچھ نہیں پوچھا۔

"اسلم میاں۔" وہ اسلم کو دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "کیا پبلک لائبریری والا کارڈ
تمہارے پاس ہے۔"

"پبلک لائبریری والا کارڈ۔" اسلم کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا وہ ابھی واپس نہیں آیا۔"

"کہاں سے واپس نہیں آیا۔" پروفیسر اُسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"بہت عرصہ ہوا جاوید بھائی لے گئے تھے۔ انہیں شاید کسی کتاب کی ضرورت تھی۔"

"لیکن جانتے ہو۔" پروفیسر بگڑ کر بولا۔ "یہ اصول کے خلاف ہے۔ تم نے اُسے کارڈ کیوں
لے جانے دیا تھا۔"

"سلیمہ نے دیا تھا۔"

"کسی نے بھی دیا ہو۔" پروفیسر جھنجھلا کر بولا۔ "جو چیز اصول کے خلاف ہے وہ ہر حال میں
اصول کے خلاف رہے گی۔ کیوں جناب۔" وہ حمید کی طرف مخاطب ہو گیا۔

"جی ہاں جناب.... قطعی۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"بہر حال آپ کا کارڈ ایک لاش کے قریب پایا گیا ہے۔" کوتوال بولا۔

"جی کیا مطلب۔" پروفیسر بے اختیار اچھل پڑا۔

"جی ہاں۔" کوتوال سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "پبلک لائبریری کے اوپر ہال میں۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔ ذرا جلدی سے وضاحت کیجئے ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔"

"جاوید آپ کا عزیز ہے۔"

"جی ہاں ہے تو۔"

"آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ رفعت نعیم کی بیوی کا قاتل ہے۔"

"یہ ابھی کس طرح کہا جا سکتا ہے۔" پروفیسر نے کہا۔ "ابھی تو مقدمے کی سماعت بھی نہیں
شروع ہوئی۔"

"مقتولہ کے پاس اس کا رومال پایا گیا تھا اور اس نے اس کی شناخت کی تھی۔"

"تو پھر جس لاش کے پاس میرا کارڈ پایا گیا اس کا قاتل میں ہوں گا۔" پروفیسر تلخ لہجے میں بولا۔

"آپ پوری بات تو سن لیجئے۔" کوتوال مسکرا کر بولا۔

"سنائیے! ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔"

"لاش کے قریب ہی جاوید بیہوش حالت میں پایا گیا ہے اور آپ کا کارڈ دراصل جاوید ہی کی جیب میں تھا۔ جاوید کے جیب سے اعشاریہ دو پانچ کا ایک پستول بھی برآمد ہوا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ پستول کا لائسنس جاوید بھائی کے پاس تھا۔" اسلم بول پڑا۔

"آپ کا خیال درست ہے، لیکن آخر پستول جیب میں لئے پھرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"کیا مقتول اُسی پستول کی گولی سے ہلاک ہوا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"یہ سب تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہوگا۔" کوتوال نے کہا۔ "میں تو اتنا جانتا ہوں کہ وہ گولی جاوید کے پستول سے چلائی گئی تھی، اور اس پر جاوید کے انگلیوں کے نشانات بھی پائے گئے ہیں۔"

"اور خود جاوید بیہوش پایا گیا ہے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "گویا جاوید گولی مارنے کے بعد بیہوش ہو گیا تھا۔ اگر وہ ایسے ہی کمزور دل کا تھا تو اس نے گولی ہی کیوں چلائی۔ آپ کے بیان کے مطابق وہ اس سے پہلے بھی ایک قتل کا مرتکب ہو چکا ہے، لہٰذا تجربہ کار ہے اُسے قتل کے بعد بیہوش تو نہ ہونا چاہئے۔"

"آپ واقعی بہت ذہین آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" کوتوال طنزیہ لہجے میں بولا۔ "لیکن اس کا فیصلہ عدالت ہی کرے گی۔"

"جاوید پھر گرفتار کر لیا گیا؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"لازمی امر ہے۔" کوتوال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اس کی ضمانت بھی ضبط ہو گئی ہے۔"

"مجھے اس لڑکے کے لئے افسوس ہے۔" پروفیسر بولا۔ "یقیناً کوئی اُسے پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" کوتوال نے کہا۔ "کیا وہ کل آپ کے یہاں آیا تھا۔"

"جی نہیں.... میں نے اُسے مہینوں سے نہیں دیکھا۔"

"پھر وہ آپ کا کارڈ کب لے گیا تھا۔"

"مجھے یہ بھی نہیں معلوم.... کیوں اسلم؟"

"میرا خیال ہے کہ یہ رفعت کی بیوی کے قتل سے پہلے کا واقعہ ہے۔" اسلم نے کہا۔

"آپ جاوید کے دوستوں میں سے ہیں۔" کوتوال نے اسلم سے پوچھا۔

"نہیں ہم میں بے تکلفی نہیں کیونکہ وہ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔"

"بہر حال آپ اس کے عادات واطوار اور ملنے جلنے والوں سے تو واقف ہی ہوں گے۔"

"قطعی نہیں.... میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک خوش اخلاق اور علم دوست آدمی ہیں۔ ملنے جلنے والوں سے میری واقفیت نہیں۔"

"اس شخص کو آپ نے کبھی دیکھا ہے۔" کوتوال نے جیب سے ایک تصویر نکالتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے وہ تصویر اسلم کی طرف بڑھا دی۔

اسلم اُسے بغور دیکھنے لگا۔ پروفیسر اور حمید بھی اُسے دیکھنے کے لئے آگے کی طرف جھک آئے۔ حمید ایک ہی نظر میں پہچان گیا۔ یہ اسی آدمی کی تصویر تھی جو جاوید کو پبلک لائبریری میں لے گیا تھا۔ پروفیسر اسلم کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے خیال پڑتا ہے کہ میں نے اُسے کہیں دیکھا ہے۔" اسلم آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کبھی جاوید کے ساتھ دیکھا تھا۔"

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔ روزانہ سینکڑوں صورتیں نظر سے گذرتی ہیں اور اُن میں سے کچھ ایسی خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں، جو عرصے تک یاد رہ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ آدمی اچھی شخصیت کا حامل ہے۔ اس نے کبھی نہ کبھی میری توجہ اپنی جانب منعطف کرائی ہوگی۔"

"یہ اُسی آدمی کی تصویر ہے۔" کوتوال نے کہا۔ "جس کی لاش پبلک لائبریری میں پائی گئی۔"

کچھ دیر کے لئے خاموشی ہو گئی۔ پھر پروفیسر اسلم سے بولا۔

"ارے بھئی! کوتوال صاحب کے لئے چائے.... تم بڑے بد اخلاق بچے ہو۔"

"نہیں پروفیسر شکریہ۔" کوتوال اٹھتا ہوا بولا۔ "ہم ناشتہ کر چکے ہیں۔ ویسے میں آپ کو یہ اطلاع دینے کیلئے آیا تھا کہ اس کارڈ کی وجہ سے ممکن ہے کہ آپ بھی عدالت میں طلب کئے جائیں۔"

"فکر نہیں۔" پروفیسر لاپروائی سے بولا۔ "کسی زمانے میں مجھے شاعری اور مقدمے بازی

سے بڑی دلچسپی تھی اور میں دوسروں کے مقدمات کی پیروی مفت کرتا تھا۔"

"اچھا اب اجازت دیجئے۔" کوتوال نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے خو
بھی اس لڑکے سے ہمدردی ہے مگر کیا کروں۔ حالات سراسر اس کے خلاف ہوتے جارہے ہیں۔
میں بھی اسے ایک اچھے لڑکے کی حیثیت سے جانتا تھا۔"

کوتوال کے چلے جانے کے بعد پروفیسر اسلم پر چنگھاڑنے لگا۔

"کیا مصیبت ہے تم لوگ اتنے گدھے کیوں ہوگئے ہو۔ تم نے اسے میرا کارڈ کیوں لے
جانے دیا تھا۔ عدالت میں یہ معاملہ پیش ہوگا۔ سراسر اصول کے خلاف ہے۔ سنا تم نے پروفیس
ٹی۔ اے جھوس کی عزت خاک میں مل جائے گی۔"

"آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔" اسلم بولا۔

"بس بس! اکو نہیں، ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہوجائے گا۔ کوئی بات ہی نہیں انگلستان میں لوگ
دوسروں کے کارڈ پر کتابیں نہیں ایشو کراتے۔ تم لوگوں نے پروفیسر ٹی۔ اے جھوس کو ساری د
میں بدنام کردیا۔ اف فوہ! اُس کے متعلق اخبارات چہ میگوئیاں کریں گے اور یہ اخبارات انگلی
جائیں گے، امریکہ جائیں گے روس جائیں گے، فرانس اور جرمنی جائیں گے .... اور پروفی
ٹی۔ اے جھوس۔"

پروفیسر کی آواز بھرا گئی۔ اس کا چہرہ مغموم نظر آنے لگا تھا۔ آخر اس نے مری ہوئی آوا
میں کہا۔ "مجھے بلڈ پریشر ہوجائے گا۔"

بوں ٹڑر

پروفیسر جھوس کے یہاں رہتے ہوئے حمید کو تین دن ہوگئے تھے اور اس دوران میں ایک
بھی فریدی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ پروفیسر اکثر اس کے متعلق پوچھتا رہتا تھا لیکن حمید کو
بار کوئی نہ کوئی بہانہ تراشنا پڑتا تھا۔

اس دوران میں اسے لنگڑی کوٹھی بھی دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ وہ کئی دنوں سے اخبار نویسوں
زیارت گاہ بنی ہوئی تھی۔ یہ ایک بوسیدہ سی عمارت تھی جس کا بیشتر حصہ کھنڈر ہوچکا تھا لیک

ں کی طرف کے حصے کو دیکھنے والا یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس مستحکم دیوار کے پیچھے ویرانی
کھنڈر ہوں گے۔ ملبے کے ڈھیر میں دبی ہوئی کرم خوردہ چوکھٹیں ہوں گی۔ شکستہ دیواریں
گی جن پر پتلی اور لمبی پتیوں والی گھاس اُگ آتی ہوگی۔

سڑک کی طرف کے حصے میں بالائی منزل پر تین کھلے ہوئے دریچے تھے جن کا پلاسٹر سالہا
سے کائی جمے رہنے کی وجہ سے سیاہ ہوگیا تھا اور دراڑوں میں گھاس اُگ آئی تھی۔ انہیں
چوں کے متعلق مشہور تھا کہ وہ اکثر راتوں میں چیختے ہوئے سے معلوم ہوتے ہیں اور ان میں
ف رنگوں کی روشنیاں دکھائی دیتی ہیں اور یہ بھی حقیقت تھی کہ انہیں دریچوں کے پیچھے
ت نعیم کی بیوی کی لاش پائی گئی تھی اس عمارت کے مقابل سڑک کی دوسری جانب جدید طرز
ایک کوٹھی تھی جس میں جاوید کا خاندان آباد تھا۔ اسی لائن میں اور بھی کئی اچھی عمارتیں تھیں
ن لنگڑی کوٹھی کی طرف کا حصہ بالکل ویران تھا۔ البتہ فصلوں پر یہاں چاروں طرف ہرے
ے لہلہاتے ہوئے کھیت نظر آتے تھے۔ جاوید کے آباؤ اجداد کے زمانہ میں دراصل یہ ایک
ہی علاقہ تھا اور یہاں صرف لنگڑی کوٹھی ہی ایک بڑی عمارت تھی جس کے مکین یہاں کے
گیردار کہلاتے تھے۔

وقت کے ساتھ ہی ساتھ جلال آباد بھی آگے بڑھتا رہا، حتیٰ کہ وہ اس علاقے سے آملا جہاں
گڑی کوٹھی واقع تھی اور اب اس دیہی علاقے کا شمار بھی جلال آباد ہی کی بستیوں میں ہونے لگا تھا۔

بہر حال آج کل لنگڑی کوٹھی جلال آباد والوں کے لئے ایک دلچسپ موضوع گفتگو بنی ہوئی
تھی۔ دن بھر یہاں لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی لیکن شام ہوتے ہی پھر یہاں قبرستان کا سا سناٹا چھا
جاتا تھا۔ خصوصاً رات کو تو کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ لنگڑی کوٹھی کے قریب
سے گذر ہی جائے۔ اس سلسلے میں ایک بات اور بھی مشہور تھی وہ یہ کہ یہاں وہ چیخیں صرف
جمعرات کی شام کو سُنی جاتی ہیں ورنہ ویسے سناٹا ہی رہتا ہے۔

ایک رات ایک اخبار کے منچلے رپورٹر نے لنگڑی کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی،
لیکن اس کی حدود میں قدم رکھتے ہی نہ جانے کدھر سے اس پر چنگھاریاں برس پڑی تھیں وہ بھی دو
چار نہیں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں لیکن وہ جلا نہیں تھا۔ اس کی خبر مشہور ہوتے ہی
قرب وجوار کے لوگ اور زیادہ محتاط ہوگئے تھے۔

حمید کے لئے پروفیسر جھوس کا گھر کافی آرام دہ تھا۔ تفریح کے لئے اسلم اور سلیمہ موجود تھے اور سر مارنے کے لئے خود پروفیسر تھا۔ وہ پروفیسر سے بے تکی بحثیں چھیڑ کر اسے دیر تک پریشان کیا کرتا تھا لیکن فریدی کا یہ بیان کہ پروفیسر معمولی پڑھا لکھا آدمی تھا کسی طرح اس کے حلق سے نہیں اترا تھا۔ اس نے کئی بار خالص علمی قسم کے مباحث چھیڑ کر پروفیسر کو آزمایا تھا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ پروفیسر کی معلومات وسیع ہیں اور وہ کئی علوم پر گہری نظر رکھتا ہے۔

آج صبح ہی سے سلیمہ کچھ کھوئی کھوئی سی نظر آرہی تھی اور اسلم بھی صبح ہی سے غائب ہو گیا تھا۔ ناشتے کی میز پر بھی وہ کچھ نہیں بولی تھی اور پروفیسر بھی خاموشی ہی سے ناشتہ کرتا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا جیسے رات بھر جاگتا رہا ہو۔

"آپ کچھ خاموش ہیں۔" حمید نے سلیمہ سے کہا۔

"کچھ کیا میں بالکل خاموش ہوں۔" سلیمہ اسے گھورتی ہوتی بولی۔

"کیا طبیعت کچھ ناساز ہے۔"

"پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ کو لفظ "کچھ" سے اتنی انسیت کیوں ہے۔ ہر بات میں "کچھ" ضرور استعمال کرتے ہیں۔"

"شاید مجھے کچھ ہو گیا ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ اس پر پروفیسر سر جھکا کر اپنے چشمے کے اوپر سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے چشمہ اتار کر شیشے صاف کئے اور اس دوران میں حمید کو الوؤں کی طرح دیکھتا رہا۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو۔" سلیمہ نے پوچھا۔

"پتہ نہیں مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

"معدے کی خرابی۔" پروفیسر بڑبڑایا۔

"ڈیڈی پلیز!" سلیمہ اُسے گھورتی ہوئی بولی۔ "دو آدمیوں کی گفتگو میں دخل نہیں دیا کرتے۔"

"مجھے افسوس ہے۔" پروفیسر بڑبڑاتا ہوا میز سے اٹھ گیا۔ "میں معافی چاہتا ہوں۔"

"اٹس آل رائٹ۔" سلیمہ نے سنجیدگی سے کہا۔

پروفیسر شاید اپنی لیبارٹری کی طرف جا رہا تھا۔

"اسلم صاحب کہاں ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"جہنم میں۔" سلیمہ نے حمید کو گھور کر کہا۔ "مجھے اسلم کا تذکرہ کرنے والوں سے بھی نفرت ہو جاتی ہے۔ سمجھے آپ۔"

"آپ بھی غیر ضروری الفاظ بولنے لگی ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "بھلا یہاں 'سمجھے آپ' کا ٹکڑا لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ ظاہر ہے کہ میں نا سمجھ نہیں اور آپ نے یہ جملہ نہ تو لاطینی میں کہا تھا اور نہ سنسکرت میں۔"

"مجھے افسوس ہے۔"

"اب افسوس کرنے سے کیا فائدہ میری توہین تو ہو ہی چکی۔ آپ نے مجھے ذلیل کر دیا۔"

حمید کی آواز کچھ تیز ہو گئی اور پھر اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

سلیمہ بے بسی سے اُسے دیکھ رہی تھی اور وہ اس طرح بوکھلا گئی تھی جیسے نادانستگی میں اس کے ہاتھ سے بندوق چل گئی ہو۔

حمید کے گالوں پر دو آنسو ڈھلک آئے۔

"ارے ارے۔" سلیمہ پاگلوں کی طرح بولی۔ "میں معافی چاہتی ہوں۔ آپ عجیب آدمی ہیں۔"

"اب دوسری توہین۔" حمید نے آنسوؤں کے دوسرے ریلے کے ساتھ کہا۔ "عجیب آدمی تو پاگل کو کہتے ہیں۔"

"میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔"

"لیکن دل کا وہ زخم تو واپس نہیں لے سکتیں۔" حمید کے آنسو تیزی سے چلنے لگے۔

"ارے ارے.... آپ بڑے کمزور دل کے آدمی ہیں۔"

"میں کیا کروں! میری ماں میری پیدائش سے پہلے ہی مر گئی تھی۔"

سلیمہ اُسے حیرت سے دیکھتی رہی پھر بولی۔

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔"

"وہ میرے باپ کی پہلی بیوی تھی۔" حمید آنسو خشک کرتا ہوا بولا۔ "میں دوسری بیوی سے ہوں۔"

"ہائیں! یہ کیا بات ہوئی۔ اس سے آپ پر کیا اثر پڑتا ہے۔"

"آپ نے پھر غیر ضروری الفاظ استعمال کئے۔" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "ہائیں اور یہ کیا بات ہوئی کے بغیر بھی آپ اپنا مدعا ظاہر کر سکتی تھیں۔"

"آپ عجیب آدمی ہیں۔" سلیمہ بے بسی سے بولی۔

"اُف فوہ! پھر آپ نے میری توہین کی۔" حمید پھر رو پڑا۔

"ارے ارے۔" وہ بوکھلا کر بولی پھر یک بیک چیخنے لگی۔ "ڈیڈی۔ ڈیڈی۔"

پروفیسر شائد ادھر ہی آرہا تھا۔۔۔۔ اُسے اس طرح چیختے سن کر اُس نے اپنی رفتار تیز کردی۔

"کیا بات ہے۔۔۔۔ کیوں چیخ رہی ہو۔" اس نے کمرے میں داخل ہو کر پوچھا پھر اس کی نظر حمید پر پڑی، جو اپنی آنکھوں پر رومال رکھے ہوئے سسک رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔۔۔۔ کیوں چیخی تھیں۔" پروفیسر نے سلیمہ سے پوچھا۔

سلیمہ نے حمید کیطرف اشارہ کردیا لیکن کچھ بولی نہیں، وہ بہت زیادہ پریشان نظر آرہی تھی۔

"ارے آپ کیوں رو رہے ہیں۔" پروفیسر حمید کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"مجھے دکھ پہنچایا گیا ہے۔" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کس نے دکھ پہنچایا۔۔۔۔ کیا بات ہے۔" پروفیسر سلیمہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں کیا بتاؤں۔"

"کوئی نہیں بتائے گا۔" پروفیسر بڑبڑایا۔ "مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔"

"محترمہ سلیمہ نے میرا دل دکھایا ہے۔" حمید ہچکی لے کر بولا۔

"ہائیں۔۔۔۔ سلیمہ۔۔۔۔ یہ کیا۔" پروفیسر اس کی طرف مڑا۔

"میں کیا جانوں، میں نے کب دکھایا ہے۔"

"محترمہ سلیمہ نے۔۔۔۔!" حمید نے رک رک کر کہا۔ "میرے باپ کی پہلی بیوی کو میری ماں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔"

"اور آپ رونے لگے۔" پروفیسر نے حیرت سے کہا۔

حمید نے سر ہلا دیا۔

"کمال کر دیا آپ نے۔ کیا آپ پر بھی بے بی کی صحبت کا اثر ہوا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہیں! ڈیڈی آپ۔" سلیمہ چیخ کر بولی۔ "آپ میری توہین کر رہے ہیں۔"

"ب۔۔۔۔ مم۔۔۔۔!" پروفیسر اپنا سر کھجلاتا ہوا ہکلایا۔ "مم۔۔۔۔ میرا۔۔۔۔ یہ مطلب نہیں۔"

"کچھ نہیں مطلب صاف ہے۔" سلیمہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولی۔ "آپ مجھے اتنا بُرا سمجھتے ہیں۔"

"میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جارہا ہے۔" حمید روتی آواز میں بولا۔

"جی۔۔۔۔!" پروفیسر بوکھلا کر اس کی طرف مڑا۔

"آپ نے ایک مہمان کے سامنے میری توہین کی ہے۔" سلیمہ گرجی۔

"اور آپ نے ایک مہمان کی توہین کی ہے۔" حمید نے کہا۔

"خدا کے لئے۔" پروفیسر گھگھیا کر بولا۔ "اور آپ دونوں مجھے معاف کر دیجئے ورنہ بلڈ پریشر ہو جائے گا۔"

"میں نے معاف کر دیا۔" حمید آنسو خشک کر کے بولا۔

"ڈیڈی کبھی کبھی آپ خود ہی اپنے اصولوں کا خون کر دیتے ہیں۔" سلیمہ تلخی سے بولی۔

"میں تم سے نہیں جیت سکتا بے بی۔ مجھے معاف کر دو۔" پروفیسر نے کہا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔ سلیمہ دور کی ایک کرسی پر بیٹھ کر حمید کو گھورنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے سر اٹھا کر کہا۔ "میں نے آپ کو بھی معاف کر دیا۔"

"مجھ سے مت بولئے۔" سلیمہ جھنجھلا کر بولی۔ "آپ بالکل بیوقوف آدمی ہیں۔"

"کوئی نئی بات نہیں۔" حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "ایک بار ایک سرکس کے منیجر نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا۔"

سلیمہ کچھ نہ بولی۔ وہ اُسے گھورتی رہی۔

"بات یہ تھی کہ میں نے اس کے ایک ہاتھی کو گدھا کہہ دیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"آپ مجھے ہنسانے کی کوشش نہ کریں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "مجھے کیا پڑی ہے کہ آپ کو پھنسانے کی کوشش کروں۔"

"پھنسانے کی نہیں ہنسانے۔" سلیمہ جھلا کر بولی۔

"چلئے ایک ہی بات ہے۔"

"آپ مجھ سے مت بولئے۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں خود سے کہہ رہا تھا۔"

سلیمہ اُسے گھورتی ہوئی اٹھی اور باہر چلی گئی۔ حمید کب پیچھا چھوڑنے والا تھا وہ بھی اسی کے ساتھ اٹھ گیا۔ دونوں برآمدے میں نکل آئے۔ سلیمہ لیموں کے درخت کے نیچے لان پر

جابیٹھی۔ اچانک وہ کچھ بدحواس سی نظر آنے لگی تھی۔ حمید بھی اس کے قریب ہی جا کر بیٹھ گیا
اس نے اس کی طرف دیکھا لیکن اس کی آنکھوں میں نہ تو جھنجھلاہٹ تھی اور نہ تلخی، البتہ الجھن
کے آثار ضرور تھے اور انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ الجھن کسی غیر متعلق چیز سے تعلق
رکھتی ہو۔

"کیا آپ ناراض ہو گئیں۔" حمید نے بڑے ادب سے پوچھا۔

"نہیں تو.... لیکن۔" وہ آہستہ سے بولی اور کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا بات ہے۔"

"بوں ٹرر!"

"جی! کیا مطلب۔" حمید چونک کر بولا۔

"بوں ٹرر۔" سلیمہ نے پھر تیز قسم کی سرگوشی میں دہرایا۔ "بوں ٹرر کسے کہتے ہیں۔"

حمید حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔ وہ قطعی سنجیدہ نظر آ رہی تھی اور اس کے چہرے پر تشویش کے
آثار تھے۔ کسی اندرونی تکلیف کا عکس اس کے چہرے پر صاف پڑ رہا تھا۔

"میں نے یہ لفظ کبھی نہیں سنا۔" حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ کوئی لفظ ہی نہیں ہے۔"

"اگر لفظ ہی نہیں ہے تو پھر یہ میرے ذہن میں کس طرح آیا۔" سلیمہ تشویشناک لہجے میں
بولی۔ "اور آج یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بچپن ہی سے یہ لفظ میرے ذہن میں گونج رہا ہے
خصوصاً غصے کی حالت میں میرا ذہن بڑی تیزی سے بوں ٹرر بوں ٹرر رٹنے لگتا ہے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"آپ بدتمیز ہیں۔"

"آپ بوں ٹرر ہیں۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

یک بیک سلیمہ سنجیدہ ہو گئی۔ اب وہ حمید کو دلچسپی کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"تو گویا آپ اس لفظ کی حقیقت سے واقف ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں.... میں جانتا ہوں۔"

"مجھے بتائیے۔"

"ہرگز نہیں بتاؤں گا.... ایسی باتیں عورتوں سے نہیں بتائی جاتیں۔"

"آپ کو بتانا پڑے گا۔" سلیمہ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی آنکھوں سے وحشت برسنے لگی

یک بیک وہ حمید کی طرف جھپٹی اور اس نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ حمید ابھی تک تو مذاق ہی
رہا تھا لیکن اب اُسے بھی سنجیدہ ہو جانا پڑا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ سلیمہ پر کسی قسم کا دورہ
یا تھا وہ اس کے چہرے پر اپنے ناخن مار رہی تھی۔ بدقت تمام حمید اپنا گریبان چھڑا سکا۔ وہ اچھل
الگ ہٹ گیا۔ لیکن سلیمہ پھر جھپٹی۔ اس بار اس کے تیور کچھ اور تھے۔ حمید بوکھلا کر پھاٹک کی
ف بھاگا۔

"لیمو! ڈاربی۔" سلیمہ نے اپنے کتوں کو آواز دی۔

اور قبل اس کے کہ حمید پھاٹک کے باہر ہوتا دونوں کتوں نے اُسے جالیا۔ حمید انہیں ہٹانے
یکن وہ دونوں اس کے کوٹ کا دامن تھام کر جھول گئے تھے۔

اتنے میں سلیمہ دوڑتی ہوئی آئی اور اس نے پھر حمید کا گریبان پکڑ لیا۔

یہ بھی حمید کی خوش نصیبی ہی تھی کہ عین اس وقت جب کہ وہ اس کا گریبان پکڑ کر کھینچ رہی
اسلم آ گیا۔ اسلم پر گویا بجلی سی گر پڑی۔ وہ حیرت سے منہ پھاڑے چند لمحے کھڑا رہا پھر "ارے
ے" کہتا ہوا آگے بڑھا۔

سلیمہ نے اس کے بھی کئی جگہ ناخن مارے، لیکن وہ کسی نہ کسی طرح اسے اندر گھسیٹ ہی
گیا۔

تھوڑی دیر بعد حمید اپنے کمرے میں لباس تبدیل کر رہا تھا۔ اس نے آئینے میں شکل دیکھی
ان خراشوں پر "سی سی" کر کے انگلی پھیرنے لگا، جو سلیمہ کے ناخنوں کا نتیجہ تھیں۔ اُس نے
رومال سے خشک کر کے چہرے پر کولڈ کریم لگائی۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ سلیمہ سو فیصدی
ل ہے۔

پھر کچھ دیر بعد اسے اسلم سے معلوم ہوا کہ سلیمہ پر واقعی کسی قسم کا دورہ پڑ گیا تھا۔

"یہ اس کی پرانی عادت ہے۔" اسلم نے کہا۔ "غصہ اتر جانے کے بعد وہ عموماً ہر ایک سے
ھتی ہے کہ بوں ٹرر کسے کہتے ہیں۔ ایک بار میں نے مذاقاً کہہ دیا تھا کہ نہ بتاؤں گا۔ نتیجے میں اُس
میری بھی یہی درگت بنائی تھی۔"

حمید اس مسئلے پر غور کرتا رہا لیکن وہ اُسے زیادہ اہمیت نہ دے سکا کیونکہ وہ پہلے بھی اس قسم
کے ذہنی مریضوں سے دوچار ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ فریدی کے متعلق سوچنے لگا۔ آخر وہ کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا۔ کیا ان

لوگوں نے اس کا پیچھا مستقل طور سے چھوڑ دیا تھا۔ جنہوں نے اُسے پبلک لائبریری میں بیہوش کر دیا تھا۔ شروع میں وہ ان کی پالیسی نہ سمجھ سکا تھا لیکن بعد کو غور کرنے پر اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ انہوں نے شاید فریدی پر ہاتھ ڈالنے کے لئے اُسے چھوڑ دیا تھا اور فریدی کے اس رات والے رویے سے بھی یہی ظاہر ہوا تھا کہ وہ ان لوگوں سے چھپنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس نے اس محض اسی لئے فائر کئے تھے کہ وہ لوگ غلط راستے پر جا پڑیں۔ حمید گھنٹوں غور کرتا رہا لیکن کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔

مگر وہ رات.... وہ رات ایسی تھی کہ حمید کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ خود کو موت کے جبڑے میں محسوس کرنے لگا تھا۔ ویسے اسے سو فیصدی یقین تھا کہ فریدی اس کی طرف سے غافل نہ ہوگا۔ اس نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی اُسے پروفیسر جھوس کے یہاں قیام کرنے کا مشورہ دیا ہوگا مگر پروفیسر جھوس.... جسے وہ ایک مسخرے سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا اس رات کو اس کے لئے انتہائی پُراسرار اور خطرناک بن گیا۔

اسے قطعی شبہ نہ ہوتا.... وہ تو نیند نہ آنے کی بناء پر کھڑکی کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ اچانک اس نے کسی کو چوروں کی طرح پھاٹک کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ کتے خاموش تھے۔ اس حمید نے اندازہ لگا لیا کہ وہ گھر ہی کا کوئی فرد ہو سکتا ہے، لیکن اتنی رات گئے۔ چوروں کی طرح کیوں؟ پھر اُسے یاد آیا کہ کتے تو مکان کے اندر بند کئے جاتے ہیں۔ یہ خیال آتے ہی وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

اندھیرے میں پھاٹک سے گذرنے والے نے اپنی رفتار تیز کر دی تھی اور پھر یک بیک نے اُسے پہچان لیا۔ چلنے کا انداز پروفیسر جھوس کا سا تھا۔

دونوں آگے پیچھے چلتے رہے اور اس دوران میں ایک بار بھی پروفیسر نے پیچھے پلٹ کر دیکھا اور جب وہ لنگڑی کوٹھی کے کھنڈرات کی طرف مڑا تو حمید کو جھرجھری سی آ گئی اور اس بڑھنے کی ہمت نہیں کی۔

ایک گری ہوئی دیوار کے ملبے کی اوٹ سے حمید اُسے کھنڈرات میں غائب ہوتے دیکھ رہا پھر تھوڑی ہی دیر بعد اس نے نیم شکستہ بالائی منزل میں کئی رنگوں کی روشنیوں کے جھماکوں ساتھ عجیب طرح کی خوفناک چیخیں سنیں۔ اندر جانے کی ہمت تو نہ پڑی، لیکن وہ وہاں سے کی طرف بھاگا۔

پُراسرار پروفیسر

سڑک پر سے دکھائی دینے والے دریچے سنسان پڑے تھے۔ دفعتاً حمید کو احساس ہوا کہ وہ یہاں تک ننگے پیر دوڑتا چلا آیا ہے اور اس کے جسم پر سلیپنگ سوٹ کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ یہاں سے پروفیسر کی کوٹھی کا فاصلہ پانچ یا چھ فرلانگ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ حمید سوچنے لگا کہ اگر کسی نے اُسے یہاں اس حال میں دیکھ لیا تو اس کا کیا حشر ہوگا۔ اگر پولیس کے گشتی دستے ہی سے مڈبھیڑ ہو گئی تو۔

حمید کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ کوئی سراغ لگائے بغیر وہاں سے رخصت ہو جائے، لیکن مجبوراً اُسے واپس ہی ہونا پڑا۔ دوبارہ کوٹھی میں داخل ہونے میں اُسے کوئی دشواری نہیں پیش آئی کیونکہ پھاٹک تو کھلا ہی ہوا تھا اور آج کتے بھی اندر ہی بند کئے گئے تھے ورنہ ہر رات کمپاؤنڈ ہی میں کھلے چھوڑ دیئے جایا کرتے تھے۔

حمید کھڑکی کے قریب بیٹھ کر پروفیسر کی واپسی کا انتظار کرنے لگا تھا لیکن تین بجے تک تو اس کی واپسی ہوئی نہیں، اس کے بعد نیند کا مقابلہ نہ کر سکا۔

دوسری صبح وہ دیر سے اٹھا۔ اُسے ناشتے کے لئے بھی نہیں اٹھایا گیا تھا۔ ضروریات سے فارغ ہو کر وہ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو پروفیسر وغیرہ ناشتہ کر چکے تھے۔ لیکن ابھی وہ تینوں وہیں تھے۔ پروفیسر اخبار پڑھ رہا تھا اور اسلم سفید میز پوش پر پنسل سے ٹماٹر کی تصویر بنا رہا تھا۔ بار بار وہ اس انداز میں کھانستا کہ سلیمہ اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو جاتی لیکن وہ خاموش تھی۔ اس نے ایک بار بھی جھنجھلاہٹ کا اظہار نہیں کیا۔

"اُف فوہ! آپ بہت سونے لگے ہیں۔" اسلم نے حیرت سے کہا اور میز پوش پر پنسل سے بنے ہوئے ٹماٹر کی طرف اشارہ کر کے مسکرانے لگا۔

لیکن حمید اس وقت ان لغویات میں دلچسپی لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس کی نظریں حقیقتاً پروفیسر کے چہرے کو ٹٹول رہی تھیں۔

"اوہو.... مائی ڈیئر ساجد۔" پروفیسر نے اخبار رکھ کر کہا۔ "کیا طبیعت کچھ ناساز ہے۔"

"اوہ.... نہیں.... شکریہ.... میں بالکل ٹھیک ہوں.... رات ذرا دیر میں نیند آئی تھی۔"

پروفیسر کے چہرے سے حماقت برس رہی تھی اور اسی بناء پر حمید کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ

اس بات پر یقین کر لے کہ پچھلی رات کا پُراسرار آدمی پروفیسر ہی تھا۔

پروفیسر کو وہ کوئی معمولی بیوقوف نہیں بلکہ احمق اعظم تصور کرتا تھا۔ لیکن پچھلی رات کی بات اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ اگر پروفیسر کا ذوقِ تجسس ہی اُسے لنگڑی کوٹھی تک لے گیا تھا تو اس کے داخلے کے فوراً بعد ہی اُن آوازوں اور روشنیوں کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ عام طور پر یہ بات مشہور تھی کہ وہ آوازیں صرف جمعرات ہی کو سنی جاتی ہیں، لیکن کل تو اتوار تھا۔ چونکہ معمول میں فرق تھا اس لئے حمید یہ سمجھنے پر بھی مجبور تھا کہ وہ پروفیسر ہی کی حرکت تھی لیکن پروفیسر؟ وہ پھر پروفیسر کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

اتنے میں ناشتے کی ٹرالی آگئی۔ سلیمہ آج بہت خوش اخلاق نظر آرہی تھی۔ اس نے خود حمید کے لئے چائے بنائی۔ اس دوران میں اسلم میز پوش پر کئی ٹماٹر بنا چکا تھا لیکن اس نے اسے بھی کچھ نہیں کہا۔

پروفیسر اُسے ناشتہ کرتا چھوڑ کر چلا گیا۔

ناشتہ کر کے حمید اٹھ گیا۔ وہ پچھلی رات کے معاملے پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اپنے کمرے میں واپس آگیا۔

وہ سوچ رہا تھا۔ پروفیسر کے متعلق فریدی کو کس طرح مطلع کرے۔ نہ جانے وہ کہاں ہو۔ اطلاع اُس کے لئے یقیناً خاصی دلچسپ ثابت ہوتی۔

حمید سگار سلگا کر تمباکو کی پاؤچ میز پر رکھنے کے لئے آگے بڑھا۔ دفعتاً اس کی نظر کاغذ کے ایک ٹکڑے پر پڑی، جس کا ایک کونا قلمدان کے نیچے دبا ہوا تھا۔ حمید متحیرانہ انداز میں جھک کر اس کی تحریر پڑھنے لگا۔

"حمید! اب تمہاری چھٹی ہے۔ آرام کرو۔ جب تک میں تمہیں اطلاع نہ دوں باہر مت نکلنا۔ پروفیسر اور اس کے اصیل مرغوں سے دل بہلاؤ۔ امید کہ تمہارا وقت اچھی طرح کٹ ہوگا۔ ہم بہت جلد واپس چلیں گے۔"

فریدی نے نیچے اپنے دستخط نہیں کئے تھے، لیکن تحریر اُسی کی تھی۔ حمید چند لمحے اس کاغذ کے ٹکڑے کو گھورتا رہا پھر اُس نے اس میں آگ لگادی۔

اس کی بے چینی بڑھ گئی تھی اور ساتھ ہی اُسے فریدی پر بھی غصہ آرہا تھا۔ آخر وہ اسے اپنی جائے قیام کیوں نہیں بتانا چاہتا۔ کیا وہ ابھی پروفیسر کی کوٹھی میں داخل ہوا تھا؟ روز روشن میں

طرح یہاں آیا ہوگا یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آسکی۔

بعض اوقات سچ مچ اُسے فریدی پر بھوت ہونے کا شبہ ہونے لگتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر کوئی اب سے دو ڈھائی سو سال پہلے پیدا ہوا ہوتا تو اس کے تذکرہ نگار اُسے جادوگر بنا دیتے۔ اس کے پاس کسی ایسے تعویذ کا وجود ثابت کرتے جس کے ذریعے وہ محیر العقول کارناموں پر قادر ہوتا۔

حمید ایک آرام کرسی میں گر گیا۔ اس کا ذہن نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتا پھر رہا تھا۔ تقریباً نو بجے ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے حمید کو اپنی سلامتی اور بھی زیادہ خطرے میں نظر آنے لگی۔

آج ڈی۔ ایس۔ پی سٹی پھر پروفیسر جھوس سے ملنے کے لئے آیا تھا اور اس کے پاس پروفیسر کا ملاقاتی کارڈ تھا، جو اُسے لنگڑی کوٹھی میں ملا تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ میرا ملاقاتی کارڈ وہاں کس طرح پہنچا۔" پروفیسر نے کہا۔

"جس طرح آپ کا لائبریری کا کارڈ جاوید کے جیب میں پہنچا تھا۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"وہ دوسری صورت تھی۔" پروفیسر نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔ پھر دفعتاً چونک کر بولا۔

"آہا۔ آہا! ممکن ہے یہ مجھ سے ہی گرا ہو۔ پرسوں دوپہر کو میں بھی وہاں گیا تھا۔ خاصی بھیڑ تھی۔"

"کیا آپ اوپر بھی گئے تھے۔"

"اوپر سے کیا مراد ہے آپ کی۔"

"اس چھت پر جہاں آوازیں سنائی دیتی ہیں۔"

"نہیں تو! وہاں تک جانے کی کسی نے شائد ہمت نہیں کی تھی۔"

"لیکن آپ کا کارڈ اوپر ہی ملا تھا۔"

"مجھے حیرت ہے۔" پروفیسر کچھ سوچنے لگا۔

بہرحال حمید کو اندازہ لگانے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ نہ صرف پروفیسر پر شبے کی نظر رکھتا ہے بلکہ اس کی طرف سے مطمئن بھی نہیں ہے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں ڈی۔ ایس۔ پی اس کے متعلق مزید استفسار نہ کر بیٹھے۔ ایسی صورت میں واقعی اس کے لئے بڑی دشواریاں پیدا ہو جاتیں اگر پروفیسر ڈی۔ ایس۔ پی کے سامنے پروفیسر چنگھاڑنی اور ڈاکٹر زیٹو کے نام دہرا دیتا تو مصیبت آجاتی۔ ظاہر ہے کہ چنگھاڑنی اور زیٹو، پروفیسر جھوس ہی کی طرح بے سر و پا نام تھے۔

ڈی۔ ایس۔ پی کے جاتے ہی حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ پروفیسر بُرا سا منہ بنا کر کچھ بڑبڑانے لگا۔ حمید سن نہیں سکا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔

اسی دوران حمید ایک دوسرے واقعے سے دوچار ہوا اور اس نے آنکھیں اچھی طرح کھول دیں۔ ڈی۔ ایس۔ پی کی دوبارہ آمد کے سلسلے میں اسلم اور سلیمہ بہت زیادہ بور ہوگئے تھے۔ اس لئے وہ دونوں تفریح کے لئے چلے گئے۔ انہوں نے حمید کو بھی ساتھ لے جانا چاہا تھا مگر اُسے فریدی کی ہدایت کے مطابق گھر ہی پر رکنا تھا اور سچ مچ اُسے اس وقت فریدی پر بڑا تاؤ آیا تھا۔ نہ جانے اس میں کون سی مصلحت تھی۔

بہر حال وہ اپنے کمرے میں پڑا اونگھ رہا تھا۔ اچانک کسی قسم کے شور سے اُس کی نیند اچٹ گئی۔ کہیں شور ضرور ہو رہا تھا لیکن اس کی نوعیت حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ بہر حال وہ اٹھ بیٹھا۔ پوری کوٹھی سنسان پڑی تھی اور اب وہ مدہم سا شور بھی ختم ہوگیا تھا۔ حمید متعدد کمروں میں گھومتا پھرا لیکن کسی نوکر سے بھی ملاقات نہ ہوئی۔ پھر وہ باورچی خانے کی طرف گیا۔ وہاں بھی تالا پڑا تھا۔ پوری عمارت میں اُسے صرف وہ بہری خادمہ دکھائی دی جو باورچی کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ اُس نے حمید کو بتایا کہ صاحب نے سب نوکروں کو میٹنی شو دیکھنے کی چھٹی دی ہے۔

حمید اپنے کمرے کی طرف چل پڑا، لیکن اس بار اس نے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ پروفیسر کی تجربہ گاہ کی طرف سے گذرتا تھا۔ تجربہ گاہ کے دروازے بند تھے لیکن نہ جانے کیوں حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اندر کوئی موجود ہے۔

حمید نے رک کر ادھر اُدھر دیکھا اور پھر ایک دروازے کی طرف بڑھا۔ لیکن دو ہی قدم چلنے کے بعد اُسے رک جانا پڑا کیونکہ پھر وہی ہلکا اور گھٹا گھٹا سا شور اُسے سنائی دینے لگا، جو اس نے اپنے کمرے میں سنا تھا اب اسے احساس ہوا کہ وہ عجیب قسم کی آوازیں زمین سے نکل رہی تھیں۔ ویسی ہی آوازیں جیسی ریل کے پہیوں سے نکلتی ہیں۔ اس کے پیروں کا فرش جھنجھنا رہا تھا۔ دفعتاً پھر سناٹا چھا گیا۔ حمید چند لمحے مبہوت کھڑا رہا۔ پھر وہ تجربہ گاہ کے بند دروازے کی طرف بڑھا۔ کنجی کے سوراخ سے آنکھ لگاتے ہی اُسے اندر ایک عجیب نظارہ دکھائی دیا تجربہ گاہ کے فرش پر پروفیسر کی گردن کٹی ہوئی تھی اور دھڑ غائب تھا لیکن اس کی پلکیں جھپک رہی تھیں اور آنکھیں بھی متحرک تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو۔

حمید کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا دم گھٹا جا رہا ہو۔ دوسرے لمحے میں وہ کٹی ہوئی گردن بھی متحرک نظر آنے لگی۔ پھر وہ کچھ اونچی ہوئی... اونچی ہی ہوتی گئی اور پھر اگر حمید ضبط نہ کرتا تو اُسے اپنی حماقت پر دل کھول کر ہنسنا پڑتا۔

پروفیسر تو حقیقتاً ایک تہہ خانے سے اوپر آ رہا تھا۔ کمرے میں کافی اُجالا نہ ہونے کی بناء پر حمید کو تہہ خانے کا دہانہ نہیں دکھائی دیا تھا۔ چونکہ وہ فرش ہی کی سطح پر تھا اس لئے اُس سے پروفیسر کی ہوئی گردن ہی پہلے حمید کو نظر آئی تھی اور اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے پروفیسر کا سر کاٹ کر فرش پر رکھ دیا ہو۔

پروفیسر تہہ خانے سے نکل آیا تھا اور اس کے ہاتھوں پر لکڑی کا ایک چھوٹا سا بکس دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے اُسے فرش پر رکھ دیا۔ پھر دیوار کے قریب جا کر پتھر کے ایک مجسمے کا سر گھمانے لگا، جو لکڑی کے ایک اونچے اسٹول پر رکھا ہوا تھا۔

حمید کو پھر اپنے پیروں کے نیچے اسی قسم کے شور کا احساس ہوا اور ساتھ ہی وہ کمرے کے فرش کو برابر ہوتے دیکھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تہہ خانہ کا نشان تک مٹ گیا اور وہ شور بھی تھم گیا، جو حمید کو اپنے پیروں کے نیچے محسوس ہو رہا تھا۔

اب پروفیسر نے لکڑی کا صندوق کھول کر اُسے فرش پر الٹ دیا۔ پندرہ یا بیس عدد ریوالور فرش پر بکھر گئے۔

حمید کے رہے سہے شبہات بھی یقین میں تبدیل ہو چکے تھے۔ پروفیسر نے شائد اپنے نوکروں کو اسی لئے چھٹی دی تھی کہ وہ اپنے تہہ خانے کو استعمال کرنا چاہتا تھا چونکہ اس کا نظام کسی قسم کی مشین پر قائم تھا اس لئے گھر والوں کو کھسکا ہی دینا پڑتا تھا۔

پروفیسر ریوالوروں کو صاف کرنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ حمید نے سوچا کہ اب یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ وہ دبے پاؤں اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔ اس نئی دریافت پر اس کے اندر ایک عجیب قسم کا جوش پیدا ہو گیا تھا، جسے دبانے کے لئے اُسے بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش وہ کسی طرح فریدی کو اطلاع دے سکتا۔ وہ دل ہی دل میں قہقہے لگا رہا تھا۔ اپنی کامیابی پر ہنس رہا تھا لیکن پھر اُسے خیال آیا کہ سب بے سود۔ وہ بالکل بے بس تھا۔ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ مجرم اس کے سامنے تھا لیکن خود اس کی پوزیشن چوروں کی سی تھی۔ پھر بھی اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ فریدی کی ہدایت کے مطابق اپنے ہاتھ پیر باندھ کر نہیں بیٹھے گا۔

شام تک اُس کی بُری حالت ہوگئی۔ بار بار اس کا دل چاہتا تھا کہ جھپٹ کر پروفیسر کو دبوچ لے۔ لیکن فریدی! اس کا خیال آتے ہی اس کی روح فنا ہو جاتی اور اُسے سوچنا پڑتا کہ فریدی نے بغیر سوچے سمجھے اُسے خاموش رہنے کی ہدایت نہ کی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی اس دوران

میں پروفیسر کی اصلیت سے واقف ہو گیا ہو۔ ممکن ہے کہ اس نے اس کے معاملے کو کسی اور وقت کے لئے اٹھار کھا تھا۔

انہیں الجھنوں میں شام سے رات ہو گئی۔ کھانے کی میز پر حمید زیادہ تر خاموش ہی رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ سلیمہ بھی اُسے چھیڑ چھیڑ کر گفتگو پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے مگر حمید کی زندہ دلی رخصت ہو چکی تھی، وہ بار بار پروفیسر کو گھورنے لگتا، جو کھانے میں اس طرح مشغول تھا جیسے اُسے دوسری صبح کے ناشتے کی توقع نہ ہو۔ اُس کے چہرے پر اس وقت بھی حماقت برس رہی تھی۔ نوالہ چباتے وقت اس کی فرنچ کٹ ڈاڑھی کسی جگالی کرتے ہوئے بوڑھے بکرے کی ڈاڑھی کی طرح بڑے سنجیدہ انداز میں ہلنے لگتی تھی۔

پروفیسر نے بھی دو ایک بار حمید کی خاموشی کی وجہ پوچھی، لیکن "ہوں ہاں" کر کے ٹال گیا مگر پروفیسر کے استفسار میں خلوص کی جھلک تھی اور حمید نے اسے محسوس بھی کیا تھا، لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اب اتنے زبردست مجرم سے اس کا سابقہ نہ پڑے۔ کھانا ختم کرنے کے بعد بھی وہ بڑی دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھے کافی اور تمباکو سے شغل کرتے رہے۔ پروفیسر، اسلم، سلیمہ تینوں باتیں کرنے کے موڈ میں تھے، لیکن حمید بُری طرح الجھ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ رات خطرات سے پُر ہو۔

کلاک نے بارہ بجائے۔ حمید ابھی تک بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ گھنٹے کی آواز اُسے بہت بُری لگ رہی تھی۔ وہ جھنجھلا کر اٹھا کہ کلاک کا پنڈولم نکال کر میز پر ڈال دے، اچانک اس کی نظریں کھڑکی کے باہر رینگ گئیں۔ پھاٹک کے قریب دو تین انسانی سائے نظر آ رہے تھے اور پھر اس نے چہار دیواری کے اندر مہندی کی باڑھ کے نیچے کسی سیاہ سی چیز کو حرکت کرتے دیکھا۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ کتا ہوگا۔ مگر کوٹھی میں کوئی اتنا قد آور کتا نہیں تھا۔ پھاٹک کے قریب چہار دیواری کے نیچے پہنچ کر وہ چیز اوپر اٹھی اور یہ بھی کوئی آدمی ہی تھا۔

حمید پھرتی سے میز کی طرف بڑھا۔ جہاں اس نے اپنا سیاہ کوٹ رکھا تھا۔ اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر اُس نے لباس تبدیل کیا لیکن اس کی نظر ایک بار بھی کھڑکی سے نہیں ہٹی۔

جوش میں اُسے فریدی کی ہدایت بھی نہ یاد رہی۔ اُس نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ تنہا ہے اور دشمن نہ جانے کتنے ہوں۔

پائیں باغ میں سناٹا تھا۔ حمید بھی مہندی کی باڑھ کی اوٹ میں پھاٹک کی طرف بڑھنے لگا۔ چند

لمحوں بعد اس نے دیکھا کہ پھاٹک کے قریب چہار دیواری کے نیچے کھڑے ہوئے آدمی نے پھاٹک کھولا اور باہر نکل گیا۔

آج بھی حمید اس کے تعاقب میں خود کو لنگڑی کوٹھی کے قرب وجوار میں پا رہا تھا۔ پروفیسر جھوس کھنڈرات کی طرف مڑ گیا۔ حمید بھی تیزی سے آگے بڑھا لیکن پھر وہ پروفیسر کو نہ دیکھ سکا۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ یہاں اکیلا نہیں ہے۔

بے شمار تاریک سائے پیٹ کے بل ان کھنڈرات میں رینگ رہے تھے اور ان سب کا رخ بالائی منزل ہی کی طرف تھا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ پھر اُسے فریدی پر غصہ آنے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس سے بڑی غلطی ہوئی اسے پولیس کو فون کر دینا چاہئے تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی سے مل کر اسے بتانا چاہئے تھا کہ پروفیسر کا ملاقاتی کارڈ لنگڑی کوٹھی میں کیوں پایا گیا تھا۔

حمید نے بڑھنے کی کوشش کی لیکن پھر رک گیا۔ وہ دو نیم شکستہ دیواروں کے درمیان میں تھا جن کا درمیانی فاصلہ چھ فٹ سے زیادہ نہ رہا ہوگا اور اس کے آگے دیواروں کے گرے ہوئے حصوں کا ملبہ تھا۔ بہر حال وہ خود کو بالکل محفوظ سمجھ رہا تھا لیکن اس طرح بے بسی سے ایک کونے میں پڑے رہنے سے فائدہ ہی کیا تھا۔ کاش اس کے پاس ریوالور ہی ہوتا۔

دو تین آدمی اور رینگتے ہوئے ان کے سامنے سے گزر گئے۔ ان کا رخ بھی اسی طرف تھا جدھر سے آوازیں آیا کرتی تھیں۔

دفعتاً حمید کو اپنی پیٹھ پر سرسراہٹ سی محسوس ہوئی اور وہ ایک طرف اینٹوں کے درمیان دبک گیا۔ اس سے چند ہی قدموں کے فاصلے پر ایک آدمی کھڑا تھا وہ آہستہ آہستہ اینٹوں کے ڈھیر کے قریب آیا اور ٹھیک اُسی جگہ اکڑوں بیٹھ گیا جہاں چند لمحے پیشتر حمید بیٹھا ہوا تھا اور اب وہ حمید سے بمشکل تین یا چار فٹ کے فاصلے پر رہا ہوگا۔

حمید کا دل دھڑکنے لگا۔ خوف سے نہیں بلکہ اس تدبیر کی بناء پر جو اُسے اچانک سوجھی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی مسلح ہو۔

حمید اپنا داہنا ہاتھ آگے پھیلائے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس کا داہنا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ اس کا مقصد بھی یہی تھا اس کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملا اور حمید نے اس کا منہ دباتے ہوئے اس کا سر کئی بار دیوار سے ٹکرا دیا اور اُس کے منہ سے آواز بھی نہ نکل سکی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس

جدوجہد میں جو تھوڑی بہت آواز ہوئی بھی تو حمید نے شدت جوش میں اس کی طرف دھیان نہ دیا۔ وہ بڑی تیزی سے بیہوش ہو جانے والے کی جیبوں کی تلاشی لے رہا تھا۔ آخر پتلون کی جیب میں سے اُسے ایک ریوالور ملا جو بھرا ہوا تھا۔ کمر میں کارتوسوں کی پیٹی تھی۔ حمید نے بڑی سرعت سے کھول لیا۔

دفعتاً اینٹوں کے ڈھیر کے پیچھے پھر سرسراہٹ سنائی دی۔ کوئی پیٹ کے بل رینگتا ہوا اُس طرف آ رہا تھا۔ حمید پھر اُسی پرانی جگہ میں دب گیا۔

تاریکی اور سناٹے کا امتزاج بڑا ہیبت ناک تھا اور جب جھینگروں کی جھائیں جھائیں اچانک رک جاتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے وقت کی سانس رک گئی ہو۔

حمید کو اینٹوں کے ڈھیر پر چڑھنے والے کے ہاتھ دکھائی دیئے لیکن پھر اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی اس پر کود پڑا ہو اور یہ حقیقت تھی اس پر دو طرف سے حملہ ہوا تھا۔ آدمی تین تھے۔ دفعتاً دریچوں سے چیخیں بلند ہوئیں۔

مجرم کون تھا

حمید نے اپنے اوپر چھائے ہوئے آدمی کو دوسری طرف اچھال دیا۔ اتنے میں نہ جانے کس طرف سے فائر ہوا اور حمید کے حملہ آور ایک طرف سمٹ گئے۔ گولی ان کے سروں پر سے گذر گئی۔ پھر وہ دونوں اچھل کر تاریکی میں غائب ہو گئے۔ اب باقاعدہ طور پر گولیاں چلنے لگی تھیں۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو فریقوں میں جنگ ہو رہی ہو۔ لیکن وہ دو فریق کون تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد فائرنگ رک جاتی اور بستی والوں کا شور سنائی دینے لگتا، جو شاید سڑک کے اس پار جمع ہو رہے ہوں گے۔ فائر ہوتے اور پھر بعض اوقات چیخیں اور کراہیں بھی سنائی دیتیں۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر سڑک کی طرف سے بھی فائر ہونے لگے۔ شاید پولیس آ گئی تھی۔ اچانک اندر سے فائر ہو- بند ہو گئے۔

حمید کے لئے یہ ایک خطرناک سچویشن تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کہیں وہ پولیس والوں کے ہتھے چڑھ گیا تو بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور تو کچھ نہیں فریدی بُری طرح اس کی جان

جائے گا۔ اس نے کارتوسوں کی پیٹی کمر سے کھول کر وہیں ڈال دی اور پیٹ کے بل رینگتا ہوا کھیتوں میں اُتر گیا اور پھر جب اچھی طرح یقین ہو گیا کہ وہ لنگڑی کوٹھی سے کافی فاصلے پر نکل آیا ہے تو اس نے ریوالور بھی وہیں کھیت میں ڈال دیا اور خود اٹھ کر سڑک پر آ گیا۔ تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر لنگڑی کوٹھی کے سامنے شور سنائی دے رہا تھا اور ملگجے اندھیرے میں بہت سے سائے لنگڑی کوٹھی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شائد پولیس محاصرہ کر رہی تھی۔ حمید تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا بھیڑ میں جا ملا۔ پولیس کی کئی لاریاں وہاں موجود تھیں۔ پانچ چھ کاریں بھی تھیں اور شہر کے کئی بڑے حاکموں کی وحشت زدہ صورتیں نظر آ رہی تھیں۔

لنگڑی کوٹھی کا محاصرہ کر لیا گیا تھا اور پولیس کی گشتی لاری سے مائیکروفون پر کوٹھی کے اندر گولی چلانے والوں کو تنبیہہ کی جا رہی تھی۔

اچانک لنگڑی کوٹھی کے دریچے سے کسی نے چیخ کر کہا۔ "فائر نہ کئے جائیں۔ مجرموں کے ہتھکڑیاں لگائی جا چکی ہیں۔"

"تم کون ہو۔" پولیس کی گشتی لاری سے مائیکروفون پر پوچھا گیا۔

"مرکزی سراغرسانی کا انسپکٹر فریدی۔" دریچوں سے آواز آئی۔

"اوہ یہ کہاں۔" پولیس کمشنر نے اپنے ایک ماتحت آفیسر کی طرف دیکھ کر حیرت سے کہا۔ "کیا ہمیں اسی نے فون کیا تھا۔"

"کہیں دھوکا نہ ہو۔" ماتحت آفیسر بڑبڑایا۔ پھر وہ تیزی سے گشتی لاری کی طرف بڑھ گیا۔

"گشتی لاری سے کہا گیا۔ ہم نہیں جانتے تم کون ہو۔"

"میں گرفتار شدگان کو لے کر آتا ہوں۔" دریچوں سے آواز آئی۔

فریدی کی آواز پہچاننے والا یہاں حمید کے علاوہ اور کون تھا اور حمید کا دل بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ وہ سو فیصدی فریدی ہی کی آواز تھی۔

پھر حمید نے کئی آدمیوں کو کھنڈروں سے باہر آتے دیکھا۔ ان کے چہرے نقابوں سے ڈھکے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں اور حمید نے ان کے ساتھ کچھ جانی پہچانی صورتیں بھی دیکھیں۔ رمیش، وحید، اکبر شیر سنگھ جیکب وغیرہ۔ یہ سب اسی کے محکمے سے تعلق رکھتے تھے اور فریدی نے خاص طور پر تربیت دے کر انہیں اپنی ماتحتی میں رکھا تھا۔

گرفتار شدگان کی ٹولیاں نکلتی رہیں اور پھر حمید نے انہیں گنا۔ ان کی تعداد ستائیس تھی۔

سب سے آخر میں دو نقاب پوش اور نکلے۔ اُن میں سے ایک کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھ
دوسرا یونہی چل رہا تھا۔ پولیس والوں نے اس کے بھی ہتھکڑی لگانی چاہی لیکن اس نے ا
ڈانٹ دیا۔ آواز فریدی کی تھی۔

وہ نقاب پوش جس کے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی ہنستا ہوا چل رہا تھا اور پولیس والے ا
آنکھیں پھاڑے دیکھ رہے تھے۔

وہ دونوں چلتے ہوئے حکام بالا کے قریب پہنچ گئے۔ ہتھکڑی والا نقاب پوش برابر ہنسے جا
اور حکام اُسے تحیر آمیز نظروں سے گھور رہے تھے۔

فریدی نے ایک قدم آگے بڑھ کر نقاب اتارتے ہوئے کہا۔ "رفعت نعیم! اس کی بیو
ایک نامعلوم آدمی کا قاتل حاضر ہے۔"

اس پر نقاب پوش نے قہقہہ لگایا اور پولیس کمشنر آگے بڑھ کر فریدی کو گھورتا ہوا بولا۔

"بے شک تم فریدی ہو! لیکن تم یہاں کیسے۔"

"بہت ہی اہم معاملات میں سارا ملک میری ضرورت محسوس کرتا ہے۔" فریدی مسکرا کر ب

اس پر نقاب پوش پھر ہنس پڑا۔ حمید کو اس کی آواز بھی جانی پہچانی سی معلوم ہو رہی تھی۔
دفعتاً اس نے اپنا نقاب ہتھکڑی لگے ہوئے ہاتھوں سے نوچ ڈالا۔

"ارے...!" قریب کھڑے ہوئے لوگوں کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ قہقہہ لگاتا ہوا

"یہ بھی ایک لطیفہ رہا۔"

لوگ حیران و ششدر کھڑے تھے۔ حمید نے بھی اُسے ایک ہی نظر میں پہچان ل
ڈی۔ ایس۔ پی سٹی تھا، جسے آج بھی وہ پروفیسر جھوس کے یہاں دیکھ چکا تھا۔

"یہ بھی عجیب اتفاق ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔ "ہم دونوں نے مجرموں کو پکڑنے کا ا
طریقہ اختیار کیا۔ میں مسٹر فریدی کو مجرم سمجھتا رہا اور وہ مجھے۔ جب انہوں نے اپنے نام کا
کیا تو مجھے ہنسی آگئی۔ ہتھکڑی تو لگ ہی چکی تھی۔ میں نے کہا چلو تفریح ہی رہے گی۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" پولیس کمشنر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "لایئے ہتھکڑی کی چابی لایئے۔"

"ہتھکڑی تو وہی کھول سکتا ہے جناب جو اپنی ملازمت سے بیزار ہو گیا ہو۔" فرید
لاپروائی سے کہا۔

"کیا مطلب۔" کمشنر کے لہجے میں تیزی تھی۔

"یہ وارنٹ۔" فریدی نے جیب سے تہہ کیا ہوا کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔ "ناقابل ضمانت ہے
اور براہِ راست وزارت داخلہ کی وساطت سے حاصل کیا گیا ہے۔"

کمشنر نے اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یہ کیا معاملہ ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"معاملات تو کوتوالی ہی چل کر صاف ہوں گے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا بات ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"تمہارا وارنٹ۔" پولیس کمشنر نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں.... کیا واقعی.... یہ کیا لغویت ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی فریدی کو گھورنے لگا۔

"میرا خیال ہے۔" فریدی نے پولیس کمشنر سے کہا۔ "یہاں زیادہ ٹھہرنا پورے شہر کو اکٹھا
کرنے کے مترادف ہوگا۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔" کمشنر چونک کر بولا۔

"میری ہتھکڑیاں کھولی جائیں۔" ڈی۔ ایس۔ پی جھلا کر بولا۔

"مجبوری ہے.... ناممکن۔" کمشنر بڑبڑایا۔

"میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" ڈی۔ ایس۔ پی فریدی کی طرف پلٹ پڑا۔

"اُس وقت میں کافی بوڑھا ہو چکا ہوں گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

دفعتاً حمید نے اُس کے قریب پہنچ کر شانہ مارا۔ فریدی چونک کر مڑا۔

"اوہ! تو آپ بھی تشریف لے آئے ہیں۔"

"پروفیسر جھوس بھی تھا۔" حمید آہستہ سے بولا۔

لیکن فریدی نے دھیان نہ دیا۔ اس نے اسکا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ "چلو بیٹھ جاؤ لاری میں۔"

وہ کوتوالی پہنچے۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کے تیور بتا رہے تھے کہ اس نے شکست تسلیم نہیں کی۔
حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں فریدی نے ٹھوکر ہی نہ کھائی ہو۔ اگر ایسا ہوا تو بڑی بدنامی ہوگی۔ وہ
پروفیسر جھوس کے متعلق بھی سوچ رہا تھا۔

"ہاں تو تم نے کس بناء پر میرے لئے وارنٹ حاصل کیا ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے غصیلی
آواز میں فریدی کو مخاطب کیا۔

"بدمعاشوں کے ایک گروہ کی سرپرستی کرنے کے سلسلے میں۔" فریدی بولا۔ "کیا یہ سب

تمہارے آدمی نہیں ہیں۔" فریدی کا اشارہ ستائیس گرفتار شدہ آدمیوں کی طرف تھا۔

"سب میرے آدمی نہیں ہیں۔" ڈی۔ایس۔پی نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔ پھر انہیں مخاطب کر کے بولا۔ "راجن، دلاور، اختر، ستیل، ناگر اپنے نقاب اتار دو۔"

پانچ آدمیوں نے اپنے نقاب نوچ ڈالے۔ پھر ڈی۔ایس۔پی فریدی کو قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ ہیں میرے جوان! جنہیں میں اپنے ساتھ اس مہم پر لے گیا تھا۔ ان میں سے دو سب انسپکٹر ہیں اور تین کانسٹیبل۔"

"لیکن انہوں نے گرفتاری کے بعد تمہاری طرح قہقہے لگائے تھے اور یہ دلاور تو شاید ریلوے پولیس کا سب انسپکٹر ہے۔ اس بیچارے کو ایسی مہموں سے کیا سروکار۔ کیوں دلاور کیا تمہیں وہ ٹائم بم نہیں یاد جو تم نے ایک مسافر کے سوٹ کیس کی تلاشی لیتے وقت اس میں رکھ دیا تھا۔"

دلاور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے گھورتا رہا۔ فریدی پھر بولا۔ "اتفاق سے وہ بم نہیں پھٹ سکا۔ اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔"

اچانک دلاور چکرا کر گر پڑا۔ وہ بیہوش ہو چکا تھا۔ فریدی طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کمشنر کی طرف مڑا۔

"جناب والا.... پہلا ثبوت۔" اس نے کہا۔ کمشنر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے ڈی۔ایس۔پی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا تم بلیک میلروں کے سرغنہ نہیں ہو۔ کیا اعلیٰ پیمانے پر کوکین کی تجارت نہیں کرتے۔"

"نہیں بہرام ڈاکو بھی میں ہی ہوں اور چین کا فومانچو بھی۔" ڈی۔ایس۔پی نے قہقہہ لگایا۔

"تم نے دونوں کو مات کر دیا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور سنو! میں نے تمہیں چاروں طرف سے باندھ کر یہ اقدام کیا ہے۔ تمہیں وہ خطوط تو یاد ہی ہوں گے جن کے ذریعہ جاوید کو بلیک میل کر رہے تھے۔"

"بکے جاؤ.... مجھے یقین ہے کہ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔"

"اور اُس دن۔" فریدی اس کی بات پر دھیان نہ دیتا ہوا بولا۔ "وہ خطوط میں نے ہی اس آدمی کی جیب سے اڑائے تھے جس کو بعد میں تمہارے ایک آدمی نے گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا اور جا ہوا ان خطوط پر مجھے تمہاری انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔"

"میری انگلیوں کے نشانات۔" ڈی۔ایس۔پی چونک کر بولا۔

"جناب.... اور مجھے تم پر اس وقت شبہہ ہوا تھا جب تمہارے آدمیوں نے ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر اس بات کا پتہ لگا لیا تھا کہ رفعت نعیم کے لئے برادر ہوڈ کلب میں میں نے ہی میز مخصوص کرائی تھی۔ پولیس کی یہ کارگذاری معجزے سے کم نہیں تھی۔ اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ تم کو کسی طرح سے میری آمد کی خبر مل گئی تھی اور تم نے ہم دونوں پر شروع ہی سے نظر رکھی تھی۔ تمہارا پلہ بھاری پڑ رہا تھا کیونکہ ایک طرف تم پولیس سے کام لے رہے تھے اور دوسری طرف تم نے اپنے بدمعاشوں کو بھی میرے پیچھے لگا رکھا تھا۔ تمہیں یہ بات بھی معلوم ہو گئی تھی کہ میں کسی وجہ سے اس کیس میں کھل کر سامنے نہ آسکوں گا۔ لہٰذا تم نے ہم دونوں کو ختم کر دینے کی اسکیم بنائی جیسے ہی تمہیں معلوم ہوا کہ میں نے برادر ہوڈ کلب میں رفعت نعیم کے نام سے میز مخصوص کرائی ہے تم نے ہمیں بدحواس کرنے کے لئے رفعت نعیم کو قتل کر دیا۔ تمہاری اسکیم یہ تھی کہ بھاگ دوڑ میں ہمیں اپنے آدمیوں کی گولی کا نشانہ بنوا دیتے اور دنیا سمجھتی کہ حالات کی بناء پر غلط فہمی میں مبتلا ہو کر تم سے یہ حرکت سرزد ہو گئی۔ بہرحال تم قانون کی گرفت سے محفوظ رہتے جب ہم اس طرح بھی قابو میں نہ آئے تو تم نے سرجنٹ حمید کے سوٹ کیس میں بم رکھوا دیا، جو اتفاق سے پھٹ گیا۔"

"پھٹ گیا۔" ڈی۔ایس۔پی بے اختیار بولا۔ "مگر تم نے تو ابھی کہا تھا....!"

وہ یک بیک رک گیا جیسے اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔ فریدی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کمشنر کی طرف دیکھا۔

"دیکھا آپ نے۔" اس نے کہا۔ "یہ دوسرا ثبوت ہے۔ خیر بہرحال میرے پاس درجنوں ثبوت ہیں۔ رفعت کی بیوی سے تمہارے ناجائز تعلقات تھے۔ دوسری طرف وہ جاوید سے بھی تعلقات رکھتی تھی۔ تمہاری باتیں اُس سے بتاتی تھی اور اُس کی تم سے۔ جاوید نے کبھی اُسے محبت بھرے خطوط بھی لکھے تھے جو اس کے پاس موجود تھے اور تم اس سے واقف تھے جاوید نے اپنا وہ رومال جو اس کی لاش کے پاس پایا گیا تھا اسے تحفتاً دیا تھا۔ ایک بار جاوید نے کسی بات پر خفا ہو کر اُسے کچھ سخت وسست لکھا اور پیار ہی پیار میں جان سے مار ڈالنے کی دھمکی بھی دی۔ تم تو بلیک میلر تھے ہی۔ تم نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ جاوید بھی خاصی موٹی مرغی تھا۔ رفعت کی بیوی نے تمہیں شاید اس کا وہ خط دکھا دیا۔ بس تم نے اسے مار ڈالا اور اس کی لاش لنگڑی کوٹھی میں ڈال دی

جو جاوید کے خاندان والوں کی ملکیت تھی۔ رومال کی وجہ سے جاوید پکڑا گیا۔ اس کے خطوط تم نے پہلے ہی اڑا لئے تھے۔ آخری خط اس کے خلاف عدالت میں بہ آسانی استعمال کیا جاسکتا تھا لہٰذا جب وہ ضمانت پر رہا ہوا تو تمہارے ایک آدمی نے اُسے بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ وہ اس سے پچاس ہزار روپے طلب کر رہا تھا وہ شائد دے بھی نکلتا اگر میں بیچ میں ٹانگ نہ اڑا دیتا۔ یہ تو ہوئی قتل کی بات، اب لنگڑی کوٹھی کے چیختے دریچے کا حال سنو۔"

"میں کچھ نہیں سنتا۔" ڈی۔ ایس۔ پی مسکرا کر بولا۔ "اب یہ مذاق ختم کرو۔ آج تم نے مجھے بہت ذلیل کیا ہے۔"

فریدی اس کی بات سنی ان سنی کر کے ریلوے کا سب انسپکٹر پولیس دلاور کی طرف دیکھنے لگا جو زمین پر پڑا اپنی آنکھیں مل رہا تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اُسے اٹھایا اور گھسیٹتا ہوا ایک دوسرے کمرے میں لیتا چلا گیا۔ پھر اس نے کمشنر اور مجسٹریٹ سے بھی استدعا کی کہ وہ بھی اس کمرے میں آجائیں۔

دلاور مرزا بُری طرح کانپ رہا تھا۔ ہوش میں آتے ہی اس کی حالت دوبارہ غیر ہونی شروع ہو گئی تھی۔

"سنو دلاور۔" فریدی نے اُسے مخاطب کر کے کہا۔ "ڈی۔ ایس۔ پی ابھی تو اقرار جرم کر رہا ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ عدالت میں مکر جائے لہٰذا میں تم پانچوں کو سرکاری گواہ بنانا چاہتا ہوں لیکن اسی صورت میں جب تم مجھے اس کا یقین دلا دو کہ تمہارے ہاتھ بھی خون میں رنگے ہوئے نہیں ہیں۔"

"مجھے بچائیے۔" دلاور مرزا گڑگڑایا۔ "میرے بچے، میرے بعد ان کا کوئی نہیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آج تک خون نہیں کیا.... اگر وہ بم پھٹ جاتا تب تو میرے لئے بھی پھانسی تھی.... مجھے بچائیے۔"

"لنگڑی کوٹھی میں کوکین تقسیم ہوتی تھی نا۔" فریدی نے پوچھا۔ "ہر جمعرات کو۔"

"جی ہاں۔"

"اور وہ چیخیں جو مائیکروفون کے ذریعہ پیدا کی جاتی تھیں.... ایک قسم کا اشارہ تھیں.... کیوں؟"

"جی ہاں جناب! اس اشارے پر وہ لوگ وہاں پہنچ جاتے تھے، جو شہر میں کوکین تقسیم کرتے تھے۔"

"اور کوکین کا ذخیرہ لنگڑی کوٹھی کے اس تہہ خانے میں ہے جس کا علم جاوید کے خاندان والوں کو بھی نہیں، اب بھی موجود ہے۔"

"جی ہاں! وہ تہہ خانہ کوتوال صاحب ہی نے دریافت کیا تھا۔"

"رفعت کی بیوی کا گلا بھی انہیں نے گھونٹا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"جاوید کو بلیک میل کرنے کے لئے۔"

"جی ہاں.... خدا کے لئے مجھے بچائیے۔"

"تم بچ جاؤ گے.... اب اپنا تحریری بیان دے دو۔"

تھوڑی دیر بعد کوتوالی کا ہیڈ محرر اس کا بیان قلم بند کر رہا تھا۔ اسی طرح فریدی نے دو اور گواہ لئے۔ بقیہ دو شائد بہت زیادہ مضبوط دل کے مالک تھے۔ انہوں نے اقبال جرم نہیں کیا۔ وہ اسی بات پر اڑے رہے کہ وہ لوگ بدمعاشوں کے بھیس میں بدمعاشوں کو پکڑنے گئے تھے اور جب اُن سے بقیہ بائیس آدمیوں کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ وہی بدمعاش ہوں جن کے لئے وہ وہاں گئے تھے۔ دلاور مرزا اور دوسرے آدمیوں نے ان کے متعلق بتایا کہ وہ ڈی۔ ایس۔ پی ہی کے لوگ تھے۔ آج وہ سب اس بات کا پتہ لگانے گئے تھے کہ پچھلی رات کو کس نے کوکین تقسیم کرنے کے اشارات نشر کئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اشارات صرف جمعرات کو نشر کئے جاتے تھے اور یہ کام خود ڈی۔ ایس۔ پی کرتا تھا.... لہٰذا اتوار کی رات کو ان کو سنا جانا ان لوگوں کیلئے حیرت انگیز تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی کو سب سے زیادہ پریشانی اس بات کی تھی کہ کہیں کسی نے تہہ خانے کا راستہ نہ پالیا ہو کیونکہ مائیکروفون کا سٹ اسی تہہ خانے ہی میں رکھا جاتا تھا۔

سارے مجرم حوالات میں ڈال دیئے گئے۔

پھر فریدی کو حکام کے سامنے پوری روئیداد بیان کرنی پڑی۔

"وہ حمید سے اچھی طرح واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ پروفیسر جھوس کے یہاں مقیم ہے انہوں نے اسے محض اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ پوشیدہ طور پر اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھ کر میرا سراغ پاسکیں اور پھر اکٹھے ہم دونوں کو ٹھکانے لگا دیں۔ لیکن خود میں نے ہی حمید کو اپنا پتہ نہ دیا اور میں اسی وقت سے ان لوگوں کے پیچھے لگ گیا تھا جب وہ حمید کو پبلک لائبریری سے اٹھا کر سید پور والی عمارت میں لے گئے تھے.... لہٰذا واپسی پر میں نے اچانک حمید پر اس لئے حملہ

کیا کہ اس تک اپنا پیغام بھی پہنچا دوں اور ان آدمیوں کو بھی غلط راستے پر لگاؤں جو اس کا پیچھا کر رہے تھے۔"

"آپ احمد کمال نہیں بلکہ باکمال فریدی ہیں۔" کمشنر ہنس کر بولا۔ "جب یہ کم بخت ہی ان ساری سازشوں کا سرغنہ تھا تو بھلا یہاں کی پولیس کیا کر سکتی تھی۔"

"اب سنئے! اس کے بعد مجھے لنگڑی کوٹھی کی فکر پڑ گئی۔ میں نے وہاں اپنی ایک پوری رات برباد کی تب اس تہہ خانے کا پتہ چلا۔ وہ بھی اتفاقاً..... نہ میں ٹھوکر کھا کر گرتا اور نہ مجھے اس کی جگہ کی زمین پولی ہونے کا اندازہ ہوتا۔ بہر حال میں نے کل رات کو انہیں کی چھری سے ان کو ذبح کرنے کی کوشش کی۔ ان کا مائیکروفون استعمال کر کے ویسی ہی چیخیں نکالیں اور تین رنگوں والی ٹارچ لائٹ کے کرتب دکھائے۔ نتیجے کے طور پر آج یہ بیچارے دوڑے ہی چلے آئے اور میں نے اپنے آدمی تو اس کے دوسرے ہی دن بلوا لئے تھے، جب سرجنٹ حمید پر حملہ ہوا تھا۔"

"لیکن رفعت کی بیوی کے قتل کے متعلق آپ کو کیسے معلوم ہوا تھا۔" مجسٹریٹ نے پوچھا۔

"ان خطوط سے جن کے ذریعے جاوید کو بلیک میل کیا جا رہا تھا، یقین کیجئے کہ اس میں سے زیادہ تر قیاس تھا جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔ میرا خیال ہے کہ آپ کے ڈی۔ ایس۔ پی صاحب اسی طرح اوروں کو بھی بلیک میل کر چکے ہوں گے۔ طریقہ بھی خاصا دلچسپ ہے۔ پھانسی سے بچنے کے لئے مالدار آدمیوں کے لئے لاکھ دو لاکھ کوئی بڑی بات نہیں اور ڈی۔ ایس۔ پی صاحب قتل کے ماہر۔ پولیس کے راجہ بھلا ان پر کون ہاتھ ڈال سکتا تھا۔"

"کیا تم پہلے ہی سے جانتے تھے کہ وہ ڈی۔ ایس۔ پی ہی تھا۔" کمشنر نے پوچھا۔

"پہلے صرف یہ خیال تھا کہ پولیس کا کوئی آدمی ان سازشوں میں شریک ہے۔ لیکن ڈی ایس پی کے وجود کا علم اس دن ہوا جب وہ لوگ سرجنٹ حمید کو پکڑ لے گئے۔ میں نے ان کے درمیان میں ایک نقاب پوش کو دیکھا اور ایک ہی نظر میں پہچان گیا کہ وہ ڈی۔ ایس۔ پی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ وہ بدمعاش اُسے ایک پُر اسرار آدمی سمجھتے تھے۔ وہ اس کی شخصیت سے واقف نہیں تھے۔ شائد انہیں یقین تھا کہ وہ کبھی پکڑے ہی نہیں جا سکتے۔ اس کا رعب اتنا تھا کہ اس کے بدمعاشوں نے کبھی یہ جاننے کی ہمت ہی نہیں کی کہ اس سیاہ نقاب کے پیچھے کس کا چہرہ ہے۔ اگر میں اس وقت ذرا سا بھی چوکتا تو یہ صاف بچ گیا تھا۔ بڑی آسانی سے ہتھکڑیاں کھلوا کر مجھے ایک نئی الجھن میں مبتلا کر دیتا۔ اچھا ہی ہوا تھا کہ میں نے وزارت داخلہ

سے وارنٹ حاصل کیا تھا.... ورنہ ہوتا یہ کہ وہ مجھے قہقہوں میں اڑا کر صرف اپنے بائیس بدمعاشوں کو جیل میں ٹھنسوا دیتا اور وہ بیچارے یہی سمجھتے رہتے کہ کوتوال صاحب نے بدمعاش کا بھیس بدل کر ہمارا بیڑا غرق کیا ہے۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" کمشنر نے کہا۔ "وہ یہ کہ تم ابھی تک انسپکٹر ہی کیوں ہو۔"

"کیا آپ کو نہیں معلوم کہ میں ترقیوں کے لئے اس محکمے میں نہیں آیا۔ مجھے اس کام سے لگاؤ ہے۔ اور میں اپنی ذاتی دولت اس کے شوق میں پھونکتا ہوں۔ ورنہ میرا محکمہ اتنا مالدار نہیں کہ میرے مصارف برداشت کر سکے۔ اب اسی کیس میں میں نے اپنے چھ سات ہزار روپے پھونک دیئے ہیں۔ ظاہر ہے محکمہ مجھے اتنا بھتہ نہیں دے سکے گا۔"

"کچھ نہ کچھ تو ملے ہی گا۔" مجسٹریٹ ہنس کر بولا۔

"اوہ.... آپ کو حیرت ہو گی کہ میں نے آج تک اس قسم کا کوئی بل پیش ہی نہیں کیا ہے۔"

"تب تو معاف کیجئے گا۔ مجھے آپ کی ذہنی حالت پر شبہ ہے۔" کمشنر نے مسکرا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی بھی جواباً مسکرا دیا۔

❋

پو پھوٹ رہی تھی۔ حمید نے فریدی کے پہلو میں کہنی مار کر کہا۔

"اور پروفیسر جھوس۔"

"مارو گولی.... میں نے ابھی اُسے فون کرا دیا ہے کہ ہمارا سامان کوتوالی میں بھجوا دے۔"

"اور اگر میں آپ کی آنکھیں کھول دوں تو۔"

"مجھے بڑا لطف آئے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید بڑے ڈرامائی انداز میں اپنا کارنامہ بیان کرنے لگا۔ فریدی ہونٹ سکوڑے سنتا رہا۔ پھر تلخ لہجے میں بولا۔ "میرے منع کرنے کے باوجود بھی تم آوارہ گردی کرتے رہے ہو۔"

"کمال کر دیا آپ نے! آپ کی نظروں میں اس کارنامے کی کوئی وقعت ہی نہیں۔"

"جب وہ کارنامہ ہو تب نا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "برخوردار.... پروفیسر جھوس سیکرٹ سروس کا آدمی ہے اور اس سے مجھے کافی مدد ملی ہے۔ اس نے وہ ریوالور میرے ہی لئے مہیا کئے تھے۔ رمیش وغیرہ مسلح نہیں تھے۔ اس وقت پروفیسر جھوس کی اصلیت سے اس شہر میں صرف ہم ہی دونوں واقف ہیں۔ تیسرا کوئی نہیں۔"

"آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"اب بھی نہ بتاتا اگر تم اُس پر شک نہ کرنے لگتے۔ شائد اس کی بیٹی اور بھتیجا بھی نہ جانتے ہوں کہ وہ سیکرٹ سروس کا آدمی ہے۔ کیا سمجھے اور تم بھی اس بات کو اپنے ہی تک رکھنا حتیٰ کہ پروفیسر جھوس پر بھی یہ ظاہر نہ ہو کہ تم اس کے راز سے واقف ہو۔"

"بوں ڑر کسے کہتے ہیں۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا اور فریدی بیساختہ ہنس پڑا۔

"میں یہ لطیفہ سن چکا ہوں۔" اس نے کہا۔ "سلیمہ ہسٹریا کی مریض ہے اور یہ بے تکا لفظ اس بُری طرح اس کے ذہن سے چپک گیا ہے کہ یہی بعض اوقات دورے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس کی اَنا یو۔پی کے مشرقی حصے کے کسی دیہات کی تھی۔ غالباً اس نے بچپن میں یہ لفظ اُسی کی زبان سے سنا ہوگا۔ پورب کے بعض دیہاتوں میں دیہاتی بوتڈر کو بگاڑ کر بوں ڑر کہتے ہیں۔"

"ہائے ہائے۔" حمید اپنا سینہ پیٹنے لگا۔ "اس کے پیارے پیارے منہ سے مجھے بوں ڑر بہت اچھا لگتا ہے۔ بوں ڑر.... بوں ڑر.... بوں ڑر۔"

پھر اس نے عورتوں کی طرح اپنی آواز باریک کر کے "بوں ڑر" کہا اور فریدی نے اس کی پیٹھ پر ایک دھول جمادی۔

تمام شد